یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

روزِ قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من نیز حاضر مے شوم تفسیرِ قرآں در بغل

تفسیرِ القرآن

پارہ وَمَا اُبَرِّئُ (۱۳) تا قَدْ اَفْلَحَ (۱۸)

مُفسّر
حضرت ادیبِ اعظم الحاج مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی
[مصنّفِ دو صد سیزدہ کتب
و
بانیٔ جامعۂ امامیہ]

جلد سوم

شمیم بک ڈپو، ناظم آباد ۲ ۔ کراچی ۱۸

۷۸۶

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے پارہ ۱۳ تا پارہ ۱۸ کی تصحیح کی۔ اب اس کے متن میں کوئی کمی بیشی یا کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ

فقط حافظ عبدالرؤف

حافظ عبدالرؤف پروف ریڈر

۲۳ جون ۱۹۷۹ء

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ

تفسیر القرآن

جلد سوم

مفسر

حضرت ادیبِ اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

ناشر : شمیم بک ڈپو، ناظم آباد ۲، کراچی ۱۸

مطبع : الیٹ پبلشرز لمیٹڈ، کراچی

کتابت : محمود ابن الماس رقم

بار اول — ہدیہ : ۷۵٫۰۰ — ۱۹۸۱

فہرست

معاونین

الحاج ڈاکٹر سیّد ندیم الحسن صاحب نقوی، بی۔ ایس سی، ایم۔ بی۔ بی ایس
سیّد شمیم الحسن صاحب نقوی ایم۔ اے، ایل ایل بی سینئر ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ بنک آف کامرس اینڈ کریڈٹ انٹرنیشنل لندن
سیّد نسیم الحسن صاحب نقوی بی۔ ایس سی انجینئر، سپرنٹنڈنٹ پاور ہاؤس، کراچی
پروفیسر ڈاکٹر ہاشم علی صاحب کاظمی پروفیسر آف پیتھالوجی سندھ میڈیکل کالج، کراچی
سیّد کاظم حسین صاحب نقوی، سٹیٹ بنک آف پاکستان، کراچی
پروفیسر مولانا سیّد عنایت حسین صاحب جلالوی بانی مجلس ملی پاکستان
مرزا حفاظت حسین صاحب چغتائی ایم۔ اے، ریٹائرڈ سیکشن آفیسر منسٹری آف فنانس سابق سیکرٹری نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ
سیّد شبیہ الحسن صاحب ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بنک کراچی
سیّد عرفان حسن صاحب زیدی ایم۔ اے، بی۔ ایڈ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
سیّدہ پروین دولت صاحبہ ذاکرہ ادیب آگرہ (دختر ادیب اعظم)
ڈاکٹر مس نازنین دولت، پی ایچ ڈی، اسسٹنٹ پروفیسر کراچی یونیورسٹی
ڈاکٹر سیّد خاقان حسن صاحب سینئر ریسرچ آفیسر پی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ آر
سیّد عالیجاہ حسین صاحب ایم۔ ایس سی، اے۔ ایس۔ سی۔ پی (امریکہ)
سیّد محمد بوعلی صاحب نقوی امروہوی، جامعہ امامیہ، کراچی
سیّد قسیم الحسن صاحب بی۔ ایس سی، بی۔ ای۔ ایم ایس، پرنسپل گورنمنٹ ٹیکنیکل کالج، کراچی
سیّد شفیق العباس صاحب ایم۔ اے
سیّد سلیمان جاہ صاحب بی فارمیسی
سیّد علی امجاد صاحب نقوی بی۔ اے، ریٹائرڈ اکاؤنٹس آفیسر پاکستان ریونیو
سیّد محمود الحسن صاحب رضوی، ڈپٹی ڈائریکٹر لیبر (افرادی قوت)
پروفیسر سیّد غلام عباس صاحب ایم۔ اے انگلش، ایم۔ ایڈ
مس گلناز زہرا نقوی
ڈاکٹر سیّد شہنشاہ حسین صاحب، ایم۔ بی۔ بی ایس
سیّد سبطین محمد نقوی بی۔ اے، یونائیٹڈ بنک
سیّد جعفر نسیم صاحب، ایم۔ ایس سی
مس نسرین عرفان، بی۔ ایس سی، ایم۔ اے، ایم ایڈ
خلیفہ سیّد حسن مہدی صاحب آف لاہور
فردوس شمیم صاحب نقوی، بی ای
سیّد مہدی حسن صاحب عابدی
سیّد آصف جاہ صاحب، ایم۔ ایس سی

○

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

(حضرت یوسف نے کہا) یوں تو میں بھی اپنے نفس کو گناہ سے بے لوث نہیں کہتا (کیونکہ میں بھی بشر ہوں) بے شک نفس بُرائی کی طرف اُبھارتا ہی رہتا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے، بے شک میرا رب غفور و رحیم ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے پاس لاؤ میں اس کو اپنے ذاتی کام کے لیے خاص کر لوں گا۔ جب بات چیت کی (اور حضرت یوسفؑ کی اعلیٰ قابلیّت ثابت ہوئی) تو اُس نے کہا تم آج سے ہماری سرکار میں باوقار امانت دار قرار پائے۔ حضرت یُوسف نے کہا (اگر آپ نے میری قدر دانی کی ہے) تو مجھے زمین کے خزانوں کا افسرِ اعلیٰ مقرّر کیجئے۔ تاکہ میں ان کا امانت دار خزانچی بنوں، میں حساب کتاب سے بھی واقف ہوں۔ (غرض حضرت یوسفؑ شاہی خزانوں کے افسر مقرّر ہوئے) اور یُوں ہم نے انہیں مُلکِ مصر پہ قابض کیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں۔ ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت عطا کرتے ہیں اور ہم نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور جو لوگ ایمان والے اور پرہیزگار ہیں آخرت کا اجر اُن کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے۔

جب حضرت یوسفؑ کو خزانوں کی افسری ملی تو ان کا سن اس وقت ۳۳ سال کا تھا۔ سات سال کام کرنے کے بعد جب بادشاہ کو ان کی بہترین کارکردگی کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنا جانشین بنا کر سلطنت کا تمام کاروبار ان کے

سپرد کر دیا۔ اور خود اُمورِ سلطنت سے دست بردار ہو گیا۔ پہلے نبی تھے اب بادشاہ بھی ہو گئے۔ اَسّی سال بادشاہت کرنے کے بعد آپؑ کا انتقال ہوا۔

ارزانی کے زمانہ میں آپؑ نے جو غلّہ جمع کرایا تھا قحط کے سال آنے پر آپؑ نے اس کو فروخت کرنا شروع کر دیا۔ پہلے سال روپیہ کے عوض، دُوسرے سال زیورات وجواہرات کے عوض، تیسرے سال چوپاؤں اور جانوروں کے بدلے، چوتھے سال غلاموں اور لونڈیوں کے بدلے، پانچویں سال گھروں۔ درختوں اور اَثاثُ البیت کے عوض، چھٹے سال کھیتوں اور نہروں کے عوض غلّہ دیتے رہے۔ جب لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ رہا تو ساتویں سال لوگوں کی جانیں مُول لے کر غلّہ دیا۔ غرض پُورے مُلک میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ رہا جو حضرت یوسفؑ کا غلام نہ بن گیا ہو۔ یوں خدا نے حضرت یوسفؑ سے غلامی کا دھبّہ مٹایا۔ یہ غلّہ کی فروخت اس طرح ہوتی تھی کہ کسی کو ضرورت سے زیادہ نہ دیا جاتا تھا تاکہ لوگ ذخیرہ اندوزی یا تجارت نہ کر سکیں۔

لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ حضرت یوسفؑ نے خزانوں کی افسری دولت کے لالچ میں کی تھی۔ جو واقعات گزر چکے تھے ان سے آپ کی راست بازی۔ دیانت داری اور کردار کی بلندی تمام اہلِ مصر پر اچھی طرح ثابت ہو چکی تھی۔ آپ نے کسی ذاتی فائدہ کی غرض سے اس عُہدہ کی خواہش ظاہر نہ کی بلکہ آپؑ کا منصُوبہ یہ تھا کہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر کی رُو سے جو قحط سالی کا زمانہ آئے اس میں مُلک کی ایک فرد بھی فاقہ کشی کی زحمت نہ اُٹھائے۔ اور جو دولتمند ہیں ان کو ذخیرہ اندوزی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ ملے۔ امیر، غریب سب کو حسبِ ضرورت غلّہ ملتا رہے۔ جو لوگ محتاج تھے اور جن کے پاس غلّہ خریدنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی اُن کو آپؑ مفت غلّہ دیتے رہے۔ رعایا کے لیے یہ ایک ایسا بہترین نظام تھا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اگر حضرت یوسفؑ اس کام کو اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ملکی حکمران اور سرمایہ دار طبقہ مزے اُڑاتا اور نادار مخلوق فاقہ سے مر جاتی۔

قحط سالی کا زمانہ گزر جانے کے بعد آپؑ نے غلّہ کے عوض پبلک سے جو کچھ لیا تھا وہ واپس کر دیا۔ اس طریقہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو چیز جس کی ملکیت تھی وُہ اُسے واپس مِل گئی اور کسی کو حکومت کی ظلم پسندی اور سخت گیری کی شکایت کا موقع نہ ملا۔ دُنیا کے نظامِ جہانبانی میں ایسی نظیر ڈھونڈے نہیں ملتی۔ یوسف علیہ السّلام صرف بادشاہ ہی نہ تھے بلکہ نبی بھی تھے۔ لہٰذا جو کچھ عملِ خیر ہوا نبوّت کے سایہ میں ہوا اور اس علم کے تحت ہوا جو خدا کی طرف سے حضرت یوسفؑ کو عطا ہُوا تھا۔

قحط سالی کے زمانہ میں حضرت یوسفؑ کے غلّہ فروخت کرنے کا چرچا نہ صرف مصر کے ہر گھر میں تھا بلکہ اطرافِ مصر میں بھی بنظرِ تحسین و آفرین دیکھا جا رہا تھا۔ چنانچہ یہ آوازہ کنعان میں بھی پہنچا۔ اگرچہ کنعان کا علاقہ مصری حکومت سے باہر تھا لیکن یہ پتہ چلنے پر کہ صلائے عام ہے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کو اس فیضِ عام سے فائدہ اٹھانے کی خواہش پیدا ہوئی اور ایک قافلہ کے ساتھ وہ بھی غلّہ لینے مصر میں داخل ہوئے۔

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے نفس میں غلطی کی طرف جھکنے کی قوّت تو ہے لیکن وُہ اپنے

نفس پر پورا قابو رکھتے ہیں۔ ترکِ اولیٰ کا صدُور بھی بتاتا ہے کہ جھکنے کی رغبت موجود ہے مگر اس سے آگے بڑھنے سے خدا ان کو بچا لیتا ہے۔ وُہ خود بھی بہت جلد اپنی کمزوری سے آگاہ ہو کر اپنے نفس کو محفوظ کر لیتے ہیں۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور یوسف کے بھائی (مصر میں) آئے اور یوسف کے پاس گئے انہوں نے بھائیوں کو پہچان لیا مگر وہ یوسف کو نہ پہچان سکے اور جب (غلّہ دے کر) یوسف نے ان کا سامان (لے جانے کے لیے) درست کر دیا تو ان سے کہا تم اپنے سوتیلے بھائی کو (جسے گھر چھوڑ آئے ہو) اپنے ساتھ (اگلی بار) میرے پاس لانا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ناپ بھی پُوری دیتا ہوں اور بہترین مہمان نواز بھی ہوں۔ (یاد رکھو) اگر تم میرے پاس اُسے نہ لائے تو پھر میں تمہیں غلّہ بھی نہ دوں گا اور نہ اپنے پاس آنے دوں گا۔ انہوں نے کہا ہم اپنے والد سے جلد ہی اس کے لیے درخواست کریں گے اور یہ کام ضرور کریں گے اور یوسف نے اپنے چوبداروں کو حکم دیا کہ ان کی پُونجی (غلّہ کی قیمت) ان کے بوروں میں چپکے سے رکھ دو تاکہ جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جائیں تو اُسے پہچان لیں اور اس طمع میں وہ پھر پلٹ کر آئیں۔

حضرت یوسفؑ نے تو فوراً اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور وہ نہ پہچان سکے۔ اس کی تفسیر میں مفسّرین نے دو وجہیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ خصائصِ انبیاءؑ میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب تک وہ خود نہ چاہیں کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا۔ دوسرے یوسفؑ کے بھائیوں کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یوسفؑ بادشاہِ مصر ہو گئے

ہیں۔ یوسفؑ کو شاہانہ شان وشوکت میں دیکھ کر وہ کیسے پہچان سکتے تھے۔

حضرت یوسفؑ کے حقیقی بھائی بن یامین تھے۔ جب چلتے وقت یوسفؑ کے بھائیوں نے انہیں ساتھ لے جانا چاہا تھا تو حضرت یعقوبؑ نے انہیں روک لیا تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں یوسفؑ کی طرح اس سے بھی نہ ہاتھ دھو بیٹھیں جب یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے اور غلّہ کی خواہش کی تو انہوں نے پوچھا تم سب کے بھائی ہو تاکہ اُسی تعداد کے لحاظ سے غلّہ دیا جائے۔ انہوں نے کہا ہم سب گیارہ بھائی ہیں۔ ہمارا ایک بھائی کنعان میں رہ گیا ہے۔ حضرت یوسفؑ چونکہ اپنے بھائی سے ملنا چاہتے تھے لہٰذا انہوں نے یہ صورت پیدا کی کہ ان سے کہا میں تمہاری صداقت جانچنا چاہتا ہوں کہ گیارہ ہو یا دس۔ لہٰذا غلّہ تو میں اس وقت تم کو دیئے دیتا ہوں مگر اس شرط پر کہ جب پھر غلّہ لینے آؤ تو اپنے اس بھائی کو بھی ساتھ لانا ورنہ تمہارا جھوٹ ثابت ہونے کے بعد میں تم کو نہ تو غلّہ دوں گا اور نہ اپنے سامنے آنے کی اجازت غلّہ کی قیمت ان کے سامان میں اس لیے رکھوا دی کہ جانتے تھے ان کے باپ غریب ہیں نہ معلوم یہ قیمت انہوں نے کس طرح بھیجی ہوگی۔ دوسرے یہ کہ غلّہ مفت مل جانے کی لالچ میں دوبارہ چلے آئیں گے۔

ظاہر بظاہر یہ رقم اس لیے واپس نہ دی گئی کہ ان کو یہ خیال نہ ہو کہ بادشاہ نے ہمیں محتاج سمجھ کر غلّہ بطور خیرات دیا ہے اور اس میں بحیثیت ایک نبی کی اولاد ہونے کے اپنی توہین سمجھیں۔

فَلَمَّا رَجَعُوٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

جب سب بھائی پلٹ کر اپنے باپ کے پاس آئے تو کہنے لگے ابّا جان آیندہ ہمیں غلّہ دینے سے منع کر دیا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بن یامین کو بھیجئے تاکہ غلّہ لائیں اور ہم اس کی پوری طرح حفاظت

کریں گے۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا۔ کیا اس کے بارہ میں تم پر ویسا ہی اعتبار کروں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارہ میں کیا تھا۔ خیر خدا اُس کی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور جب انہوں نے اپنے اپنے اسباب کھولے تو دیکھا کہ ان کی پونجی (غلّہ کی قیمت) انہیں واپس کر دی گئی ہے۔ کہنے لگے ابّا جان ہمیں اور کیا چاہیئے ہماری قیمت تک تو ہمیں واپس دے دی ہے (غلّہ مفت ملا۔ بن یامین کو ہمارے ساتھ جانے دیجئے کہ) ہم اہل وعیال کے لیے غلّہ لا دلائیں، ہم اپنے بھائی کی پوری حفاظت کریں گے اور ایک بارِ شتر غلّہ (بن یامین کے حصّہ کا) اور بڑھوا لائیں گے (جو اب لائے ہیں) یہ تو تھوڑا سا غلّہ ہے۔

حضرت یوسفؑ نے غلّہ نہ دینے کی جو دھمکی دی تھی وہ اس وجہ سے کہ بن یامین کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ جب انہوں نے بن یامین کے لے جانے کو اپنے باپ سے کہا تو وہ حضرت یوسفؑ کے واقعہ کو یاد کر کے ان کے ساتھ بن یامین کو بھیجنے پر تیار نہ ہوئے۔ اور فرمایا مجھے خوف ہے کہ تم اس بھائی کے ساتھ بھی وہی عمل نہ کرو جو یوسفؑ کے ساتھ کر چکے ہو۔ جب غلّہ کی بوریاں کھولی گئیں تو ہر ایک کی بوری میں سے اس کے غلّہ کی قیمت برآمد ہوئی۔ خوش ہو کر کہنے لگے، لیجئے اور کیا چاہیئے، بادشاہ نے ازراہِ کرم ہماری قیمت بھی ہمیں واپس کر دی ہے۔ جو غلّہ ہم لے آئے ہیں وہ کم ہے۔ آپ ہمارے بھائی کو اگر ہمارے ساتھ بھیج دیں گے تو ایک بوری غلّہ اور زیادہ مل جائے گا۔

حضرت یعقوبؑ نے کہا یہ قیمت کیوں واپس آئی؟ معلوم ہوتا ہے تم نے فریب سے کام لیا ہے انہوں نے کہا جی نہیں ہم نے کوئی حیلہ نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے بادشاہ نے ازراہِ شفقت یہ قیمت واپس کر دی فرمایا اچھا اب کی بار جانا تو یہ قیمت بادشاہ کو واپس کر دینا۔ ہم یہ الزام اپنے اوپر لینا نہیں چاہتے۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ

اَبُوْهُمْ ۙ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۸

حضرت یعقوب نے کہا جب تک تم میرے سامنے خدا سے یہ عہد نہ کرو گے کہ اُسے (صحیح سالم) لے آؤ گے میں اُسے تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا ہاں (یہ دوسری بات ہے کہ) تم کہیں گھر جاؤ۔ جب انہوں نے عہد کر لیا تو یعقوب نے کہا ہم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس کا ضامن ہے۔ پھر فرمایا اے فرزندو (میری نصیحت سنو) سب کے سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا متفرّق دروازوں سے (داخل ہونا) میں تم سے (اس بلا کو جو) خدا کی طرف سے آئے ہرگز نہیں ٹال سکتا۔ حکم تو دراصل خدا ہی کا ہے میں نے اُس پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جب یہ سب بھائی اسی طرح مصر میں داخل ہوئے جیسے اُن کے باپ نے کہا تھا وہ تو جو حکم خدا کی طرف سے آنے کو تھا یعقوب اُسے ذرا بھی نہیں ٹال سکتے تھے مگر ہاں یعقوب کے دل میں ایک تمنّا تھی جسے انہوں نے یوں پُورا کر لیا کیونکہ بے شک ہم نے اُسے جو تعلیم دی تھی (تو اس کی وجہ سے) وہ صاحبِ علم ضرور تھا مگر بہتیرے لوگ اس سے واقف نہیں۔

حضرت یعقوبؑ کا یہ اندیشہ بجا تھا کہ کہیں بن یامین بھی ان کی غفلت کا اسی طرح شکار نہ ہو جائے جیسے یوسفؑ ہو گئے تھے اسی بنا پر اُن سے عہد لینا ضروری تھا۔ حضرت کا اپنے بیٹوں کو یہ نصیحت کرنا کہ ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا دو وجہ سے تھا۔ اوّل یہ کہ خوبصورت کڑیل جوان تھے کسی کی نظر نہ لگ جائے دوسرے سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کنعان پر مصر کی حکومت نہ تھی بلکہ وہ ایک سرحدی اور قبائلی علاقہ تھا۔ حکومتِ مصر وہاں کے باشندوں پر کڑی نگرانی رکھتی تھی اور جاسوسی کے شبہ میں بعض افراد کو گرفتار بھی کر لیتی تھی۔ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ (تم گھیر لیے جاؤ) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو اُن کے گرفتار ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ جو مصیبت آنے والی تھی یعقوبؑ اسے ہٹا تو نہ سکتے تھے مگر جو بات دل میں تھی اُسے بیان کر دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ جو حکم اللہ کا ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا

تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۹ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝۷۰ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝۷۱ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاۗءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝۷۲ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝۷۳

جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یُوسف نے اپنے حقیقی بھائی (بن یامین) کو اپنے پہلو میں جگہ دی اور (چپکے سے) کہہ دیا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں تو یہ لوگ جو کچھ (بدسلوکیاں) تیرے ساتھ کر چکے ہیں ان کا کچھ رنج نہ کر۔ جب ان کا سامانِ سفر (غلّہ وغیرہ) درست کرا دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں پانی پینے کا کٹورا (یوسف کے اشارہ سے) رکھوا دیا۔ پھر ایک منادی نے للکار کے کہا اے قافلہ والو (ٹھہرو) یقیناً تم لوگ چور ہو۔ وہ لوگ پکارنے والے کی طرف مُڑے اور پوچھنے لگے تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے انہوں نے کہا ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا ہے اور میں اس کا ضامن ہوں کہ جو شخص اسے لا کر حاضر کرے گا اس کو ایک بارِ شتر غلّہ ملے گا۔ وہ کہنے لگے تم کیا کہتے ہو تمہیں معلوم ہے کہ ہم تمہارے ملک میں فساد کرنے کی غرض سے نہیں آئے تھے اور ہم لوگ چور تو ہیں نہیں۔

ان آیات کے متعلق چند سوالات پیدا ہوتے ہیں :

۱۔ حضرت یوسفؑ نے بن یامین کو کھلّم کھلا کیوں نہ روک لیا؟ جواب یہ ہے کہ اوّل تو علاقہ غیر کے کسی آدمی کو بے جرم و قصور روکنے کا حضرت یوسفؑ کو کوئی حق نہ تھا۔ اس میں بدنامی کی صورت تھی۔

۲۔ جب برادرانِ یوسفؑ چور نہ تھے تو ان کو چور کیوں کہا گیا۔ اور نبی کے لیے یہ کہاں تک زیبا تھا؟ جواب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے خود پکار کر انہیں چور نہیں کہا تھا بلکہ نوکروں نے کہا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ تم کٹورے کے چور ہو بلکہ یہ کہا گیا تھا کہ تم چور ہو۔ چونکہ انہوں نے حضرت یوسفؑ کو باپ سے چرایا تھا اس معنی میں وہ چور تو تھے۔ یوسفؑ کے نوکروں نے یہ کہا تھا کہ بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے — یہ

نہیں کہا تھا کہ تم پیالہ کے چور ہو۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ

تب وہ نوکر بولے اگر تم جھوٹے نکلے تو پھر چور کی کیا سزا ہوگی وہ کہنے لگے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے بورے میں سے وہ نکلے وُہ خود ہی اس کا بدلہ ہے (یعنی غلام بنا لیا جائے) ہم لوگ تو اپنے یہاں ظالموں (چوروں) کو یہی سزا دیا کرتے ہیں غرض یوسف نے خود اپنے بھائی کا بورا کھولنے سے پہلے اپنے بھائیوں کے بوروں کی تلاشی شروع کی آخر میں اُس پیالہ کو اپنے بھائی کے بورے سے برآمد کر لیا۔ ہم نے یوسف کو بھائی کے روکنے کی یہ تدبیر بتائی ورنہ بادشاہِ مصر کے قانون کے موافق اپنے بھائی کو روک نہیں سکتے تھے مگر ہاں جب خدا چاہے ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں اور دُنیا میں ہر صاحبِ علم سے بڑھ کر ایک اور عالم ہے۔ انہوں نے کہا اگر اس نے چُرایا ہے (تو کوئی تعجّب نہیں) اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چرایا تھا یوسف نے (اس کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ) اُس کو اپنے دل میں چھپائے رکھا اور اُن پر ظاہر نہ کیا۔

سب سے پہلے حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ چور کی سزا کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دینی قانون

کی رُو سے اس وقت چور کی سزا الکنعان میں کیا تھی معلوم ہوا وہی تھی جو بھائیوں نے بیان کی تھی یعنی ملّتِ ابراہیمی کا قانون اس وقت وہی تھا ورنہ پیغمبر کے بیٹے ہو کر غلط بیانی نہ کرتے۔ مصر کے قانون کی رُو سے جو غیر اسلامی تھا چور کی سزا قید کر لینا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے نہ چاہا کہ مصری قانون پر عمل ہو اور بن یامین کو قید کیا جائے۔ دوسرے بھائیوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ خدا کہتا ہے کہ یہ تدبیر یوسف کو ہم نے بتائی کہ پہلے بھائیوں سے پوچھا اور جو سزا انہوں نے بتائی اسی پر عمل کیا۔ اس صورت میں ابراہیمی شریعت پر عمل بھی ہو گیا اور بن یامین قید سے بھی بچ گئے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب معلوم تھا کہ پیالہ بن یامین کے سامان میں ہے تو دوسروں کے سامان کی تلاشی کیوں لی گئی جواب یہ ہے کہ ملکی قانون کی رُو سے ایسا کرنا ضروری تھا جیسا کہ عموماً پولیس کیا کرتی ہے ورنہ بھائیوں کو اس کا یقین ہو جاتا کہ یہ کوئی سازش ہے ورنہ کیا وجہ کہ بن یامین کا سامان پہلے کیوں دیکھا گیا۔ یہ شبہ اس لیے قوی ہو جاتا کہ جب بھائی آئے تھے تو بن یامین کو اپنے پہلو میں بٹھایا تھا اور اس سے کچھ سرگوشی بھی کی تھی۔ یوسفؑ نہیں چاہتے تھے کہ وقت سے پہلے راز افشا ہو جائے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بن یامین چور نہ تھے تو پھر چور کی سزا کیوں دی گئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ فقط روکنے کی ایک تدبیر تھی اگر حقیقتاً ان پر چوری کا الزام لگایا گیا ہوتا تو پھر وہ سزا دی جاتی جو چور کی ہوتی ہے لیکن ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی نہ ملکی قانون کی رُو سے نہ شرعی سے۔

بھائیوں نے جو چوری کا الزام حضرت یوسفؑ پر لگایا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ کی پھوپھی نے بے اولاد ہونے کی وجہ سے ان کو پالا تھا حضرت یعقوبؑ جب یوسفؑ کی جدائی گوارا نہ کر سکے تو پھوپھی کے یہاں ان کو لینے گئے ان کو یوسفؑ کا جدا کرنا گوارا نہ ہُوا آخر جب حضرت یعقوبؑ کا اصرار بڑھا تو انہوں نے ایک حیلہ کیا کہ وہ کمربند جو حضرت اسحاقؑ کے ترکے سے ان کو ملا تھا حضرت یوسفؑ کی کمر میں باندھ دیا گویا ان کو چور بنایا اور اس طرح حضرت یوسفؑ کو اپنی پھوپھی کے یہاں رہنا پڑا۔ اسی کی طرف بھائیوں نے اشارہ کیا تھا۔

قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع فَلَمَّا اسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ

ع ۱۱/۹ ۳

وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٠﴾

یوسف نے (اپنے دل میں) کہا تم بڑے بُرے لوگ ہو جو تم بیان کرتے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے - انہوں نے کہا اے عزیز اس (بن یامین) کے باپ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ لے لیجئے - ہم آپ کو بہت احسان کرنے والا سمجھتے ہیں - یوسف نے کہا، خدا کی پناہ! ہم تو صرف اسی کو پکڑیں گے جس کے سامان میں سے ہماری پُونجی نکلی ہے اگر ایسا نہ کریں تو ہم ظالموں میں سے قرار پائیں گے جب یوسف کی طرف سے مایوس ہو گئے تو الگ جاکر باہم مشورہ کرنے لگے جو شخص (یہودا) ان میں سب سے بڑا تھا کہنے لگا (بھائیو) کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے خدا کا عہد کرا لیا تھا اس سے پہلے تم یوسف کے معاملہ میں کیا کچھ نہیں کر چکے ہو جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں گے یا خدا مجھے کوئی حکم نہ دے گا میں تو اس سرزمین سے ٹلنے والا نہیں اور خدا سب سے بہتر حکم دینے والا ہے -

'عزیز' بادشاہِ مصر کا لقب نہیں تھا بلکہ ایک اعزازی لفظ تھا جیسے ہمارے یہاں صاحبِ اقتدار لوگوں کو سرکار، جہاں پناہ وغیرہ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں -

جب بھائیوں نے یہ کہا کہ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے تو حضرت یوسفؑ نے ان کے جواب میں یہ کہا کہ ہم تو اسی کو پکڑیں گے جس کے سامان میں سے مال نکلا ہے - اسی کو شرع میں توریہ یا تقیہ کہتے ہیں یعنی امرِ واقع کو چھپانا - جب کسی مظلوم کو ظلم سے بچانے یا کسی مظلمہ کے دفع کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو کہ حقیقت پر پردہ ڈالا جائے تو وہاں خلافِ حقیقت کہنا جائز ہے - سعدیؒ نے کہا ہے " دروغِ مصلحت آمیز بہ از راستئ فتنہ انگیز" مولانا مودودی نے اپنی تفسیر میں اسے تسلیم کیا ہے - اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم خود ہی کہہ چکے ہو کہ چور ہی کو چوری کی علت میں ماخوذ کیا جائے تو اس کے خلاف کر کے کیا ہم ظالم قرار نہ پائیں گے -

جب یہ لوگ بن یامین کے ملنے سے مایوس ہو گئے تو الگ جاکر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا ہونا چاہیئے - سب کی رائے یہی ہوئی کہ واپس چلنا چاہیئے اور یہ سارا واقعہ باپ سے بیان کرنا چاہیئے - لیکن اس رائے سے ان کے سب سے بڑے بھائی نے موافقت نہ کی اور کہا تمہیں واپس جاتے شرم نہیں آتی - تم بن یامین کے متعلق

کیا پکا وعدہ خدا کو ضامن دے کر نہیں کر آئے ہو اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارہ میں کیسا دھوکا دے چکے ہو - اس کے بعد تم کیسے باپ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرو گے - جانا ہے تو تم جاؤ میں تو یہاں سے اس وقت تک جاؤں گا - جب تک والد ماجد مجھے واپسی کا حکم نہ دیں یا اللہ کوئی ایسی صورت پیدا کرے کہ میرا واپس جانا درست ہو - بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت یوسفؑ کی شادی زلیخا سے ہو گئی تھی اور حضرت یوسفؑ کی دُعا سے وہ از سرِ نو جوان ہو گئی تھیں اور اس کے بطن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی تھی - لیکن بعض لوگوں نے اس کو محض افسانہ قرار دیا ہے اور بے ثبوت قصّہ بنایا ہے - ہمارے علمأ نے اس کی تصدیق کی ہے - (واللہ اعلم بالصواب)

جب حضرت یوسفؑ نے بن یامین کو روکا تو ان سے پوچھا تمہاری شادی ہو گئی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا ہو گئی ہے - پوچھا اولاد ہے؟ کہا' ہے - پوچھا، اُن کے نام کیا رکھے ہیں؟ کہا ذئب (بھیڑیا)، قمیص اور دم (خون) فرمایا، یہ نام کیوں رکھے؟ کہا، اس لیے کہ بھائی کی یاد ہر وقت تازہ رہے -

---

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾ وَسْــَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾

(اس نے کہا) تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہم تو اپنی

دانست کے مطابق بیان دے رہے ہیں۔ ہم غیب کی باتوں کے نگہبان تو تھے نہیں۔ آپ اس بستی (مصر) کے لوگوں سے دریافت کر لیجئے اور اس قافلہ سے بھی جس میں ہم آئے ہیں پوچھ لیجئے بے شک ہم سچے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا (اُس نے چوری نہیں کی) بلکہ یہ بات تم نے اپنی طرف سے گڑھ لی ہے خیر صبر (کے سوا کیا چارۂ کار ہے) مجھے امّید ہے کہ میرے سب لڑکوں کو (خدا) میرے پاس پہنچا دے گا۔ بے شک وہ بڑا واقف کار حکیم ہے (یہ کہہ کر) یعقوب نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور (رو کر) کہنے لگے ہائے افسوس یوسف پر، اور (اس قدر روئے کہ ان کی) آنکھیں صدمے سے سفید ہو گئیں۔ وہ تو بڑے رنج کے برداشت کرنے والے تھے۔ (ان کے بیٹے) کہنے لگے آپ تو ہمیشہ یوسف کو ہی یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان ہی دے دیں گے۔ یعقوبؑ نے کہا میں تو اپنی بیقراری اور رنج کی شکایت اللہ سے کر رہا ہوں اور خدا کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یوسفؑ کے بھائیوں نے باپ کے سامنے جو بیان دیا وہ چوری کی تصدیق نہیں تھی بلکہ جو کچھ سُنا سُنایا اُن کے علم میں تھا وہ بیان کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ جو وعدہ ہم کر کے گئے تھے وہ ضرور پورا کرتے مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ پردۂ غیب میں کیا ہے اور کیا بلا ہم پر نازل ہونے والی ہے۔ آپ بستی یعنی اصل بستی سے جہاں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس سے ہم آئے ہیں ہمارے بیان کی تصدیق کر لیجئے۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا میرے بیٹے نے چوری ہرگز نہیں کی جو کچھ تم بیان کر رہے ہو وہ تمہارے دل کی گڑھی ہوئی بات ہے۔ خیر صبرِ جمیل کے سوا کیا چارہ ہے یعنی یہ کیونکر ممکن ہے کہ میرا بیٹا ہو کر ایک معمولی سی چیز کی چوری کرلے۔ تم پہلے بھی یوسف کے بارہ میں حیلہ بازی کر چکے ہو۔ اسی طرح اب اُس کے بھائی کے بارہ میں ایک بہانہ تراش کر لے آئے ہو۔

جناب یعقوبؑ کو جب بعلمِ نبوّت یہ معلوم تھا کہ سب بیٹے مل جائیں گے اور یوسفؑ زندہ ہیں تو پھر یہ گریہ و بکا اور اضطراب و بیقراری کیوں تھی؟ جواب یہ ہے کہ اپنے محبوب کا فراق کیا کچھ کم تکلیف دہ ہوتا ہے سالہا سال جس محبوب فرزند کو بے دیکھے گزر جائیں فطرتِ انسانی پر اس کا کافی دباؤ پڑتا ہے اور اکثر اوقات یہ صدمہ ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ اس غم میں روتے روتے اگر آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تو کیا تعجب کی بات ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رونا خلافِ صبر نہیں خواہ زندہ پر ہو یا مردہ پر۔ ورنہ اُس کو صبرِ جمیل نہ کہا جاتا ہاں اگر کوئی خدا پر اعتراض کرے تو اُس کو بے صبری کہا جائے گا۔ ہم شہیدانِ کربلا کے غم میں اگر گریہ و بکا کرتے ہیں تو لوگوں کا اس پر اعتراض کرنا قرآن کو نہ سمجھنے کا ثبوت ہے۔ حضرت یعقوبؑ کا یہ رونا اس حد تک تھا کہ اُن کے بیٹوں کو اُن کے بیمار پڑ جانے ہی کا نہیں بلکہ ہلاک ہو جانے کا یقین ہو گیا تھا۔

حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں کے کہنے کا یقین اس لیے نہیں آیا تھا کہ ایک پیالہ کی چوری کو وہ ایک

حضرت یعقوبؑ کا رنج و غم سے نابینا ہو جانا

حضرت یعقوبؑ کا گریہ

ایسے جوان سے بعید از عقل سمجھتے تھے جو ان کی تربیتِ خاص کا مرکز تھا جو ملّتِ ابراہیمی پر عمل کرنے والا تھا۔ دوسرے اُن کے بیٹے جو واقعہ بیان کر رہے تھے وُہ ان کا چشم دید نہ تھا بلکہ جو دوسروں سے سُنا تھا اُس کی گواہی دے رہے تھے۔ تیسرے یوسفؑ کے متعلق وہ حیلہ بازی سے کام لے چکے تھے۔

یہ کہنا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اپنے علمِ نبوّت کا اظہار تھا اور بیٹوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ جس واقعہ کو تم چھپا چکے ہو یا اب چھپا رہے ہو اس کا پورا پورا علم مجھے حاصل ہے لہٰذا میرے سامنے غلط بیانی سے کوئی فائدہ نہیں

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

حضرت یعقوبؑ نے کہا اے میرے بیٹو، یوسف اور اس کے بھائی کو (جیسے بنے) ڈھونڈ کر لاؤ اور اللہ کی رحمت سے کافروں کے سوا اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ جب وہ یوسف کے پاس آئے تو کہنے لگے حضور والا ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو سخت نقصان پہنچا ہے ہم کچھ تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں ہمیں پورا غلّہ دلوا دیجئے اور ہمیں اپنا صدقہ دیجئے اللہ صدقہ دینے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ یوسف نے کہا،

کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یُوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا عمل کیا تھا جبکہ تم جاہل ہو رہے تھے (تب وُہ چونکے) کہنے لگے کیا تم ہی یوسف ہو۔ فرمایا، ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ خدا نے ہم پر احسان کیا ہے، بے شک جو اُس سے ڈرتا ہے اور مصیبت میں صبر کرتا ہے تو خدا ہرگز نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

جو نصیحت حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو کی تھی وہ نہ صرف انہی کے لیے تھی بلکہ تمام عالم کے خدا پرستوں کے لیے ہے۔ بے شک خدا کی رحمت سے کسی وقت بھی مایوس نہ ہونا چاہیے وہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ جب یہ لوگ کنعان سے مصر کو چلے تھے تو حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے نام ایک خط لکھ کر اُن کو دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

"اے عزیز! ہم اہلبیتِ نبوّت ہمیشہ بلا میں گرفتار رہتے ہیں کیونکہ رنج و خوشی دونوں میں خدا ہمارا امتحان لیتا ہے۔ ادھر بیس برس سے اور زیادہ مصیبت کا سامنا ہے۔ پہلی مصیبت یہ تھی کہ میرے سُرورِ دل فرزند یوسف کو اس کے بھائی صبح کے وقت سیر و تفریح کی غرض سے لے گئے اور شام کو روتے پیٹتے اس کا کُرتا خُون آلود کر کے لائے اور مجھ سے بیان کیا کہ اُسے بھیڑیے نے پھاڑ کھایا ہے یہ سُن کر دُنیا میری نظروں میں سیاہ ہو گئی اور اس کے فراق میں اتنا رویا کہ بینائی جاتی رہی۔ اس کے بعد اس کے چھوٹے بھائی بن یامین سے کچھ میرا دل بہلتا تھا کہ پہلی دفعہ مصر سے واپس آکر لڑکوں نے بیان کیا کہ عزیزِ مصر نے اُسے بُلایا ہے اور بغیر اس کے جائے غلہ نہیں ملے گا۔ تب میں نے مجبُوراً اُسے تمہارے پاس جانے کی اجازت دی۔ اب کے جو یہ لوگ واپس آئے تو کہنے لگے کہ اُس نے چوری کی اور بادشاہ نے اسے گرفتار کر لیا ہے۔ حالانکہ ہم اہلبیتِ نبوّت چوری نہیں کرتے۔ غرض تم نے جو اُسے قید کر لیا ہے اس سے میری مصیبت اور زیادہ ہو گئی۔ اب ہم پر رحم کرو اور احسان کر کے اس کو رہائی دو اور غلہ بھی پورا دو۔" فقط

یعقوب اسرائیل بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ خلیل اللہ۔

جب یہ خط حضرت یوسفؑ نے پڑھا تو تابِ ضبط نہ رہی۔ تنہائی میں جا کر خوب روئے پھر منہ دھو کر باہر آئے اور بھائیوں سے بات چیت کرنے لگے۔ جوں ہی انہوں نے اپنی مصیبت دہرائی پھر ضبط نہ ہو سکا پھر اندر جا کر خوب روئے۔ تین بار ایسا ہی کیا۔ جب کسی طرح ضبط نہ ہو سکا تو آخر اپنے کو ظاہر کر دیا۔

تَصَدَّقْ عَلَيْنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد اسحاق و یعقوبؑ پر صدقہ حرام نہیں تھا۔ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو بخشا کہ اُن پر صدقہ حرام قرار دیا۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضرت یعقوبؑ تنگدستی کی حالت میں بسر کر رہے تھے۔ اور ان کے پاس اب اتنا پیسہ نہ تھا کہ غلہ کی پوری قیمت ادا کر کے خریدتے۔ جو کچھ تھوڑے سے دام تھے وہی دے کر لڑکوں کو بھیجا تھا۔ اس حالت کا تصوّر کر کے حضرت یوسفؑ بار بار روئے۔ بھائی قرینہ سے سمجھ تو رہے تھے کہ ہو نہ ہو یہ یُوسف ہیں لیکن اظہار کی جراَت نہ ہوتی تھی۔ جوں ہی حضرت یوسفؑ نے اپنا اور اپنے بھائی کا ذکر کیا اور ان کی بدسلوکی کی طرف

اشارہ کیا انہوں نے سوالیہ طور پر کہا کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں۔ حضرت نے اپنا نام ظاہر کر کے ایک نصیحت بھی کی کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے تو خدا کے نزدیک اس کا بڑا اجر ہے۔ تم میری حالت پر غور کرو اور آیندہ کے لیے محتاط بنو۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّا اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ ۙ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

انہوں نے کہا خدا کی قسم تم کو خدا نے ہم پر فضیلت دی ہے اور یقیناً ہم خطاوار تھے۔ حضرت یوسفؑ نے کہا آج سے تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہاری خطائیں معاف کرے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ یہ میرا کُرتا لے جاؤ اَبّا جان کے چہرہ پر ڈال دینا کہ وہ پھر بینا ہو جائیں اور سب لڑکے بالوں کو لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ جوں ہی قافلہ مصر سے چلا یعقوبؑ نے کہا، اگر مجھے سٹھیا ہُوا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں، مجھے یوسف کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔ وُہ لوگ (کنبہ والے) کہنے لگے آپ تو اپنے اُسی پُرانے خیالِ محبت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب یوسف کی خوشخبری دینے والا آیا اور یوسف کے کُرتے کو اُن کے چہرہ پر ڈال دیا تو وُہ پھر سے بینا ہو گئے تو بیٹوں سے کہا کیوں میں تم سے نہ کہتا تھا کہ میں خدا کے فضل سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یہ انبیاء علیہم السلام کا ظرف ہے کہ وہ اپنی انتقامی قوت سے کام لینا نہیں چاہتے جو کچھ حضرت یُوسفؑ

کے بھائیوں نے کیا تھا اس عمل کا ہر حصہ ان کے خون کی قیمت ہوسکتا تھا مگر یوسفؑ نے تمام باتوں سے درگزر کرکے ان کی خطائیں معاف کردیں۔ ایسا ہی عمل حضرت سرورِ انبیاء جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اپنی قوم سے کیا تھا۔ باوجودیکہ وہ سب آپؐ کے خون کے پیاسے رہے تھے اور سالہا سال سے آپؐ کے ستانے پر کمربستہ تھے مگر آپؐ نے یہی کلمہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر ان سب کی جاں بخشی کردی تھی۔

جناب یوسفؑ کی قمیص بھی عجیب قمیص تھی ایک بار اس نے بھائیوں کی دشمنی کا پردہ چاک کیا دوسری بار زلیخا کے مکر سے نجات دلائی تیسری بار باپ کی آنکھوں کو روشن کیا۔ لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ وہی قمیص تھی جس پر ان کے بھائی جھوٹا خون لگاکر باپ کے پاس لائے تھے۔ کہاں تک اس خون آلود قمیص کو سالہا سال پہنے رہتے۔ بات یہ ہے کہ نبیؑ یا امامؑ کے جسم پر جو کپڑا آئے گا اس میں معجز نمائی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کو یہ خبر کیسے ہوگئی کہ ان کی قمیص چہرہ پر ڈالتے ہی باپ کی آنکھیں روشن ہوجائیں گی۔ یہ ایک نفسیاتی امر تھا۔ غم اور خوشی دونوں کے مختلف اثرات جسمِ انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں۔ خوشی میں آدمی کا چہرہ چمک اٹھتا ہے حالانکہ کوئی شے باہر سے اندر نہیں جاتی۔ اسی طرح غم سے ایک آدمی کا چہرہ بھیانک ہوجاتا ہے اس کی رونق جاتی رہتی ہے حالانکہ کسی خارجی چیز کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ نابینائی کا سبب فراق کا صدمہ تھا باہر کی کوئی چیز نہ تھی۔ پس حضرت یوسفؑ نے اپنے مقام پر یہ سمجھ لیا کہ وہ گئی ہوئی قوت اس چیز سے پلٹ سکتی ہے جو غمِ فراق کے مقابلہ کی ہو یعنی ملنے کی خوشخبری لیکن یہ خوشخبری زبانی بھی اثر دکھا سکتی تھی مگر اس میں کذب و صدق دونوں کا وہم ہوسکتا تھا مگر جب قمیص کی بُو سونگھ لی تو کذبِ خبر کا احتمال ختم ہوگیا۔

اب رہا یہ سوال کہ کئی فرسخ مسافت سے خوشبوئے پیراہنِ یوسفؑ کیسے سونگھ لی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاءؑ کے حواس ہمارے سے نہیں ہوتے بلکہ قدرت نے ان کو مخصوص قوت عطا کی ہے۔ اس کی متعدد مثالیں ہماری نظر کے سامنے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب حج کے لیے اذان دی تو وہ آواز ہوا نے ہر انسان تک پہنچا دی بلکہ ان بچوں تک بھی جو ابھی رحمِ مادر میں تھے بلکہ ان لطفوں تک بھی جو ابھی صلبِ پدر میں تھے۔ حضرت سلیمانؑ نے وادیٔ نمل میں چیونٹی کی آواز سن لی۔ حالانکہ چیونٹی کیا اور اس کی آواز کیا پھر کھلا میدان۔ دوسرے جو چیونٹی بولی تھی اسی کو بھرے دل میں سے جاکر اٹھا لیا یہ نظر کی قوت تھی۔ پس اسی طرح حضرت یعقوبؑ کی قوتِ شامہ اس قدر تیز تھی کہ دُور سے بُوئے پیراہنِ یوسفؑ سونگھ لی۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کی قوتِ شامہ ایسی تیز تھی تو جب یوسفؑ مصر میں تھے تب ان کی خوشبو کیوں نہ سونگھی۔ جواب یہ ہے کہ یہ اعجازی شان ہے۔ جب مشیتِ باری تعالیٰ ہوتی ہے تب ان قوتوں میں یہ کیفیت پیدا کردی جاتی ہے۔ ہر وقت ان کی یہ قوتیں اس ترقی پر نہیں ہوتیں۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ نے یہ فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے تو انہوں نے حضرت یوسفؑ کی حیات اور ان کی بادشاہت وغیرہ کے متعلق پہلے سے کیوں نہ بتا دیا۔ یہ قدرت کے راز ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان کو اسی وقت ظاہر فرماتے ہیں جب قدرت کی طرف سے اشارہ ہوتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ جب سب کچھ معلوم تھا تو روئے کیوں؟ جواب یہ ہے کہ رونا صدمۂ فراق سے تھا۔ کیا برسوں کی جدائی کچھ کم لرزہ خیز ہوتی ہے بالخصوص جب یہ بھی جانتے ہوں کہ وہ زندہ ہیں مگر ملتے نہیں۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٔيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ؕ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اُن سب نے کہا، ابّا جان آپ ہماری مغفرت کے لیے خدا سے دعا مانگیے ہم بے شک گنہگار ہیں۔ فرمایا بہت جلد اپنے پروردگار سے تمہاری مغفرت کے واسطے دعا کروں گا بے شک اللہ غفور و رحیم ہے جب پھر یہ لوگ (مع یعقوبؑ کے) چلے اور یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور اُن سے کہا اب انشاء اللہ بڑے اطمینان سے مصر میں چلیے۔ یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب کے سب یوسف کی تعظیم کے لیے سجدہ میں گر پڑے۔ اس وقت یوسف نے کہا ابا جان، یہ تعبیر ہے میرے اس پہلے خواب کی میرے پروردگار نے اُسے سچ کر دکھایا۔ بے شک اُس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قیدخانہ سے نکالا اور باوجودیکہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو گاؤں سے شہر میں لے آیا (اور مجھ سے ملا دیا) بے شک میرا رب جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کی تدبیر خوب جانتا ہے۔ بے شک وہ علیم و حکیم ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کا قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف مع تمام لاؤ لشکر کے

اپنے باپ کے استقبال کے لیے نکلے۔ وہ منظر قابلِ دید تھا جب تمام شہر کے لوگ سجے بنے جوق در جوق سرحدِ مصر کی طرف چلے جا رہے تھے۔ کیا عجب وقت ہوگا جب بیس سال کا بچھڑا ہوا بیٹا اپنے بوڑھے باپ سے بھرپور عقیدت و محبت کے ساتھ مل رہا ہوگا اور مصر کا شہر عروس کی طرح سجا ہوگا اور ہر طرف میلہ سا لگا ہوگا۔

ذرا گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف دھکیل کر کنعان کے اس وقت کو اپنے تصور میں لائیے جب یوسفؑ بھائیوں کے طمانچے کھا رہے ہوں گے جب ان کے بدن سے قمیص اتاری جا رہی ہوگی جب وہ رو رو کر فریاد کر رہے ہوں گے کہ مجھے یہ کس قصور کی سزا دے رہے ہو۔ جب یہی یوسفؑ انتہائی بے دردی سے کنوئیں میں ڈالے جا رہے تھے۔ جب یہی یوسفؑ چند ٹکوں میں غلام بنا کر بیچے جا رہے ہوں گے۔ آج وہی بھائی کس ذلت کے ساتھ ان کے سامنے کھڑے ہیں۔ آج وہی بھائی انہیں تعظیماً سجدہ کر رہے ہیں۔ آج اُن کا نفس ان کو ملامت کر رہا ہے اُن کا ضمیر بُری طرح نیش زنی کر رہا ہے۔ سچ ہے بدی نیکی کے مقابلہ میں کبھی سرسبز نہیں ہوتی۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ سے مراد کیا ایسا ہی سجدہ ہے جیسا کہ ہم نماز میں خدا کو کیا کرتے ہیں یا سجدہ سے مراد تعظیماً جھکنا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر بادشاہوں کی تعظیم کے لیے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کیا کرتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ سجدہ سوائے خدا کے کسی کے لیے جائز نہیں۔ کسی انسان کے لیے تعظیمی سجدہ کی بھی اجازت نہیں دوسرا گروہ سجدۂ تعظیمی سے وہی سجدہ کی صورت مراد لیتا ہے جو نماز میں ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر جھکنا سجدہ نہیں کہلاتا۔ عرفِ عام میں سجدہ وہی ہے جس میں پیشانی زمین پر ٹیکی جاتی ہے۔ اب رہا جواز و عدمِ جواز کا سوال تو اس کا دارو مدار نیّت پر ہے۔ اگر ہم یہ نیت کر کے کسی چیز کو سجدہ کریں کہ یہ ہمارا معبود ہے تو بے شک گناہ ہوگا بلکہ شرک ہوگا۔ لیکن اگر ہمارا مقصد صرف اظہارِ عظمت ہے تو عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ حج میں مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز جو پڑھتے ہیں سجدہ کرتے ہیں تو یہ سب از راہِ تعظیم ہوتا ہے نہ از راہِ معبودیت اسی لیے جائز ہے۔ اسی طرح برادرانِ یوسفؑ وغیرہ نے جو سجدہ کیا وہ بادشاہِ مصر کی عظمت کے لحاظ سے تھا نہ کہ ان کو معبود سمجھ کر۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سجدہ کرنے والوں میں ماں باپ بھی شامل تھے تو حضرت یوسفؑ نے ان کو کیوں نہیں روکا۔ وجہ یہ تھی کہ سلطنتِ مصر کا یہ قانون تھا کہ لوگ بادشاہ کے تخت کے سامنے آ کر سجدہ کرتے تھے جیسے آج کل ہندو راجوں مہاراجوں کے سامنے جا کر کرتے ہیں۔ اگر یوسفؑ روک دیتے تو تمام مصر میں چرچا ہو جاتا کہ بادشاہ قانون شکن ہے اور آئندہ کے لیے یہ تعظیمی رسم بند ہو جاتی۔ حضرت یوسفؑ تو اس رسم کا بند ہونا پسند کر سکتے تھے لیکن مصر کے شاہی خاندان والے ہرگز اسے پسند نہ کرتے اور حضرتؑ کی مخالفت اور تیز ہو جاتی کیونکہ بادشاہ کے خاندان والوں کو حضرت یوسفؑ کا بادشاہ بن جانا سخت ناگوار تھا۔

حضرت یوسفؑ کے قصہ میں مفسرین نے چند روایتوں کو بھی شامل کر لیا ہے:

۱۔ جب زلیخا کا شوہر جو مصر کا ایک رئیس آدمی تھا مر گیا اور متواتر سات سال کے قحط میں زلیخا بہت زیادہ محتاج ہوگئی یہاں تک کہ بھیک مانگنے لگی تو لوگوں نے اس سے کہا تو یوسفؑ کے سامنے کیوں نہیں جاتی۔ وہ بولی شرم آتی ہے جب لوگوں نے زیادہ مجبور کیا تو ایک روز وہ سرِ راہ آ کر کھڑی ہوگئی۔ حضرت یوسفؑ کی سواری ادھر سے گزری تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا، پاک ہے وہ ذات جس نے شاہوں کو نافرمانی کی وجہ سے غلام بنا دیا اور غلاموں کو فرمانبرداری کی بنا پر بادشاہت دے دی۔ جب حضرت یوسفؑ نے سُنا تو پوچھا کیا تو زلیخا ہے۔ وہ بولی ہاں میں ہی زلیخا ہوں۔ پوچھا کیا تیری مجھ سے کوئی حاجت ہے۔ اس نے کہا جب میں بڑھیا ہوگئی تب پوچھتے ہو کہ تیری کیا حاجت ہے۔ یہ سُن کر حضرت یوسفؑ اُسے اپنے محل میں لے آئے اور فرمایا تم نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس نے کہا بالکل صحیح ہے لیکن آپ اس پر مجھے ملامت نہ کریں۔ فرمایا، کیوں؟ اس نے کہا، آپ جیسا حسین خدا نے پیدا ہی نہیں کیا۔ دوسرے مصر میں مجھ جیسی کوئی خوبصورت عورت نہ تھی۔ پھر میری بھرپور جوانی تھی تیسرے میرا شوہر نامرد تھا۔ فرمایا، خیر جو ہُوا سو ہُوا۔ اب کیا ارادہ ہے۔ اُس نے کہا آپ خدا سے دُعا کریں کہ وہ مجھے جوان کر دے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کی دُعا سے وہ جوان ہوگئی آپؑ نے اس سے نکاح کیا تو وہ باکرہ تھی۔ اس سے تین اولادیں ہوئیں دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ ایک بیٹے افراہیم نامی کی شادی یوشع وصی جناب موسیٰؑ کی صاحبزادی سے ہوئی اور بیٹی رحیمہ نامی حضرت ایوبؑ کی زوجہ تھیں (واللہ اعلم بالصواب)

۲۔ جب یوسفؑ بادشاہ ہوئے تھے تو ایک جشن منایا گیا تھا۔ تمام امرائے شہر نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تحفے پیش کیے۔ ایک بڑھیا بھی اپنی سوت کی اَٹیا لے کر آئی۔ حضرت یوسفؑ نے بے پرواہی سے اُسے بھی تحفوں میں رکھ دیا۔ وحی ہوئی اے یوسفؑ تم نے امرا کے تحفوں کو توقدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس بوڑھیا کی اَٹیا کی کوئی قدر نہ کی اور لوگوں کو انعامات دیئے اس کی طرف توجہ نہ کی حالانکہ امرا نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ اُن کی دولت کا ایک حصہ ہے اور غریب بڑھیا نے جو پیش کیا وُہ اس کی شب و روز کی کمائی تھی وہ اس روز فاقہ سے رہی۔ حضرت یوسفؑ بہت شرمندہ ہوئے۔ عرض کی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ خدا نے فرمایا، اس بڑھیا کے پاس جاؤ اور اپنی سلطنت اُس کے سامنے پیش کرو۔ یہی صلہ ہے اُس کی اَٹیا کا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ اُس کے پاس گئے اور کہا اے ضعیفہ تو نے اپنی ملکیت مجھے تحفہ میں دی میں تجھے اپنی سلطنت دیتا ہوں۔ اُس نے کہا یوسفؑ تمہاری سلطنت تمہیں مبارک ہو میری سلطنت یہ میرا چرخہ ہے۔

۳۔ جب یوسفؑ بادشاہ ہوئے تو وحی ہوئی، تم نے کسی کو وزیر بنایا۔ عرض کی، ابھی تو کسی کو نہیں بنایا۔ فرمایا، تم جاؤ، فلاں مقام پر درخت کے نیچے جو جوان کھڑا ہُوا ملے گا وہی تمہارا وزیر ہے۔ جب حضرت یوسفؑ وہاں پہنچے تو ایک اجنبی جوان کو کھڑا پایا۔ عرض کی بارِ الٰہا، اس کا کیا حق میرے اوپر ہے کہ تُو اس کو میرا وزیر بنا رہا ہے۔ خدا نے فرمایا، اے یوسف تم نے اسے پہچانا نہیں، یہ وہی ہے جس نے خانۂ زلیخا میں تمہاری عصمت کی سب سے پہلے گواہی دی تھی۔ یہ واقعہ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے بھی لکھا ہے۔ پس جب کسی نبی کے مصدق اول کا یہ حق ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کو خلیفۂ اوّل رسولؐ نہ بنایا گیا جبکہ وہ مصدقِ اوّل رسولؐ تھے۔

حضرت یوسفؑ کی تعبیر خواب کی صورت یہ ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد ان کے گیارہ بھائی تھے اور چاند سورج سے مراد ان کے ماں باپ تھے جو سب انہیں سجدہ کر رہے تھے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِىْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّ

اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ
لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ
حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ
عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

(اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے دعا کی) اے میرے پالنے والے تُو نے مجھے سلطنت بھی دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی سکھایا۔ تُو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے دنیا و آخرت میں تُو ہی میرا مالک ہے مجھے مسلمان ہی مارنا اور مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔ (اے رسول) یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی ہم تمہاری طرف کرتے ہیں ورنہ تم ان کے پاس اس وقت کہاں موجود تھے جب وہ جمع ہو کر اپنے کام کے مشورے کر رہے تھے اور ہلاک کرنے کی تدبیر سوچ رہے تھے اور تم کتنا ہی چاہو بہتیرے لوگ ایمان لانے والے نہیں حالانکہ تم ان سے تبلیغ رسالت کا کوئی اجر بھی طلب نہیں کرتے یہ قرآن تو سارے جہان کے لیے نصیحت ہے اور آسمان و زمین میں خدا کی قدرت کی کتنی نشانیاں ہیں جن کی طرف سے یہ لوگ گزرا کرتے ہیں اور ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے پاک نفس پر غور کرو کہ کتنی سخت منزلوں سے گزرنے کے بعد وُہ بھائی ان کے سامنے ہیں جنہوں نے ان کی ہلاکت کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر وہ خدا سے ان کی کوئی شکایت نہیں کرتے بلکہ نہایت عاجزی سے بارگاہِ باری میں ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں جو خدا نے ان کو عطا فرمائی تھیں اور اپنی عاقبت بخیر ہونے کے لیے دُعا کرتے ہیں ہر مسلمان کو اس عملی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

باوجودیکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہزارہا برس پہلے کے واقعات لوگوں کو سُنائے اس پر بھی لوگ حضرتؐ کی نبوت پر ایمان نہ لائے۔ اس سے زیادہ جہالت اور کیا ہو سکتی ہے۔

وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ

تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِیْرَةٍ
اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی
الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ
خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ
ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ
بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی
الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ
یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان نہیں لائے اور شرک کیے جاتے ہیں کیا یہ لوگ اس سے مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ ان پر وُہ عذابِ خدا آپڑے جو ان پر چھایا ہُوا ہے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو (اے رسول) کہدو کہ میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بُلاتا ہوں، میں اور میرا پیرو دونوں مضبُوط دلیل پر ہیں۔ خدا ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں (اے رسول) تم سے پہلے بھی ہم گاؤں کے رہنے والے کچھ مردوں کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا کیے ہیں ہم ان پر وحی نازل کرتے تھے تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ اتنا غور کرتے کہ جو لوگ ان سے پہلے

ہوئے ہیں ان کا انجام کیا ہوا اور پرہیزگاروں کے لیے آخرت کا گھر بہت بہتر ہے۔ کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے جب پیغمبر لوگ قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ جھٹلائے جائیں گے تو اس وقت ہماری مدد آگئی پس ہم نے جسے چاہا نجات دی اور ہمارا عذاب گنہگاروں کے سر سے ٹالا تو نہیں جاتا۔ ان کے قصّوں میں عقلمند لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔ یہ (قرآن) کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ خود گڑھ لی جائے بلکہ (جو آسمانی کتابیں) اس کے پہلے موجود ہیں ان کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ۔ اس میں یہ غور کرنا ہے کہ مَنِ اتَّبَعَنِيْ سے کون مراد ہے جو رسولؐ کے ساتھ لوگوں کو بصیرت کی طرف بلاتا ہے۔ یوں تو حضرتؐ کا اتباع کرنے والے بے شمار تھے لیکن ان سب میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی کہ وہ بصیرت کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ بالکلیہ حضرتؐ کا اتباع کرنے والا علیؑ کے سوا کوئی نہیں پایا جاتا۔ کون نہیں جانتا کہ بچپن ہی سے حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے ساتھ رہے آپؐ کی پرورش میں رہے۔ اعلانِ بعثت سے پہلے تک ہر معاملہ میں آپؐ کے قدم بقدم چلے اور جب آپؐ معبوث برسالت ہوئے تو سب سے پہلے آپؑ ہی ان پر ایمان لائے۔ اور جب آیہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء ۲۶/۲۱۴) نازل ہوئی تو سب سے پہلے آپؑ ہی نے حضورؐ کی نیابت کا اقرار کیا۔ جہادوں میں رسولؐ کی حفاظت سب سے زیادہ آپؑ ہی نے کی اور آپؐ کے بعد بھی جو دعوتِ اسلام و ایمان آپؑ نے لوگوں کو دی وہ بھی اسی طریقہ سے دی جو رسولؐ کا طریقہ تھا۔ لوگوں کو عقلی دلائل سے ہر بات کو سمجھایا۔

آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں بصیرت پر بلاتا ہوں اس کی دلیل ہے کہ اسلام کے عام مسائل مبنی بر عقل ہیں، ہاں ان کو سمجھانے والا چاہیئے۔ یہ کام ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو بارگاہِ باری سے علم عطا ہوا ہو۔

ان آیات میں غفلت پرستوں کو جھنجوڑا گیا ہے کہ اس طرف کیوں نہیں توجّہ کرتے کہ انبیاء و مرسلین جو ہدایت تم کو کرتے ہیں اس سے ان کی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں تمہاری بہتری کے لیے کہتے ہیں جن لوگوں نے انبیاء و مرسلین کو جھٹلایا اس کا نتیجہ انہوں نے دیکھ لیا اور قیامت میں اور دیکھیں گے۔ پھر باوجود ان سب باتوں کو دیکھنے کے تمہاری آنکھیں کیوں نہیں کھلتیں جو باتیں بتائی جاتی ہیں اگر خلافِ عقل ہوں تو نہ مانو لیکن جب عقل کے خلاف نہیں تو پھر کیوں نہیں مانتے۔

---

(۱۳) سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ (۹۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③

الف لام میم را۔ یہ کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں اور تمہارے پروردگار کی طرف سے جو تم پر نازل کیا گیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن بہت سے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لائے۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جنہیں تم دیکھتے ہو۔ پھر عرش کو بنانے پر آمادہ ہوا اور سورج اور چاند کو مسخّر کیا، ہر ایک وقتِ مقرّرہ تک چلا کرتا ہے وہی (دنیا کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے اور اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونے کا یقین کرو۔ وہ وہی ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں پیدا کیں (جیسے میٹھے کھٹّے) وہی رات کے پردہ سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے۔ بے شک غور کرنے والوں کے لیے اس میں قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

کبھی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا۔ سورۂ بقرہ ع ۹ میں ہے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ تھوڑی سی قیمت پر اسے بیچ ڈالیں۔

بحمد للہ قرآن میں ایسے تصرفات نہیں ہوئے تاہم تحریف سے محفوظ نہیں رہا۔ حضرت علی علیہ السلام نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قرآن کو موافق تنزیل جمع کیا۔ لیکن حکومت نے کسی مصلحت سے اس کا رائج کرنا منظور نہ کیا۔ اس کی جمع کا کام مختلف اوقات میں ہوتا رہا۔ موجودہ قرآن حضرت عثمانؓ کا جمع کیا ہوا ہے جس کو انھوں نے چند حافظینِ قرآن صحابہؓ کے ذریعہ سے انجام دیا تھا۔ اس کے سُوروں اور آیتوں کی ترتیب موافق تنزیل نہیں۔ بلکہ مکّی و مدنی سورے گھڑی ہو رہے ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

چاہیئے تو یہ تھا کہ پہلے مکّی سورے ہوتے پھر مدنی مگر ایسا ہے نہیں۔ پہلا سورہ بقر مدنی ہے دوسرا آلِ عمران بھی مدنی ہے۔ آگے سورۂ مائدہ بھی مدنی ہے۔ اس کے بعد سورہ الانعام مکّی ہے۔ آگے بھی یہی صورت ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ کون بتائے اسی طرح آیات میں بھی بے ترتیبی ہے۔ مثلاً

(۱) بیوہ کا عدہ پ۲ سورہ بقرہ ع ۳۰ میں چار مہینے دس دن بتایا گیا ہے۔
پ۲ البقرہ ع ۳۱ میں ایک سال ہے۔ پہلی آیت دوسری کی ناسخ ہے لیکن ہے یوں کہ منسوخ بعد میں ہے اور ناسخ پہلے۔ یعنی اُلٹی بات۔

(۲) پ۱۱ یونس آیت ۳ میں، اگر تم سچے ہو تو ایک ہی سورہ ایسا بنا لاؤ۔
پھر سورہ ہود آیت ۱۳ پارہ ۱۲ میں ہے، دس سورے ایسے بنا لاؤ۔ قاعدہ سے پہلے تحدی کی جاتی دس سوروں سے پھر ہوتی ایک سورہ سے۔

(۳) تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ اقراء سب سے پہلے نازل ہوئی لیکن وہ آخری پارہ میں ہے۔

(۴) آیہ یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ جو حضورؐ کی آخر زندگی میں نازل ہوئی تھی وہ سورۂ مائدہ میں ہے۔ اسی طرح آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ آیہ بلّغ کے بعد نازل ہوئی۔ وہ بھی سورۂ مائدہ میں ہے۔

(۵) آیہ تطہیر کے اوّل و آخر ازواجِ رسولؐ کا ذکر ہے اس کے بیچ میں آیت تطہیر رکھ دی گئی ہے۔ جس کا ازواج سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس میں سب ضمیریں جمع مذکر حاضر کی ہیں اور اوّل و آخر جو ازواج سے متعلق آیات ہیں، ان سب میں جمع مؤنث حاضر کی ہیں۔

بہر حال یہ مسلّم ہے کہ موجودہ قرآن حرف بحرف خدا کا کلام ہے اور اس پُورے قرآن پر ہمارا ایمان ہے۔ اگر خدانخواستہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوتی تو حضرت علی علیہ السلام کبھی قبول نہ کرتے چاہے اُن کو کیسی ہی بڑی سے بڑی قربانی دینا پڑتی۔ شیعوں پر یہ اعتراض بے بنیاد ہے کہ وہ اس قرآن کو نہیں مانتے۔ کوئی ایک شیعہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جو موجودہ قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ بلکہ تمام حرکات و سکنات پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا تو جو قرآن شیعہ پڑھتے ہیں جو ہیں ان میں کچھ تو اختلاف ہوتا مگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر اس اعتراض کے کیا معنی ہیں کہ قرآن پر شیعوں کا ایمان نہیں۔

۱۱۔ جمعِ قرآن

آنحضرتؐ کے زمانہ میں قرآن کی آیات جب نازل ہوتی تھیں تو ان کی حفاظت دو طریق سے کی جاتی تھی کچھ لوگ حفظ کر لیتے تھے اور کچھ لوگ جو کاتبانِ وحی کہلاتے تھے بحکمِ حضورؐ اونٹ کی ہڈیوں۔ لکڑی کی تختیوں۔ کھجور کے پتّوں یا کھال پر لکھ لیتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی زندگی تک قرآنی آیات میں کوئی ترتیبی صورت پیدا نہ ہوئی۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے قسم کھائی کہ جب تک قرآن کو موافق تنزیل جمع نہ کر لوں گا سوائے نماز کسی وقت اپنے شانوں پر رِدا نہ ڈالوں گا۔ چنانچہ دو سال تک آپؑ نے عزلت گزیں ہو کر یہ خدمت نہایت جانفشانی سے انجام دی۔ درحقیقت یہ کام تھا بھی حضرت علیؑ ہی کے کرنے کا۔ اوّل تو آپؑ ایک ایک آیت سے باخبر تھے۔ کیونکہ آغازِ نزول سے آخر تک آپؑ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ کے ساتھ رہے تھے۔ خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ یہ سعادت کسی اور صحابیؓ کو نصیب نہیں ہوئی۔ دُوسرے خود حضورؐ نے ایک ایک آیت کی تفسیر و تاویل حضرت علیؑ کو بتائی تھی اور جس کی شان میں جو آیت نازل ہوئی تھی اس کا نام اور وجۂ نزول بھی بتا دی تھی۔ اسی لیے حضرت علیؑ کو جمع و ترتیب کے وقت کسی سے پُوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اس وقت قرآنِ مجید بخطِ کُوفی لکھا جاتا تھا۔ جس میں اعراب اور نقطے نہیں ہوتے تھے۔ الغرض موافق تنزیل جب پُورا قرآن جمع ہو گیا تو آپؑ اس کو لے کر خلیفۂ وقت حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے تاکہ اسلامی حکومت میں رائج ہو۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ دونوں نے کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کو جاری کرنا نامنظور کیا۔ حضرت علیؑ کو سخت ملال ہوا۔ اور یہ کہہ کر واپس تشریف لے آئے کہ اب اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے۔ چنانچہ اس کے بعد پردۂ غیب میں رکھا گیا جو ایک منصوص من اللہ امام سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اب وہ ولیٔ عصر حضرت امام مہدی آخر الزمان کے پاس ہے اور قُربِ قیامت میں جب حضرتؑ کا ظہور ہوگا اس وقت ظاہر فرما دیں گے۔

اس کے بعد قرآن کا بیان حافظوں کی زبان پر رہا۔ جب جنگِ یمامہ میں چار سو حافظینِ قرآن شہید کیے گئے، تو حضرت عمرؓ کو اس کے کتابی صورت میں لانے کی فکر ہوئی۔ وہ اپنے ارادہ کو پُورا نہ کر پائے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ اب یہ کام حضرت عثمانؓ نے اپنے ہاتھ میں لیا مگر وہ چونکہ خود اس کی تکمیل سے قاصر تھے لہٰذا ایک نوجوان زیدؓ بن ثابت کو اس کا منصرم و مہتمم بنایا۔ یہ کام زید کے کرنے کا نہ تھا کیونکہ وہ عہدِ رسالتؐ میں ایک کمسن لڑکا تھا۔ صحبتِ رسولؐ کا اسے موقع ہی نہ ملا تھا — تاہم حافظوں اور قاریوں کی مدد سے اور ان اجزا سے جو حضرت حفصہؓ یا ابنِ مسعودؓ وغیرہ کے پاس تھے، یہ قرآن مرتب کیا گیا۔

قرآن کا جمع کرنا بے شک بڑی نیکی اور باعثِ اجرِ عظیم ہے کیونکہ وہ اساسِ شریعت ہے۔ لیکن جمع کرنے والے کو علمِ قرآن سے پُوری طرح واقف ہونا چاہیئے تھا ورنہ ترتیبِ آیات و سُور موافقِ تنزیل نہیں ہو سکتی۔ جب آیات کے باہمی تعلق و سباق و سیاق پر جامع مطلع نہ ہو تو یہ کام صحیح نہ ہوگا۔

رسولؐ نے علی علیہ السلام کے سوا قرآن کو اور کسی کے ساتھ نہیں کیا۔ آپؐ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے، عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَ الْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ (علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔) حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن میں

رسولِ پاکؐ سے کہا جا رہا ہے کہ جو کتاب [illegible] ہے بالکل برحق ہے۔ اگر ہماری آیات کو سُن کر بھی تمہاری قوم ایمان نہیں لاتی تو نہ لائے۔ ان عقل کے [illegible] بات سمجھائی نہیں دیتی کہ یہ تہ در تہ سات آسمان جو ان کے سروں پر بغیر کسی ستون کے قائم ہیں آخر [illegible] ہیں۔ کیسا قادرِ مطلق اور حکیم برحق ہے اُن کا بنانے والا کہ ایک ایسا سائبان ہمارے سروں پر تان دیا جو کسی [illegible] محتاج نہیں اور پھر عرش کے بنانے میں مصروف ہوا۔ سات آسمانوں سے مراد وہی سات بلندیاں ہیں [illegible] اپنا دائرہ گردش بنائے ہوئے ہیں۔ جس دائرہ پر یہ گردش کرتے ہیں اُسے فلک کہتے ہیں۔ آسمانوں [illegible] طبقات اور ستاروں کے ان میں جڑے جانے کا وہ عقیدہ اب باطل ہو گیا جو صدیوں یونانیوں [illegible] کی بنا پر اہلِ زمین کا عقیدہ بنا رہا تھا۔ جدید سائنس نے یہ ثابت کر دیا کہ نیلی نیلی چیز جو ہمیں نظر آتی ہے [illegible] مادہ ہے جو فضائے فلکی میں بھرا ہوا ہے۔ اسی میں ستارے مچھلیوں کی طرح تیرتے ہیں جیسا کہ [illegible] كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (الانبیاء ٢١: ٣٣)

چاند سورج کی گردش سے یہ مراد ہے کہ جو [illegible] کے طلوع و غروب کے ہیں ان سے ایک منٹ بھی آگے پیچھے نہیں جاتے اور جو رفتار قدرت نے ان کی [illegible] ہے وہ اس کے خلاف کوئی چال نہیں چلتے۔ عرش کے متعلق لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ خدا کے رہنے کی [illegible] خدا کسی جگہ میں محدود نہیں، کیونکہ وہ صاحبِ جسم محتاجِ مکاں نہیں۔ وہ اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے۔ [illegible] غلط ہے کہ وہ شبِ قدر اور شبِ برات میں عرش سے اُتر کر آسمانِ اوّل پر آتا ہے اور ندا دیتا ہے جو کچھ کسی [illegible] مانگنا ہو آج کی رات مانگ لے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ عرش سے نہیں سنتا اس لیے نیچے اُترتا ہے۔ [illegible] پہلے کسی کی دعا نہیں سنتا اسی رات کو سنتا ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ روزِ قیامت وہ عرش پر اس [illegible] اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور عرش اس کے بوجھ سے چرچرائے گا اور وہ اپنے بندوں سے [illegible] کرے گا۔ استغفر اللہ من تلك الهفوات۔

عرش اجرامِ سماوی میں خدا کی ایک عظیم المرتبت مخلوق [illegible] بڑا کوئی سیارہ نہیں۔ خدا نے ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ فرما کر اپنی قدرت دکھائی ہے کہ وہ ایسی عظیم الشان مخلوق [illegible] والا ہے اور اس پر قابض بھی ہے نہ یہ کہ وہ اس پر رہتا ہے۔ جدید ہیئت میں عرش کا کوئی تخیل نہیں [illegible] ستارے اس نظامِ شمسی کے ہماری زمین سے اتنی دُور ہیں کہ زمین پر اُن کی روشنی سینکڑوں سال میں پہنچتی [illegible] کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔

لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اگر خدا عرش [illegible] اُٹھا کر اس سے دُعا کیوں کی جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آسمانوں پر کہیں رہتا ہے۔ یہ کس قدر مہمل [illegible] اٹھانا تو محض اس کی عظمت و بزرگی کے لحاظ سے ہے نہ کہ اس کی رہائش گاہ کے لحاظ سے۔ [illegible] تقاضا یہی ہے کہ ہاتھوں کو بلند کر کے مانگیں تاکہ معلوم ہو کہ ہمارا دل اس کی عظمت کا قائل ہے۔ [illegible] اگر ہم کسی بادشاہ یا وزیر سے بھی مانگتے ہیں تو ہاتھ بلند کر کے ہی مانگتے ہیں نہ کہ ہاتھ زمین پر یا [illegible] پر رکھ کر۔

اُسی نے اپنی قدرتِ کاملہ سے زمین کا فرش [illegible] تلے بچھایا ہے جو ایسا عجیب فرش ہے کہ نہ زیادہ گرم ہے نہ زیادہ سرد۔ پھر اس پر سربفلک [illegible] ہوا سے دبائے ہوئے ہیں اور اسے ہلنے ڈُلنے نہیں دیتے پھر اس میں نہریں بہا دیں کہ ہماری زندگی کی ضرورتیں پوری ہوں۔ ان کے پانی سے ہم اپنی پیاس بجھائیں بدن اور لباس کی کثافت دُور کریں۔ زمینوں میں غلّہ اگائیں۔ پھر اس نے اپنے لطف و کرم سے ہر قسم کے درخت اُگائے اور ان کی شاخوں میں پھلوں کے خوشے لٹکائے۔ کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹّا۔ کوئی کڑوا ہے کوئی پھیکا۔ کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا۔

ایک عقلمند آدمی کو یہ سوچنا چاہیئے کہ یہ تمام مادّی نظام بغیر کسی چلانے والے کے خود ہی تو نہیں چل رہا ضرور کوئی بڑا مدبّر و حکیم اپنی قدرت کا ہاتھ ان سب چیزوں پر رکھے ہوئے ہے جو اپنے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرنے دیتا۔ اس کے سوا اور کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظام کو برقرار رکھ سکے۔ جو خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے کسی کو خدا بنائے بیٹھے ہیں وہ اس بات پر کیوں نہیں غور کرتے کہ ان کے معبود کس مصرف کے ہیں۔ نہ ان کو نظامِ عالم میں کوئی دخل ہے نہ وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے والے ہیں۔ آسمان و زمین کا کیا ذکر، وہ تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے ان آیات میں خدا نے مشرکوں اور ملحدوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ کاش وہ اس زمین کے نظام ہی پر غور کر لیں کہ جس پانی کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے اُسے کس طرح ان کے قدموں کے نیچے بہا دیا ہے کہ جہاں چاہیں زمین کھود کر نکال لیں۔ وہ کیوں نہیں اس پر غور کرتے کہ ایک تھوڑی سی زمین پر مختلف قسم کے درخت اُگتے ہیں لیکن اپنی نوعیت کے لحاظ سے سب جداگانہ ہوتے ہیں۔ نہ ان کا پتّہ ایک دوسرے سے ملتا ہے نہ پھول نہ پھل نہ ذائقہ۔ حالانکہ زمین ایک ہی ہے پانی بھی ایک ہی ہے۔ ہوا بھی ایک ہی ہے۔ پھر ان میں تنوّع کیوں ہے ایک دوسرے سے کیوں نہیں مل جاتے؟ ضرور کوئی مدبّر حکیم ان کو علیٰحدہ علیٰحدہ رکھ رہا ہے۔ یہ سب اس کی قدرتِ کاملہ کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٤﴾

اور زمین کے بعض ٹکڑے ملے جُلے اور (ان میں) انگور کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور خرموں کے درخت ہیں بعض کی ایک جڑ اور دو شاخیں ہیں اور بعض اکیلے ہی شاخ کے ہیں حالانکہ سب ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور کھانے میں (بلحاظ مزہ) ہم ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس میں عقل والوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں۔

ایک ہی حصّۂ زمین میں درختوں کا یہ اختلاف اور پھلوں کے ذائقہ میں یہ فرق قدرت کے شاہکار ہیں۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسولِ خداؐ کو کہتے سُنا اَلنَّاسُ مِنْ اَشْجَارٍ شَتّٰی وَاَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ شَجَرٍ وَّاحِدٍ (لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور علیؑ ایک ہی درخت سے ہیں۔) اس کے بعد اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ یہ اشارہ اس حدیث کی طرف ہی ہے اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ ع

اور اگر تمہیں کسی بات پر تعجب ہے تو یہ ان کا قول تعجب کی بات ہے کہ جب ہم سڑ کر مٹی ہو جائیں تو کیا ہم دوبارہ ایک نئے جسم میں آئیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی گردنوں میں قیامت کے روز طوق پڑے ہوں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ تم سے بھلائی کے قبل ہی برائی (عذاب) کی جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے بہت سے لوگوں کی سزائیں گزر چکی ہیں بے شک تمہارا پروردگار باوجود ان کی شرارت کے لوگوں پر بڑا بخشش کرنے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ تمہارا پروردگار بڑا سخت عذاب دینے والا ہے کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس (محمدؐ) شخص پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی (ہماری

مرضی کے موافق) کیوں نہیں نازل کی جاتی (اے رسول) تم تو صرف عذابِ خدا سے ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہے۔

کفّار و مشرکین جو قیامت کے منکر تھے بڑے تعجب کے ساتھ کہا کرتے تھے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو پھر ہم ایک نئے جسم میں ہو کر زندہ اٹھ کھڑے ہوں گے یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ جس خدا نے ان کو نیست سے ہست کیا ہے اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا دشوار ہے۔ یہ لوگ صرف قیامت کے ہی منکر نہ تھے بلکہ خدا کو عاجز اور قاصر بھی سمجھتے تھے۔ حالانکہ رات دن دیکھتے تھے کہ کھیتیاں اُگتی ہیں بڑھتی ہیں اور پھر نیست و نابود ہو جاتی ہیں، اس کے بعد پھر وہی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تخم کو زمین میں دبایا جاتا ہے پھر ایسا ہی پودا اُگ آتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کے اجزائے اصلیہ برآمد کیے جائیں گے تو اجزائے زایدہ اُن سے متصل ہو کر پھر ویسا ہی انسان پیدا ہو جائے گا۔

بعض مفسرین نے اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ کا یہ مطلب لکھا ہے کہ ان کی گردنوں میں ہٹ دھرمی جہالت اور آباؤ اجداد کی تقلید کے طوق پڑے ہوئے ہیں اور اس تعصّب کی وجہ سے وہ قیامت کے منکر بنے ہوئے ہیں۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ کا مطلب یہ ہے کہ جب حضورؐ کفّار و مشرکین کو عذاب سے ڈراتے تھے تو وہ یہ دیکھ کر کہ اُن پر عذاب نہیں آ رہا، از راہِ تمسخر حضورؐ سے کہتے تھے یہ سب آپؐ کی دھمکیاں ہیں اگر آپؐ اپنے قول میں سچے ہوتے تو وہ عذاب ہم پر ضرور آ چکتا۔ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اللہ نے ان کو مہلت دے رکھی ہے کہ شاید سنبھل جائیں۔ پہلی قوموں کے واقعات سے وہ عبرت حاصل نہیں کرتے تھے، وہ بھی تو ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ آخر ایک دن عذاب خدا نے ان کو آ ہی لیا۔ باوجود ان کی غلط کاریوں کے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اگر سنبھل جائیں تو ان کے گناہ بخش دے لیکن اگر وہ سنبھلنا چاہتے ہی نہیں تو اچھی طرح سمجھ لیں کہ پھر خدا سخت سے سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔ ان لوگوں کی باتیں بھی عجیب ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اے محمدؐ تم پر کوئی معجزہ ہماری مرضی کے موافق کیوں نہیں نازل ہوتا ہم جیسا کہیں کہ ایسا کر کے دکھاؤ تو تم ویسا ہی کر کے ہمیں دکھاؤ۔ اے رسولؐ، ان کی یہ احمقانہ باتیں چھوڑو، یہ تو رات دن یہی بکواس کرتے رہیں گے۔ تمہارا کام تو یہ ہے کہ تم ان کو عذابِ الٰہی سے ڈراؤ تمہارا کام ان کی خواہشوں کا پورا کرنا نہیں۔ اگر نہیں ڈرتے تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہماری طرف سے ہوا کرتا ہے تاکہ ہماری حجت تمام ہو جائے کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ ہمارے پاس کوئی ہدایت کرنے والا آیا ہی نہیں۔

تفسیر دُرِ منثور سیوطی جلد ۴ صفحہ ۴۵ مطبوعہ مصر میں ابن مردویہ ابونعیم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جب آیۂ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھ کو اپنے سینہ پر رکھا اور فرمایا اَنَا مُنْذِرٌ یعنی میں ڈرانے والا ہوں، پھر اپنے ہاتھ سے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اَنْتَ الْهَادِيْ يَا عَلِيُّ بِكَ يَهْتَدِي الْمُهْتَدُوْنَ بَعْدِيْ (اے علیؑ تم ہدایت کرنے والے ہو اور میرے بعد تمہارے ہی ذریعہ

سے لوگ ہدایت پائیں گے۔ یہ روایت اور بھی کئی راویوں سے نقل کی گئی ہے۔
اگر ہر زمانہ میں ہر قوم کے لیے کوئی معصوم ہادی موجود نہ ہو تو روز قیامت اس قوم کو خدا سے شکایت کرنے کا حق ہوگا۔ اس لیے اہلبیت میں سے ایک امام ہر زمانہ میں موجود رہا اور اب بھی ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝۱۳

ہر مادہ جو اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہے اللہ اس کو جانتا ہے اور بچہ دانی کے اندر جو کچھ گھٹتا بڑھتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے وہ ظاہر و باطن ہر شے کا جاننے والا ہے سب سے بڑا اور عالیشان ہے۔ اس کے نزدیک برابر ہے چاہے کوئی چپکے سے بات کہے یا زور سے بولے۔ جو کوئی رات کی تاریکی میں چھپا بیٹھا ہو یا دن دھاڑے چلا جا رہا ہو اس کے نزدیک سب برابر

ہیں۔ (آدمی کسی حالت میں ہو) اس کے آگے اور پیچھے اس کے لیے اس کے نگہبان فرشتے مقرر ہیں کہ بحکم خدا اسے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جو نعمت کسی قوم کو حاصل ہو جب تک وہ خود اپنی حالت میں تغیر پیدا نہ کرے خدا ہرگز اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا اور جب خدا کسی قوم پر برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی ٹلنے والا نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی اس کا سرپرست ہے۔ وہ وہی تو ہے جو تمہیں ڈرانے اور لالچ دینے کے لیے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور پانی سے بھرے بوجھل بادلوں کو پیدا کرتا ہے اور گرج اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور وہی آسمان سے بجلیوں کو بھیجتا ہے اور پھر اُسے جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے اور یہ لوگ خدا کے بارہ میں (خواہ مخواہ) جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ وہ بڑا سخت قوت والا ہے۔

ایک سیّال مادہ پر رحم کی تاریکی کے اندر ایک بچہ بنانا اس کی قدرت کا شاہکار ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کیا بن رہا ہے، کالا ہے یا گورا ہے، سعید ہے یا شقی ہے۔ کامل الخلقت ہے یا ناقص الخلقت، کس قد و قامت کا ہے اور کس وزن کا ہے اس کے نزدیک غائب و حاضر سب برابر ہیں۔ وہ رات کے گھُپ اندھیرے میں چیونٹی کی چال کو بھی دیکھتا ہے۔ پھر ہر شخص کے ساتھ اس کے فرشتے بھی لگے ہوئے ہیں جن کی نظر انسان کی ایک ایک حرکت و سکون پر ہے، بھلا ایسے خدا سے کوئی بات چھُپ سکتی ہے۔ کتنے احمق ہیں وہ لوگ جو چھُپ کر گناہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خدا اس کو نہیں دیکھتا۔

اگر اللہ کسی پر عذاب نازل کرنا چاہے یا کوئی بلا نازل کرے تو کس کی طاقت ہے کہ اُسے روک دے۔ انسانوں پر سب سے بڑا حاکم خدا ہے کوئی اس کے حکم کو نہیں ٹال سکتا۔

اگر وہ کسی قوم کو نعمت دیتا ہے تو خود اُسے واپس نہیں لیتا۔ وہ بندوں کی طرح بخشش کرنے والا نہیں کہ کوئی چیز دے کر بلاوجہ واپس لے لے بلکہ جب وہ قوم اپنی حالت خود بگاڑ لیتی ہے اور اس کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جاتی ہے تو اپنی نعمت کو روک لیتا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل پر من و سلویٰ بند کر دیا۔ یا مائدہ کو اُٹھا لیا یا جیسے انبیاءؑ کی آمد کو ان کے قتل کرنے کی سزا میں چھ سو سال بند رکھا جس کو زمانۂ فترت کہتے ہیں۔

بجلی کی چمک تم کو دکھائی جس سے تم کو اس کے گر کر جلا دینے کا خوف پیدا ہوا اور لالچ بھی ہوا کہ ایک ایسا بادل جس میں بجلی کی چمک ہو ضرور برسے گا۔ جو بوجھل اور بھاری بادل ہوتے ہیں وہ ضرور برستے ہیں۔ رعد اس کی حمد کرتی ہے۔ ہر شے اس کی حمد کرتی ہے مگر اس کی تسبیح ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کی ساخت اور ان کا عمل جن سے خدا کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے ان کی حمد ہے یعنی ان کا وجود ثابت کرتا ہے کہ اس کی ذات قابل حمد ہے اور ملائکہ بھی اس کی عظمت و جلالت کے خوف سے اس کی حمد کرتے ہیں۔

ان آیات کا منشا یہ ہے کہ باوجود خدا کی ایسی مخلوق دیکھنے کے جو سر تا سر ان کو فائدہ پہنچانے والی ہے پھر بھی

لوگ اُس کی خدائی کا اقرار نہیں کرتے اور کفر و شرک سے باز نہیں آتے۔

"رعد" گرج کو کہتے ہیں جو پانی بھرے بادلوں کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور خدا کی شان دیکھو کہ اس ٹکراؤ سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہی پانی جب سمندر میں رہتا ہے اور پہاڑوں جیسی موجیں تلاطم برپا کرتی شور و غل مچاتی سطح آب پر گرتی ہیں تو نہ رعد کی سی گرج پیدا ہوتی ہے نہ بجلی چمکتی ہے۔ اور بہ جاتے ہی ایک نیا تماشہ بن جاتا ہے۔ اسی پانی کو جب ہوا اپنے نرم و نازک دامن پر لے کر ہلاتی ڈلاتی ہے تو رعد بھی گرجنے لگتا ہے اور بجلی بھی چمکنے لگتی ہے۔ سُبحانہ ما اعظم شانہٗ۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

سچا پکارنا اسی کو ہے اُس کے سوا لوگ جس کو پکارتے ہیں وہ کچھ جواب ان کو نہیں دیتے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی دو ہتھیلیاں پانی میں پھیلانے والا کہے کہ میرے منہ میں پانی آجا۔ مگر وہ اُس کے منہ تک پہنچے گا ہی نہیں۔ اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی بہکی پھرتی ہیں۔ جو بھی آسمانوں اور

زمین میں بستے ہیں خوشی یا ناخوشی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اسی طرح ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ ریز ہیں۔ تم پوچھو آسمانوں اور زمین کا پالنے والا (مالک) کون ہے (وُہ کیا جواب دیں گے) تم کہہ دو اللہ ہے اور یہ بھی کہو کیا تم نے خدا کے سوا ایسے کارساز بنا رکھے ہیں جو اپنی ذات کے لیے نہ تو نفع پر قابو رکھتے ہیں نہ نقصان پر۔ یہ بھی کہو کہ اندھے اور بینا کیسے کیا برابر ہوتے ہیں کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہے (ہرگز نہیں) ان لوگوں نے جو خدا کے شریک بنا کھڑے کیے ہیں کیا انہوں نے بھی خدا کی سی مخلوق بنائی ہے جس کی وجہ سے مخلوقات ان پر مشتبہ ہو گئی ہے۔ کہدو اے رسول ہر شے کا خالق اللہ ہی ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ کے یہ معنی ہیں کہ ہر حاجت کے وقت اُس کو پکارنا چاہیئے وہی ہر ایک کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے اگر کسی اور کو وسیلہ یا ذریعہ بنا کر اس سے دُعا کی جائے تب بھی بالواسطہ ہر حاجت کا پورا کرنے والا وہی قرار پاتا ہے وسیلہ خدا نہیں سمجھا جاتا بلکہ خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے جو لوگ یہ نہیں مانتے وہ بتائیں قیامت میں شفاعت کا کیا مقصد ہوگا۔

کافروں اور مشرکوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ خدا کے سوا تم جن بتوں کے سامنے بیٹھ کر دعائیں مانگتے ہو تمہاری یہ دعائیں بیکار جاتی ہیں کیونکہ جن سے مانگتے ہو ان میں تمہاری کسی حاجت کے بر لانے کی طاقت ہی نہیں وہ تو اپنے منہ کی مکھی تک نہیں اُڑا سکتے بھلا وُہ تمہاری کیا مدد کریں گے۔

مشرکوں سے پوچھو آخر تم نے ان بتوں میں کیا کمال دیکھا ہے کہ ان کو اپنا معبود بنا لیا۔ کیا انھوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے جس کی وجہ سے خدا کی مخلوق اور ان کی مخلوق میں تمہیں شُبہ پڑ گیا ہے جب انہوں نے کچھ پیدا کیا ہی نہیں تو پھر کس حق سے تم انہیں معبود کہتے ہو، ایسے بیکار وجُودوں کو معبود بنانے سے تم نے کیا فائدہ سوچا ہے اپنے عقیدہ کی کمزوری محسوس کر کے چونکہ وہ لوگ جواب دینے سے بچتے تھے اس لیے جا بجا رسولؐ سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر ان سے جواب نہیں بن پڑتا تو تم خود انہیں بتا دو کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ ہے۔ دُنیا کی ہر مخلوق کا پیدا کرنے والا اور ان کو رُوزی دینے والا اللہ ہی تو ہے۔ پس جب سارے کام اللہ ہی کرتا ہے تو تم اُس کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ تم ذرا یہ تو بتاؤ کہ جس شخص کو اللہ نے آنکھیں دی ہیں اور جو ذرہ ذرہ میں خدا کی قدرت کے آثار دیکھ رہا ہے وہ بھلا کیسے اندھا بن کر خدا کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنا لے گا۔ اور علم و عقل کی روشنی (ہدایت رسولؐ) ہر طرف پھیلی ہوئی دیکھنے کے باوجود جہالت کی تاریکی میں کیسے اپنے آپ کو جا ڈالے گا۔

جب تمہیں ہر طرف خدا ہی کی مخلوق نظر آتی ہے اور اس کی خلقت کا ایک ہی قانون اوّل سے آخر تک چلا آرہا ہے تو پھر تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ اُس کے سوا کوئی اور بھی معبُود ہے۔ عقل کے اندھو، اگر کوئی بھی خدا کا شریک ہوتا تو کہیں تو تخلیق و تکوین کے معاملہ میں اُس کا ٹکراؤ خدا سے ہوتا اور نظامِ عالم میں کوئی تبدیلی کی صورت پیدا

ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں تو پھر مانو کہ ایک ہی قوت ہے جو تمام کائنات پر غالب اور متصرف ہے۔ قرآن نے یہ ایسی قوی دلیلیں وحدانیت باری تعالیٰ کے متعلق بیان کی ہیں کہ دنیا کے کسی حکیم یا فلسفی کی طاقت نہیں کہ ان کی تردید میں منہ کھول سکے۔

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

(اب خدا اپنی وحدانیت کی ایک اور دلیل بیان کرتا ہے) اُس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنے اپنے انداز سے نالے بہہ نکلے۔ پھر پانی کے ریلے سے پھولا ہوا جھاگ آگیا اور اس چیز (دھات) سے بھی جسے یہ لوگ زیور یا کوئی اسباب بنانے کے لیے تپاتے ہیں اسی طرح پھین آجاتا ہے (پھر الگ ہوجاتا ہے) یوں حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے (پانی حق کی مثال ہے اور جھاگ باطل کی) پھین تو خشک ہوکر غائب ہوجاتا ہے لیکن جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے یعنی پانی وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے یوں خدا (سمجھانے بجھانے کے لیے) مثالیں بیان کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے رب کا کہا مانا اُن کے لیے تو بہتری ہے اور جن لوگوں نے اس کا کہا نہ مانا (قیامت میں ان کی یہ حالت ہوگی) کہ اگر روئے زمین کے سب خزانے بلکہ اس کے ساتھ اتنا ہی اور ملا کر بھی نجات کے لیے دے ڈالیں (پھر بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا) ایسے ہی لوگوں سے بُری طرح

حساب لیا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جو بہت بُری رہنے کی جگہ ہے۔

آسمان سے مینہ برسانا اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک شاہکار ہے۔ غور کرو سورج کی ایسی لطیف کرنیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں پانی کے قطروں کو کھینچتے ہوئے اوپر کو لیے چلی جاتی ہیں۔ کوئی آنکھ نہیں دیکھتی کہ یہ انقلاب مکانی کیونکر ہو رہا ہے۔ سمندروں اور دریاؤں سے لے جاکر ہوا کے لطیف دامن پر جا ڈالتی ہیں۔ کیا مجال کہ ہوا کے دامن کا ایک تار بھی اُس کے حکم کے بغیر ٹوٹ جائے۔ کروڑوں من پانی ہوا کے دامن پر پھیل جاتا ہے جو بادل کی صورت میں ہمیں نظر آنے لگتا ہے۔ ہوا اس کو الٹتی پلٹتی رہتی ہے اور نہ معلوم کیا کیا کیمیائی چیزیں اس میں بھرتی رہتی ہے۔ جب اس کو حکمِ خدا ہوتا ہے تو اپنے دامن کو جھٹکنے لگتی ہے اور پھر زمین پر بارش ہونی شروع ہوجاتی ہے جس سے ندی نالے چھلک اُٹھتے ہیں اور جب پانی میں جوش مارتا ہے تو جھاگ پیدا ہوجاتے ہیں لیکن کچھ دیر بعد وہ غائب ہوجاتے ہیں دوسری بات دھاتوں کے متعلق کہی گئی ہے کہ جب ان کو گلایا جاتا ہے تاکہ زیور یا برتن وغیرہ بنائے جائیں تو وہاں میل کچیل جھاگ کی صورت میں اُوپر آجاتا ہے۔ صاف ستھری دھات نیچے رہ جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو احکام بذریعہ وحی نازل ہوئے ان کو بارش سے تشبیہ دی گئی ہے اور ایمان لانے والوں کو نالوں سے۔ اور جھاگوں سے تشبیہ دی گئی ہے منافقوں اور اسلام کے مخالفوں کو جو جھاگوں یا کوڑے کرکٹ کی طرح بہہ جاتے ہیں پانی کی روانی کو ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

کفار و مشرکین اس خیال میں مست تھے کہ قیامت کے عذاب سے جو ہمیں ڈرایا جا رہا ہے یہ محض ہمارے ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے۔ وہ ازراہِ تمسخر کہتے تھے اگر وہاں ہماری پکڑ دھکڑ ہوئی بھی تو کچھ دے دلا کر اپنا پیچھا چھڑا لیں گے۔ ان کے اس خیالِ باطل کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت بارانِ رحمت کی طرح تھی جس سے زرخیز زمینوں کی طرح ایمان لانے والوں کو تو فائدہ پہنچا اور بنجر زمینوں کی طرح ایمان نہ لانے والے اُن فوائد سے محروم رہے۔

أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ

وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

(اے رسول) جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے سراسر حق ہے وہ اس شخص کے برابر کیسے ہوسکتا ہے جو نپٹ اندھا ہے (نہ دیکھتا ہے نہ سمجھتا ہے) اس سے تو کچھ سمجھ دار لوگ ہی نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے عہد کو وفا کرتے ہیں اور اپنے عہد و پیمان کو توڑتے نہیں اور جن تعلقات کو خدا نے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور (قیامت کے دن) سخت حساب سے خائف رہتے ہیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جو مصیبت ان پر پڑی اُسے جھیل گئے اور نمازیں پڑھیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اُسے چھپا کر اور ظاہر بظاہر راہِ خدا میں دیا اور یہ لوگ بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں اچھا گھر ہے اور جنّت عدن کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور (نہ صرف وہ بلکہ) ان کے نکوکار باپ دادا ان کی ازواج اور ان کی اولاد بھی (ان کے ساتھ) جائے گی اور ہر دروازہ سے ملائکہ ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے سلامٌ علیکم تم نے جو صبر کیا تھا (اس کا یہ صلہ ہے) آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے۔

پہلی آیت میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ان سب چیزوں کو حق سمجھتا ہے جو رسولؐ پر نازل ہوئیں اس کے متعلق ابنِ مردویہ نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ وہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں جنہوں نے سب سے پہلے رسولؐ کی نبوّت کی تصدیق کی اور جو احکام حضورؐ پر نازل ہوئے ان کو حق سمجھ کر سب پر عمل کیا۔

اس آیت کے بعد جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ مومنین کاملین کی ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ اخلاقی،

معاشرتی اور تمدّنی اصلاح کے لیے بہترین طریقے ہیں۔ جس تمدن میں لوگ اپنے وعدوں کو وفا کریں گے، صلۂ رحم کریں گے۔ قیامت کے حساب سے ڈر کر حرام طریقہ سے چیزیں حاصل نہ کریں گے۔ نماز پڑھیں گے اور راہِ خدا میں غریبوں اور محتاجوں کو دیتے رہیں گے۔ بدی کا بدلہ نیکی سے دیں گے، وہاں کوئی خلفشار نہ ہوگا ایک دوسرے سے محبت کریں گے ہمدردی کا برتاؤ کریں گے، فتنہ و فساد کو وہاں دخل نہ ہوگا۔ خدا و رسولؐ یہی چاہتے ہیں کہ سب لوگ نکوکاروں کی سی زندگی بسر کریں۔

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان کو پکّا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس کو (صلۂ رحم) قائم رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے اُسے قطع کر دیتے ہیں اور روئے زمین پر فساد برپا کرتے ہیں تو ایسے لوگوں پر لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت میں) بُرا گھر ہے۔ اللہ جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کم کر دیتا ہے لوگ زندگانی دُنیا پر بہت خوش ہیں حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بے حقیقت چیز ہے

مؤمنین کی خصلتیں بیان کرنے کے بعد اب کافروں کی صفات بیان کی جاتی ہیں پہلی بات یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ سے پکّا وعدہ کرتے کہ ہم اس کی وحدانیت پر قائم رہیں گے اور اس کے احکام کی تعمیل کریں گے پھر لوگوں کے بہکانے اور مال و دولت کے لالچ میں اپنے عہد سے پھر جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ عہدِ رسالت کے لوگوں کے متعلق ہے تاہم تاقیامت ایسے لوگ پائے جاتے رہیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صلۂ رحم بجا نہیں لاتے اور اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور ان کے حقوق ادا نہیں کرتے اور ان سے ملتے جلتے نہیں، تو ان پر لعنت ہے اور ان کا بُرا انجام ہے۔ باہمی معاہدہ کے ترک پر لوگوں کو کس قدر شرمندگی ہوتی ہے سوسائٹی میں انسان منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ نہ کہ خدا سے عہد کر کے توڑا جائے۔ انسانوں کا معاہدہ خدا سے یہ ہے کہ وہ شیطان کی عبادت نہ کریں اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ (اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا کہ تم شیطان کی عبادت

(یٰسٓ ۳۶/۶۰)

نہ کرنا) پس جب انسان خواہشِ نفسانی کی پیروی کرتا ہے اور احکام الٰہی سے منہ موڑ لیتا ہے تو معاہدۂ الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے اور اپنے کو خدا کی لعنت کا سزاوار بنا لیتا ہے۔

دوسری بات صلۂ رحم کرنا ہے احادیث میں ہے کہ جو کوئی صلۂ رحم کرتا ہے خدا اُس کی عمر بڑھا دیتا ہے اور جو قطع رحم کرتا ہے اُس کی عمر کم کر دیتا ہے۔ صلۂ رحم کرنے سے رشتہ داروں کے درمیان محبت قائم رہتی ہے اور ایک دوسرے کا عہد قائم رہتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ فساد برپا نہ کیا جائے فساد کی جڑ حق تلفی ہے جب کسی کا حق غصب کیا جائے گا، حرام طریقہ سے روزی حاصل کی جائے گی تو ضرور معاشرہ میں فتنہ و فساد پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں باتوں سے اپنے بندوں کو بچانا چاہتا ہے۔

جو لوگ عیشِ دُنیا میں مست ہیں اور زندگانی دنیا پر مرمٹے ہیں ان کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ عیش و نشاط چند روزہ ہے ایک نہ ایک دن زندگی ختم ہونے والی ہے۔ دُنیا کیا اور اس کی پونجی کیا۔ آخرت کی نعمتوں کے مقابل یہ سب خاک در خاک ہے۔

عہدِ رسالت میں مشرکین مالداروں کی بڑی عزت کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ خدا کے محبوب بندے یہی ہیں اگر اس کے پیارے نہ ہوتے تو اس قدر دولت اُن کو کیوں دیتا۔ قرآن کے متعلق کہتے تھے کہ اگر اُسے نازل ہی ہونا تھا تو طائف کے دو مالداروں پر نازل ہوتا جو اس زمانہ کے سب سے بڑے سیٹھ سمجھے جاتے تھے۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ رزق کا بڑھانا گھٹانا تو خدا کی مصلحتوں پر موقوف ہے جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے جس کا چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے۔ اگر کسی کو زیادہ دیا ہے تو کسی حق کی بنا پر نہیں دیا بلکہ اپنی کسی مصلحت سے دیا ہے۔ پس جو مالدار ہے اُسے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ خدا کا محبوب بندہ بھی ہے۔ مؤمنوں سے زیادہ خدا کافروں کو اس لیے دیتا ہے تاکہ دُنیا ہی میں ان کی نیکیوں کا بدلہ پورا ہو جائے دوسرے جتنے گناہ وہ کر سکتے ہوں جی بھر کر کر لیں پھر وہ ہیں اور میں ہوں۔ دولت کی بہتات میں وہ نیکیاں کیوں نہیں کرتے خدا پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ حجت تمام کرنے کے لیے ہر طرح کا آرام دیا جاتا ہے۔ اس پر بھی اپنی غلط کاریوں سے باز نہیں آتے تو پھر خدا کا عذاب ایک دن انہیں دھر پکڑے گا۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿۲۷﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿۲۸﴾

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿۲۹﴾ كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

جن لوگوں نے رسول کی رسالت کے ماننے سے انکار کیا کہتے ہیں کہ اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتری۔ اے رسول ان سے کہہ دو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اُسے اپنی طرف آنے کا راستہ دکھا دیتا ہے۔ جنہوں نے ایمان قبول کیا اور ان کے دلوں کو خدا کی یاد سے تسلّی ہوتی ہے۔ یاد رکھو خدا ہی کی یاد سے دلوں کو تسلّی ہوتی ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے بہشت میں طوبیٰ اور خوشحالی اور اچھا انجام ہے۔ ہم نے تم کو اس امّت میں بھیجا ہے ان سے پہلے اور بھی بہت سی امّتیں گزر چکی ہیں تاکہ تم ان کے سامنے قرآن کو جو وحی کے ذریعہ سے ہم نے تم کو بھیجا ہے پڑھ کر سُنا دو اور یہ لوگ کچھ تمہارے ہی نہیں بلکہ میری خدائی کے بھی منکر ہیں۔ تم کہہ دو وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے توکّل کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

گمراہی میں چھوڑ دینے کا مقصد یہ ہے کہ جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی طرف رجوع نہیں کرتا تو خدا اس کو زبردستی اپنا راستہ نہیں دکھاتا۔ وہی اسباب جن سے لوگ ہدایت پاتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے باعثِ گمراہی بن جاتے ہیں جو اُن کی عقل کے فتور کے باعث ہوتا ہے۔

لوگوں کا یہ کہنا کہ رسول اپنی صداقت کی کوئی نشانی نہیں دکھاتے ان کی جہالت کی دلیل ہے۔ بہت سی نشانیاں ان کو دکھائی جا چکی ہیں مگر ان کو چونکہ ایمان لانا مقصود ہی نہیں لہٰذا وہ اندھے بنے ہوئے ہیں کوئی نشانی انہیں نظر ہی نہیں آتی۔ جو نشانی بھی انہیں دکھائی جائے گی وہ اس سے انکار کر کے کوئی اور نئی نشانی طلب کرنے لگیں گے۔

جو لوگ ایمان لا چکے، ذکرِ خدا کرنے کی وجہ سے ان کے قلوب مطمئن ہو چکے ہیں وہ کسی نشانی کے طلبگار نہیں

طوبیٰ کے متعلق تفسیر صافی اور مجمع البیان میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ طوبیٰ ایک درخت ہے جس کی جڑ میرے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں جنّت میں پھیلی ہوئی ہیں دوسری مرتبہ جب یہی سوال کیا گیا تو فرمایا اس کی جڑ علیؑ کے گھر میں ہے۔ اس پر کسی نے کہا پہلے تو آپؐ نے اور طرح فرمایا تھا۔ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا، تمہاری سمجھ کا پھیر ہے حقیقت میں میرا اور علیؑ کا گھر ایک ہی ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

اگر کوئی ایسا قرآن بھی نازل ہوا ہوتا جس کی وجہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے چل کھڑے ہوتے یا زمین کی مسافت طے کی جاتی یا اس کی برکت سے مُردے بول اُٹھتے (تو بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے) بلکہ (سچ تو یُوں ہے) سب کاموں کا اختیار اللہ ہی کو ہے تو کیا ابھی تک اہلِ ایمان یہی آس لگائے بیٹھے ہیں کہ خدا چاہتا تو سب کو ہدایت کر دیتا۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان پر ان کی بداعمالی کی سزا میں کوئی نہ کوئی مصیبت پڑتی ہی رہے گی یا ان پر نہ پڑی تو ان کے گھروں کے آس پاس نازل ہوگی ضرور یہاں تک خدا کا وعدہ (عذاب) پُورا ہو کر رہے گا۔ خدا ہرگز خلافِ وعدہ نہیں کرتا۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا الخ شانِ نزول اس آیت کی یہ ہے کہ ایک بار چند مشرکین حضرت رسولِ خداؐ کے پاس آکر کہنے لگے کہ ہم آپؐ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپؐ مکّہ کے پہاڑوں کو دُور ہٹا دیں تاکہ شہر مکّہ کی آبادی کے لیے جگہ کشادہ ہو جائے اور زمین کو شگافتہ کر کے چشمے بہا دیں تاکہ کھیتی باڑی میں مدد ملے تیسرے یہ کہ آپؐ اپنے اسلاف میں کسی کو زندہ کر دیں تاکہ ہم ان سے آپؐ کی نبوّت کی صداقت کے متعلق دریافت کریں۔ ان باتوں کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا کر بھی دیا جائے تو بھی یہ ایمان لانے والے

نہیں یہ تو صرف دفع الوقتی کی باتیں ہیں جب قرآن نے ہر طرح کے دلائل پیش کر دیئے اور یہ ایمان نہ لائے تو اب ان باتوں کے ہونے کے بعد یہ کیا ایمان لائیں گے۔ قرآن کے ذریعہ یہ سب کچھ دکھایا جا سکتا ہے مگر ان کے ایمان لانے کی امید نہیں۔

مؤمنوں کو یہ امید نہ رکھنی چاہیئے کہ سب کے سب ایمان لے آئیں اگر خدا ایسا چاہتا تو بے شک سب ایمان لے آتے مگر یہ خدا کی مصلحت کے خلاف ہے وہ کسی کو جبراً مؤمن بنانا نہیں چاہتا بلکہ اس کی ہدایت کا منشا تو یہ ہے کہ سمجھ بوجھ کر ایمان لائیں۔

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے اور وہ رسولؐ کو ستانے سے باز نہیں آتے ان پر کوئی نہ کوئی مصیبت پڑتی رہے گی اور اگر ان پر نہ پڑی تو ان کی عبرت کے لیے ان کے آس پاس کے کافروں پر ضرور پڑے گی اور اللہ نے اے رسولؐ تم سے جو فتح مکّہ کا وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اس وقت ان کی تمام شیخی کرکری ہو جائے گی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

اے رسول تم سے پہلے بھی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں پس ہم نے کافروں کو مہلت دی پھر ہم نے ان کو دھر پکڑا، پس ان پر عذاب کیسا سخت تھا۔ جو خدا ہر شخص کے اعمال کی خبر رکھتا ہے (کیا وہ ان کو چھوڑ دیگا ہرگز نہیں)۔ ان (مشرکوں) نے خدا کے شریک بنا لیے ہیں۔ اے رسول ان سے کہو تم ان کے نام تو بتاؤ کیا تم خدا کو ایسے شریکوں کی خبر دیتے ہو جن کو وہ جانتا تک نہیں (کہ زمین میں کدھر بستے ہیں) یا اوپری باتیں بناتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کافروں کو ان کی مکّاریاں بھلی دکھائی گئی ہیں اور وہ راہِ راست سے روک دیئے گئے ہیں اور جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے تو اس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہو سکتا۔

دُنیا کی اقوام کا قاعدہ یہ رہا کہ جب خدا کے رسولوں نے ان سے کہا کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ اس کائنات کا بنانے والا ایک خدا ہے تو وہ مذاق اڑانے لگے کہ بھلا اتنا بڑا کارخانہ اور اس کا چلانے والا صرف ایک۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سرکشی کی سزا میں ان پر سخت سے سخت عذاب آئے۔ ہر شخص جو کچھ عمل کرتا ہے وہ خدا سے کیسے چھپا رہ سکتا ہے۔ لوگوں نے اپنی بے عقلی سے خدا کے شریک بنا لیے ہیں۔ ان سے پوچھو اُن کے نام کیا ہیں۔ کیا خدا نے تمہیں اطلاع دی ہے کہ فلاں فلاں کو تم میرا شریک بنا کر پوجو۔ یا تم نے خدا کو بتایا ہے کہ ہم نے فلاں فلاں کو تیرا شریک بنا لیا ہے اور خدا کو پتہ بھی نہیں کہ جنہیں تم نے شریک بنایا ہے وہ کہاں بستے ہیں۔ یا یہ صرف کھانے کمانے کی باتیں ہیں کہ تم بے سوچے سمجھے یہ احمقانہ عقیدہ بنائے ہوئے ہو اور ان شریکوں کے پجاری بن کر دوسروں سے ان کے نام پر فائدہ حاصل کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ ان کافروں کی مکاریوں کو شیطان نے ان کی نظر میں خوشنما قرار دے دیا ہے اور اس کی وجہ سے وہ راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں۔ خدا نے بھی اپنی توفیقات ان سے ہٹا کر گمراہی میں پڑا چھوڑ دیا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ خدا نے اپنی ہدایت ان سے روک لی ہے، کون ہے جو انہیں ہدایت کر سکے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

ان لوگوں کے لیے دُنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بڑا ہی سخت ہے اور پھر خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا بھی نہیں ہوگا۔ پس جس جنّت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس کے میوے سدا بہار ہیں اور اس کے سائے بھی ہر وقت رہنے والے ہیں۔ یہ انجام ان لوگوں کا ہے جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی اور کافروں کا انجام جہنّم ہے

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ

يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

ع ۵

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُن احکام سے خوش ہوتے ہیں جو تم پر نازل کیے گئے ہیں۔ اور ان میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو اُن میں سے بعض کا انکار کرتے ہیں۔ تم اُن سے کہہ دو مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤں میں اسی کی طرف بُلاتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور یوں ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان بنا کر نازل فرمایا اے رسول اگر اس کے بعد بھی کہ تمہارے پاس علم قرآن آچکا ہے تم نے ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی تو پھر خدا کی طرف سے نہ تمہارا کوئی سرپرست ہوگا نہ بچانے والا۔ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں بھی دیں اور اولاد بھی عطا کی اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لا دکھائے۔ ہر ایک وقت کے لیے ہمارے یہاں ایک قسم کی تحریر ہوتی رہتی ہے۔

یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ اگر یہ رسول سچے ہوتے تو ان کا ذکر ہماری کتاب میں ہوتا اور یہود و نصاریٰ ان کی دعوتِ اسلام کو قبول کر لیتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سب یہودی یکساں نہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے چند ساتھی احکامِ قرآن پر ایمان لے آئے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا ہے۔ اے رسولؐ تم ان سے کہو کہ تمہارے انکار سے ہوتا کیا ہے، میری رسالت کو تمہارے انکار سے کیا نقصان پہنچتا ہے۔ جو میرا فرض ہے میں تو اُسے پورا کروں گا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کا شریک

کسی کو نہ بناؤں اور اس ذات وحدہٗ لاشریک کی طرف لوگوں کو بلاؤں تو یہ کام تو میں کرتا رہوں گا۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ آپؐ نے بہت سی بیبیاں کر لی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ عیش پرست اور شہوت پرستی کی طرف مائل ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسولؐ سے پہلے اور بھی رسول بھیجے گئے تھے۔ ان کی بیبیاں بھی تھیں اور بچے بھی۔ اپنی توریت میں تم نے خود ہی لکھ مارا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی سو بیبیاں تھیں اور حضرت سلیمانؑ کی تین سو۔ پس جب اتنی کثرت کے ساتھ نبوت میں کوئی فرق نہ پڑا تو رسولِ خداؐ کی چند بیبیوں کے ساتھ کیا فرق پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی رسول یا نبی کی بی بیوں یا اولاد سے نبوّت میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ اولاد یا بی بی کا تعلق اپنی جگہ ہے اور تبلیغ اپنی جگہ ہے۔ باوجود چند بی بیاں ایک وقت ہونے کے آنحضرتؐ کی تبلیغ میں کیا فرق پڑا۔ اگر فرق پڑتا تو خدا ٹوکتا اور ان کو تعدّدِ ازواج کی اجازت ہی نہ دیتا۔

نصاریٰ اور یہودی بار بار حضرتؐ کی خدمت میں آ کر کہتے تھے کہ آپؐ ایسے کھلے ہوئے معجزات کیوں نہیں دکھاتے جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے دکھائے۔ آپؐ بھی کسی پہاڑ سے اسی طرح پانی نکال کر دکھائیں جیسے موسیٰؑ نے عصا مار کر نکالا تھا۔ آپؐ بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح مُردوں کو جلا کر اور کوڑھیوں کو اچھا کر کے دکھائیں اس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ معجزہ دکھانا بغیر اذنِ خدا کسی نبی کے اختیار میں نہیں۔ جب خدا کا حکم ہوتا ہے تب کوئی نبی معجزہ دکھاتا ہے۔ یہ کوئی بھان متی کا تماشا نہیں یا شعبدہ باز کا کھیل نہیں کہ جب کسی نے کہا دکھاؤ تو دکھانے لگے۔ اگر نبی کے اختیار میں ہو اور ہر کسی کی خواہش پر دکھانے لگے تو پھر اسی کام کا ہو جائے۔ گئے دن لوگ کسی معجزہ کے دکھانے کی خواہش کرتے رہیں۔ جو لوگ ایمان نہ لانے والے تھے وہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر کب ایمان لائے۔ کسی نے جادو کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا کسی نے نظر بندی بنا کر چھٹکارا حاصل کیا۔ قرآن کھلا ہوا معجزہ ہے جب لوگ اس پر ایمان نہیں لائے تو وہ کسی اور معجزہ پر کیا ایمان لائیں گے۔ ابوجہل نے شق القمر کا معجزہ دکھانے کی خواہش کی حضرتؐ نے جب دکھایا تو یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ محمدؐ کا جادو صرف زمین پر ہی نہیں چلتا بلکہ آسمان پر بھی اپنا اثر دکھاتا ہے۔ (استغفر اللہ)

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ

الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے۔ اے رسول عذاب کے جو وعدے ہم ان کفار سے کرتے ہیں چاہے تمہارے سامنے پورے کر دکھائیں چاہے تمہیں اس سے پہلے اُٹھا لیں۔ تم پر تو صرف احکام کا پہنچا دینا فرض ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ کیا انہوں نے یہ بات نہ دیکھی کہ ہم زمین کو (فتوحاتِ اسلام سے) اس کو تمام اطراف کو گھٹاتے چلے آتے ہیں (کفار کے لیے)۔ اور خدا جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں وُہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جو لوگ (ان کفارِ مکّہ سے) پہلے ہو گزرے ہیں ان لوگوں نے بھی پیغمبروں کی مخالفت میں بڑی بڑی تدبیریں کیں (لیکن کر کچھ نہ سکے) کیونکہ سب تدبیریں تو خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ جو شخص جو کچھ کرتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے اور کافروں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کی خوبی کس کے لیے ہے۔ اے رسول کافر لوگ کہتے ہیں کہ تم پیغمبر نہیں ہو تم ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی) گواہی کے لیے خدا کافی ہے اور وہ شخص جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم ہے۔

احکامِ الٰہیہ کا تعلق دو لوحوں سے ہے۔ ایک کو لوحِ محو و اثبات کہتے ہیں دوسری کو لوحِ محفوظ۔ لوحِ محو و اثبات میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن لوحِ محفوظ جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ لوحِ محو و اثبات کا علم ملائکہ اور انبیاءؑ کو ہوتا ہے۔ مثلاً ایک گنہگار کی سزا لوحِ محو و اثبات میں لکھی جاتی ہے لیکن اگر وہ توبہ کر لیتا ہے یا کوئی عمل خیر کرتا ہے تو اس کی سزا مٹا دی جاتی ہے یا کم کر دی جاتی ہے۔ یا مثلاً ایک شخص صلۂ رحم کرتا ہے اس کی عمر بڑھا دی جاتی ہے اور ایک شخص قطع رحم کرتا ہے اس کی عمر کم کر دی جاتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں لوحِ محفوظ میں ثبت ہوتی ہیں وہیں سے فرشتوں اور انبیاءؑ کے لیے لوحِ محو و اثبات میں آتی ہیں۔

کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ علم دو قسم کے ہیں ایک علم مخزون جو صرف اللہ کے پاس ہے اس نے مخلوق میں سے کسی کو اس پر مُطلع نہیں کیا دوسرا وہ علم ہے جو ملائکہ و انبیاء کو تعلیم کیا ہے جو علم اس کے پاس ہے اس میں جس امر کو چاہے وُہ مقدم کرے یا مؤخر یا محو کرے یا ثابت رکھے۔ ہماری شریعت میں اس کو بداء کہتے ہیں۔ یہودیوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتا تھا کر چکا۔ اس سے تو اس کی مجبوری لازم آتی ہے۔ بلکہ وہ مختارِ کُل ہے جس امر کو جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔

دوسری آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے مسلمانوں سے فتوحات کے جو وعدے کیے ہیں وہ ہم ضرور پُورا کریں گے چاہے رسولؐ کی زندگی میں پُورا کریں یا ان کے مرنے کے بعد۔ کفّار کے قبضہ میں جو زمینیں ہیں ہم ان پر برابر مسلمانوں کو قابض بنا رہے ہیں۔ کفّار جو تدبیریں اسلام کی تباہی کے لیے کر رہے ہیں وہ ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ اللہ کی تدبیریں ان سب پر غالب رہیں گی۔

ایک بار چند یہودی عالم آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے، یہ بتائیے کہ آپؐ کی رسالت کا گواہ کون ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ایک گواہ تو اللہ ہے جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور دوسرا وُہ ہے جس کے پاس پوری کتاب (قرآن) کا علم ہے۔ مفسّرین کا اس میں اختلاف ہے مفسّرین اہلسنت نے لکھا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام یہودی کے متعلق ہے جو یہودی سے مسلمان ہوا تھا اور توریت کا عالم تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت مکّی ہے اور عبداللہ مدینہ میں ایمان لایا تھا۔ اس کے ایمان لانے سے پہلے یہودیوں کے مقابلہ میں اس کو کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہم شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ من عندہٗ علم الکتاب سے مراد حضرت علی علیہ السّلام ہیں۔ وہ نزولِ قرآن کے وقت سے لے کر ہمہ وقت دمِ آخر تک آنحضرتؐ کے ساتھ رہے اور حضورؐ نے اُن کو علمِ قرآن کی تعلیم اس طرح دی جیسے طائر اپنے بچّہ کو بھراتا ہے۔ اصحابِ رسولؐ میں سے کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ بر سرِ منبر یہ کہے سلونی قبل ان تفقدونی۔ جب تک علمِ قرآن پورا سینہ میں نہ ہو کوئی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن ہی کا یہ دعویٰ ہے کہ میرے اندر ہر شے کا بیان ہے بس اس کا جاننے والا ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ جو چاہو مجھ سے پُوچھ لو۔

ثعلبی نے عبداللہ بن عطا سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام کہتے تھے کہ من عندہٗ علم الکتاب سے مراد علیؑ بن ابی طالب ہیں اور اس وجہ سے آپؑ اکثر فرمایا کرتے تھے سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ جن لوگوں کا خیال ہے کہ عبداللہ بن سلام مراد ہے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ سعید بن جُبیر سے جب کہا گیا کہ من عندہٗ علم الکتاب سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں تو انہوں نے کہا، یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ سورہ تو مکّہ میں نازل ہوا اور عبداللہ مدینہ میں سلام لائے۔ ابن منذر نے شعبی سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام کی شان میں تو کوئی آیت نازل ہوئی ہی نہیں۔ (تفسیر دُرِ منثور جلد۴)۔

---

۱۴ سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۱ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝۲ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝۳

الف لام را۔ ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لاؤ (یعنی) باذنِ خدا اُن کے اُس ربّ کے راستہ کی طرف جو غالب اور لائقِ حمد ہے۔ اللہ وہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے کافروں کے لیے جو عذاب سخت مہیا کیا گیا ہے افسوسناک ہے یہ وُہ لوگ ہیں جو آخرت سے زیادہ زندگانیٔ دُنیا کو محبُوب رکھتے ہیں اور لوگوں کو خدا کے راستہ پر چلنے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں۔

اس سورۃ میں یہ ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے۔ کفّار کی شناخت۔ ہر نبی اپنی قوم کی زبان میں ہدایت کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کا حال۔ شکرِ نعمت اور کفران سے عذاب کی زیادتی۔ خدا مغفرت کی طرف بُلاتا ہے۔ ایمانداروں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ کفّار کے اعمال ایسے ہیں جیسے آندھی میں راکھ۔ کلمہ طیّبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال۔ خدا کی نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا۔ مکّہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی سکونت۔ مکّہ کی آبادی۔ قیامت کا ذکر۔

تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لانے کا مطلب یہ ہے کہ جہالت سے نکال کر علم کی روشنی میں لانا یا یہ کہ شرک و کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لانا۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کا کام صرف راہِ ہدایت

دکھانا ہے ایصال الی المطلوب نہیں۔ یعنی جب تک توفیقِ الٰہی شاملِ حال نہ ہو کوئی نبی اس کو ایمان کے راستہ پر نہیں لگا سکتا اور توفیق کی سعادت اُسی کو حاصل ہوگی جو برضا و رغبت اس کو حاصل کرنا چاہے گا۔ دُنیا میں اکثر لوگ ایسے ہی پائے جاتے ہیں جو دُنیا کے عیش میں ایسے مست پڑے ہیں کہ آخرت کا خوف بالکل دل سے نکال دیا ہے۔ ان کے نزدیک آخرت کوئی چیز ہی نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾ ع ۶/۱۳

ہم نے جس رسول کو بھیجا ہے اس کی قوم کی زبان جاننے والا بھیجا ہے تاکہ وہ ان پر احکامِ الٰہی واضح کر دے پس اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات (معجزات) دے کر بھیجا کہ تم اپنی قوم کو کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آؤ اور انہیں خدا کے وہ دن یاد دلاؤ (جن میں خدا کی بڑی قدرتیں ظاہر ہوئیں)۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں تمام صبر و شکر کرنے والوں کے لیے خدا کی بڑی نشانیاں ہیں۔ وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا خدا نے جو احسانات تم پر کیے ہیں اُن کو یاد کرو جب تمہیں فرعون والوں کے ظلم سے نجات دی تھی وہ تم کو بڑے بڑے دکھ دے کر ستاتے تھے تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو (اپنی خدمت کے لیے) زندہ رہنے دیتے تھے۔

اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے صبر کی بڑی سخت آزمائش تھی۔

جس قوم پر جو نبی بھیجا گیا وہ اسی قوم کا ہوتا تھا اور اسی قوم ہی کی زبان میں اُن کو سمجھاتا تھا ورنہ اگر ان کی مادری زبان کے علاوہ اگر کسی اور زبان میں سمجھاتا تو وہ یہ عذر پیش کرتے کہ جب تمہاری بات ہی ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو ہم تمہارا کہنا کیسے قبول کریں۔ جو کتاب نازل ہوتی تھی ضرورت کے پیشِ نظر وہ بھی اُسی قوم کی زبان میں آتی تھی تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ جب لوگ اپنی ہٹ اور ضد پر جمے رہتے ہیں اور انبیاء و مرسلین کی بات پر کان نہیں دھرتے تو خدا ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے وہ جبراً کسی کو خدا پرست بنانا نہیں چاہتا۔ یہ ترجمہ کرنا غلط ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اگر خدا خود ہی گمراہ کرے تو پھر ہادیوں کا بھیجنا فضول اور کتابوں کا نازل کرنا بیکار اور مشرکوں اور نافرمانوں کو سزا دینا ظلم ہی ظلم ہوگا۔ ہدایت کی توفیق بھی وہ اپنی مصلحت کے پیشِ نظر دیتا ہے ایسا نہیں کہ اندھا دھند جسے چاہا صاحبِ عرفان بنا دیا۔ وُہ دیکھتا ہے کہ میلانِ طبع کی کیا صورت ہے۔ اگر ہدایت قبول کرنے کا جذبہ اس کے اندر موجود ہوتا ہے تو ضرور اس کی مدد کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے معجزات دے کر حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ کفر و شرک کی جس تاریکی میں وُہ زندگی گزار رہے تھے اُن کو وہاں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آئیں اور جو زمانے ان پر گزرے ہیں اُن کو یاد دلائیں جناب موسیٰؑ نے اُس ظلم کو یاد دلایا جو فرعون کے ہاتھوں اُن کی قوم پر ہوتا چلا آ رہا تھا۔ یعنی اُن کے لڑکے ذبح کیے جاتے تھے اور لڑکیاں زندہ رکھی جاتی تھیں تاکہ ان سے قبطی قوم مختلف قسم کی خدمتیں لے۔ یہ قوم موسیٰؑ پر سخت عذاب تھا جس سے خدا نے ان کو بچا لیا۔ یہ امتحان درحقیقت ان کی نافرمانیوں کی سزا تھی۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۸﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ؕ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ

وقف عند المتقدمین

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨

جب تمہارے پروردگار نے تمہیں بتا دیا کہ اگر میرا شکر کروگے تو میں تم پر نعمت کی زیادتی کروں گا اور اگر کفرانِ نعمت کروگے تو میرا عذاب سخت ہے۔ موسیٰ نے کہا اگر تم اور وہ سب جو روئے زمین پر بستے ہیں کفر اختیار کرلیں تو اللہ ان سب سے بے نیاز ہے اور سزاوارِ حمد ہے۔ کیا تم تک ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں۔ قومِ نوح۔ عاد و ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے (کیونکہ خبر ہوتی) ان کو تو خدا کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ ان کے پاس ان کے وقت کے پیغمبر معجزے لے کر آئے اور سمجھانے لگے تو ان لوگوں نے پیغمبروں کے ہاتھوں کو اُن کے منہ پر اُلٹا مارا اور کہنے لگے کہ جو حکم تم خدا کی طرف سے لے کر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو ہم اس کے متعلق گہرے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

شکر سے یہ مراد ہے کہ جو نعمتیں ہم نے تم کو دی ہیں اگر اُن کا صحیح استعمال کروگے اور ہماری فرمانبرداری اختیار کروگے تو ہم ان میں اضافہ کریں گے اور کفرانِ نعمت کی صورت میں ان کو روک دیں گے۔

خدا کو تمہاری پرواہ کیا ہے اگر تم اور زمین کے سارے باشندے بھی کفرانِ نعمت کرنے پر اُتر آئیں تو اُتر آئیں خدا کو کیا پرواہ، اُس کی ذات بے نیاز ہے۔ تمہاری شکر گزاری کی اُسے ذرہ برابر احتیاج نہیں تمہارا ہی فائدہ ہے کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں جنہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور ہماری نافرمانی پر کمر باندھی تو ان کا کیا حشر ہوا کیسے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔ قومِ نوحؑ، قومِ عاد و ثمود کے حالات پر نظر ڈالو، ان کے قصے پڑھو۔ قرآن میں ہم نے ان کے حالات بیان کر دیئے ہیں اُن سے سبق حاصل کرو۔

ہم نے ان کی ہدایت کے لیے رسولوں کو بھیجا۔ ان کی صداقت کے لیے ان کو معجزات دیئے۔ مگر انہوں نے ان کی بات کان لگا کر نہ سنی اور ان کی ہدایت کے حصول سے انکار کر دیا۔ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا ہوئے۔ دُنیا میں ان کا نام و نشان تک نہ رہا۔ اگر تم ان کے واقعات سے سبق حاصل نہ کرو تو تم سے زیادہ بے وقوف کون ہے۔ تم اپنی نافرمانی سے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جو مصیبت آئے گی تم پر ہی آئے گی۔

خدا نے کفار و مشرکین کے سمجھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر وہ ایسے چکنے گھڑے بنے کہ کسی بات کا کوئی اثر ہی نہ لیا۔ اس کی کئی وجہیں تھیں:

۱- وہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کرنے میں اپنی بے عزتی سمجھتے تھے۔
۲- رسولوں کو وہ اپنے ہی جیسا آدمی سمجھتے تھے۔ لہٰذا اپنے اوپر ان کی فوقیت تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔

۳- وہ ان کو اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا سمجھتے تھے۔
۴- عذاب سے ڈرانے کو وہ صرف دھمکی سمجھتے تھے۔
۵- گزشتہ قوموں کے عذاب کے قصے بھی جھوٹے جانتے تھے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ⑫

رسولوں نے ان سے کہا کیا تم اُس اللہ کے بارہ میں شک کرتے ہو جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور ایک وقتِ مقرر تک تم کو دُنیا میں (چین سے) رہنے دے۔ انہوں نے جواب میں کہا تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو تم یہ چاہتے ہو کہ جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اُس سے ہمیں روک دو۔ کوئی صریحی معجزہ ہمیں دکھلاؤ۔ رسولوں نے ان سے کہا، یہ ضرور ہے کہ ہم تم ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے - ہم بے اذنِ خدا (تمہاری خواہش کے مطابق) کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے اور ایمان والے تو ضرور اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں ہم اس پر کیوں نہ بھروسہ کریں جبکہ اس نے ہدایت کے راستے ہم پر کھول دیئے ہیں۔ تم جو

اذیّت ہم کو دو گے ہم ضرور اس پر صبر کریں گے اور توکّل کرنے والے اللہ ہی پر توکّل کرتے ہیں۔

مرسلین جب اپنی قوم کو ہدایت کرتے تھے تو سب سے پہلے وہ یہی کہتے تھے کہ جب تم ہم جیسے آدمی ہو تو ہم تمہارا یہ دعویٰ نبوّت کیوں تسلیم کرلیں کہ تم خدا کے فرستادہ ہو۔ ہمارے نزدیک تو تم جھوٹ بولتے ہو اور ہم پر فوقیت جتانے کے لیے ایسا کہہ رہے ہو اگر سچّے ہو تو ظاہر بظاہر کوئی معجزہ دکھاؤ۔ رسول کہتے تھے کہ یہ صحیح ہے کہ ہم تم جیسے بشر ہیں، مگر ہم پر اللہ نے یہ احسان کیا ہے کہ اپنا نبی بنا کر تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ ہمارا اس میں کیا بس ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنا نمائندہ منتخب کر لیتا ہے۔ رہا معجزہ دکھانا تو یہ کوئی کھیل تماشہ تو نہیں کہ جب تم کہو ہم دکھا دیں۔ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے جب اس کی مصلحت ہوگی ہمارے ذریعہ سے دکھا دے گا۔ لوگوں میں کمزوری یہ تھی کہ وہ انبیاء و مرسلین کی ظاہری صورت پر نظر کر کے اپنے جیسا آدمی سمجھتے تھے۔ ان کے ان باطنی کمالات پر اتنی نظر نہ تھی جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو دے رکھے تھے۔ وہ انبیاء کو کبھی تو یہ لالچ دیتے تھے کہ اگر تم ہمارے گروہ میں شامل رہو گے تو ہم تمہارے لیے دولت مہیّا کر دیں گے۔ کبھی دھمکیاں دیتے تھے کہ اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم تم کو بستی سے نکال دیں گے تمہارا بائیکاٹ کر دیں گے ان کے جواب میں وہ کہتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ ہمیں تمہاری کوئی پرواہ نہیں، ہمارا بھروسہ خدا پر ہے اور اسی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے۔ بار بار اللہ پر توکّل کا ذکر کر کے بنی نوع کو یہ ہدایت کی ہے کہ صرف اللہ پر بھروسہ کریں۔ دنیا کے سب بھروسے کمزور ہیں۔ مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ اللہ سے زیادہ لوگوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور پھر اس کے جو خراب نتائج نکلتے ہیں انہیں بھگتتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ
فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ
كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَاۗىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاۗءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

کافر لوگوں نے اپنے رسولوں کو جواب دیا ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے کہ تم ہمارے مذہب کی طرف پلٹ آؤ۔ ان (انبیاء) کے ربّ نے ان کو وحی کی (گھبراؤ نہیں) ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔ اور ان کے بعد ضرور تمہیں ان کی جگہ بستیوں میں بسائیں گے۔ یہ وعدہ محض اس کے لیے ہے جو ہماری بارگاہ میں اعمال کی جوابدہی کے لیے ڈرے اور میرے عذاب سے خوف کھائے۔ اور پیغمبروں نے ہم سے

اپنی فتح کی دعا مانگی (آخر وہ پوری ہوئی) اور ہر سرکش عداوت رکھنے والا ہلاک ہوا (یہ تو دنیا کی سزا تھی) اس کے بعد جہنّم ہے جہاں ان کو پیپ بھرا پانی دیا جائے گا۔

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آؤ) سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اظہارِ نبوّت سے پہلے کافروں میں شامل تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی نبی آنِ واحد کے لیے بھی بحالتِ کفر رہا ہو۔ لوگوں پر یہ دھوکا اس لیے ہوا کہ وہ قبلِ نبوّت اپنی خاموش زندگی بسر کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ اس سے ان کی قوم سمجھتی تھی کہ یہ ہمارے مذہب کو ماننے والے ہیں۔
مروی ہے کہ ولید بن عبدالملک کو جب سلطنت ملی تو اس نے قرآن سے تفاؤل کیا ہدایت نکلی خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ اسے غصّہ آگیا اور قرآن کو پارہ پارہ کر کے کہنے لگا، جا روز قیامت خدا کے سامنے کہہ دینا کہ مجھے ولید نے پھاڑ ڈالا ہے اور دو شعر بھی کہے جو ہم نے مقدمہ میں لکھے ہیں۔ تین دن نہ گزرے تھے کہ لوگوں نے اسے مار دیا۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ
بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ
اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا
كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾
وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

(اور جہنّمی کو ایسا پیپ بھرا پانی دیا جائے گا) جسے وہ بمشکل حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا لیکن نہ اتار سکے گا۔ موت ہر طرف سے اس پر چھائی رہے گی حالانکہ وہ مارے نہ مرے گا اور پھر اس کے پیچھے سخت عذاب ہوگا جو لوگ اپنے ربّ کے منکر ہیں ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن

میں ہوا کا ایک زور کا جھونکا اُڑا لے گیا ہو جو کچھ انہوں نے (دُنیا میں) کیا ہو گا اس میں سے کچھ بھی ان کے کام نہ آئے گا۔ یہی تو پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان و زمین ضرور مصلحت سے پیدا کیے ہیں اگر وہ چاہے تو تم سب کو مٹا کر ایک نئی مخلوق لا بسائے اور یہ اللہ کے لیے کوئی دشوار بات نہیں ہے۔

خدا کی پناہ جہنم کا عذاب ایسا سخت ہو گا کہ اس کے تصور سے ہی رُوح کانپ اُٹھتی ہے۔ ایک جسم ہو گا اور اس پر طرح طرح کے عذاب، پھر یہ بھی نہ ہو گا کہ مر کر اس عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔ یہ بھی نہیں کہ کچھ مدت بعد چھٹکارا مل جائے۔ عذاب ہو گا اور دائمی جہاں بچنے یا کم ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہونا۔ استغفر اللہ۔

جو لوگ خدا کے منکر ہیں اس دُنیا میں جو کچھ وہ کر رہے ہیں اور ان کو نیکیاں سمجھ رہے ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں بنوا کر فخر کر رہے ہیں، قومی اداروں میں کثیر رقم صرف کر رہے ہیں، رفاہِ عامّہ میں دولت لگا رہے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کو کوئی اجر آخرت میں نہیں ملے گا یہ سب راکھ کا ڈھیر اور ریت کا تودہ ہے جسے تیز ہوا اُڑا کر لے جاتی ہے۔ جب وہ خدا کو مانتے ہی نہیں تو آخر یہ کام کس کی خوشنودی کے لیے کر رہے ہیں۔ ان کی نظر نہ آسمانوں پہ جاتی ہے نہ زمین پر، کہ بنانے والے نے کیسی حکمتِ بالغہ سے ان چیزوں کو بنایا ہے۔ یہ کارخانہ بغیر کسی بنانے والے کے تو نہیں بن گیا جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے کیا وہ یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے نافرمان بندوں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسروں کو لا بسائے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع

(اور قیامت کے دن) سب لوگ خدا کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے تو جو لوگ دُنیا میں کمزور تھے بڑے لوگوں سے کہیں گے ہم تو تمہارے پیرو تھے تو آج تم ہمیں خدا کے عذاب سے بچانے میں کچھ بھی مدد دے سکتے ہو۔ وہ کہیں گے اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھاتے۔ اب تو یکساں ہے خواہ ہم جھنجھیں چلائیں یا صبر کریں اب تو ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

یہ ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو دُنیا میں صاحبانِ اقتدار کے پیچھے چل رہے ہیں اور انہی کو اپنی زندگی کا سہارا سمجھے بیٹھے ہیں وہ سمجھ لیں کہ آج وہ تمہارے نزدیک جو کچھ ہوں لیکن کل تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے ان سے جو تمہاری عقیدت وابستہ ہے وہ کچھ بھی کام نہ آئے گی۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

جب لوگوں کا فیصلہ ہو چکے گا اور لوگ شیطان کو الزام دیں گے تو شیطان کہے گا کہ معاملہ ختم ہو گیا۔ خدا نے جو تم سے سچا وعدہ کیا تھا وہ پُورا ہو گیا اور میں نے جو وعدہ کیا تھا اس کے متعلق میں نے وعدہ خلافی کی میری تم پر کچھ حکومت تو تھی نہیں۔ میں نے تمہیں بُرے کاموں کی طرف بُلایا تھا۔ تم نے میرا کہنا مان لیا پس اب تم مجھے ملامت مت کرو بلکہ اپنے نفسوں کو بُرا بھلا کہو۔ اب نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو میں تو اس سے پہلے ہی بیزار ہوں کہ تم نے مجھے خدا کا شریک بنایا بے شک جو لوگ نافرمان ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان والے اور عملِ صالح کرنے والے تھے وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ اُن میں رہیں گے ان کا تحفہ سلام ہو گا۔

شیطان کا معاملہ بھی عجیب ہے وُہ کسی کے سامنے آکر تو بہکاتا نہیں نہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر کوئی بُرا کام کراتا ہے بلکہ

چپکے سے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے اور وہی وسوسہ تمام عقاید و اعمال کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ کسی کے اصول کی جڑ کاٹتا ہے کسی کے فروع کی۔ کسی کو شرک کا دلدادہ بناتا ہے کسی کو الحاد کا۔ انہی وسوسوں میں وہ جھوٹے وعدے بھی شامل ہوتے ہیں جن کے سہارے بے وقوف لوگ اپنی آخرت تباہ کر لیتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ اپنے پرستاروں سے الگ ہو کر کہے گا، میں نے تمہاری گردن دبا کر تو کوئی کام کرایا نہ تھا تمہاری عقل پر چھاپہ ضرور مارا تو تم ایسے احمق کیوں بنے کہ میرے بہکانے میں آگئے۔ اب تم جانو تمہارا کام جانے۔ مجھے ملامت کیوں کرتے ہو، اپنے نفسوں کو کیوں نہیں کرتے کہ وہ خدا کے وعدوں کو بھول کر میرے وعدوں پر ہو بیٹھے تھے۔ بے شک خدا کے وعدے سچے تھے میرے سب وعدے جھوٹے تھے میں تو تمہارا کھلا دشمن تھا۔ تمہاری آخرت برباد کرنے کی دھن میں ہمیشہ لگا رہا۔ چنانچہ مجھے اپنی کوششوں میں خاصی کامیابی ہوگئی۔ میں نے بہت سے خداؤں کے سامنے تم سے سجدے کرا دیئے۔ اب کیا روتے پیٹتے ہو۔ جو عذاب خدا نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے اُسے جھیلو۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۛ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ع

اے رسول کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے اچھی بات (کلمۂ توحید) کی کیسی اچھی مثال بیان کی ہے کہ اچھی بات ایک پاکیزہ درخت ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمہ وقت پھلا پھولا رہتا ہے اور خدا لوگوں کے لیے ایسی مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں اور گندی بات شرک (کی) مثال ایک گندے درخت کی ہے جس کی جڑ

کلمۂ طیبہ کی مثال

اتنی کمزور ہے کہ) زمین کے اوپر ہی سے اُکھاڑ پھینکا جائے کیونکہ اس کو کچھ ٹھہراؤ تو ہے نہیں۔ جو لوگ پکی بات (کلمۂ توحید) پر صدق دل سے ایمان لا چکے ان کو خدا دُنیا میں بھی ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں بھی (انہیں سوال اور جواب میں کوئی دقت نہ ہوگی) اور سرکشوں کو خدا گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

کلمۂ توحید یعنی خدائے وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کا اقرار کرنا۔ کائنات کے تمام نظام کی صلاحیت کا اقرار کرنا ہے کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے ایک ہی ذات کے تدبّر و تصرّف سے ہوتا ہے۔ مومن کو لازم ہے کہ اس کا اقرار کرے کیونکہ اس سے اس کل نظامِ حیات وابستہ ہے۔ دو خدا ماننے کی صورت میں اس کے عقاید صحیحہ کا تار پود بکھر جاتا ہے زمین سے آسمان تک جو نظام چل رہا ہے وہ ایک ہی ذات کے امر کے تحت چل رہا ہے اور ہر زمانہ میں یہی نظام باقی رہے گا۔ شرک کا کلمہ ایک ایسے درخت کی مانند ہے جس کی جڑ کو ثبات و قرار نہیں۔ ہلکے سے جھٹکے میں زمین سے اکھڑ سکتا ہے یعنی شرک کے متعلق جو دلائل ہیں وہ سب ناکارہ ہیں۔ شرک کو نظامِ عالم میں کوئی دخل نہیں۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۱/۲۲) اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو دونو تباہ ہو کر رہ جاتے۔

کلمۂ توحید کی عظمت اور شرک کی ذلت، فتح مکّہ کے روز لوگوں کے سامنے آگئی۔ جب حضرت رسولؐ خدا خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا چاروں طرف طاقوں میں بُت رکھے ہوئے ہیں۔ آپؐ اور حضرت علیؑ نے ان سب کو چھڑی مار مار کر گرا دیا۔ ایک سب سے بڑا وزنی بُت جو چھت پر تھا باقی رہ گیا۔ حضرت علیؑ سے آپؐ نے فرمایا تم میرے شانوں پر سوار ہو کر اوپر جاؤ اور اس بُت کو بھی اکھاڑ پھینکو۔ جب حضرت علیؑ شانۂ رسولؐ پر سوار ہوئے، تو آنحضرتؐ نے پوچھا اے علی اپنے کو کہاں پاتے ہو۔ عرض کی، اتنی بلندی پر کہ اگر چاہوں تو آسمان کو اپنے ہاتھ سے چھو لوں۔ پس نبوت جو اصل اس شجرۂ طیبہ کی تھی زمین پر قائم تھی اور اس کی شاخِ امامت آسمان تک پہنچی ہوئی تھی اور ہر زمانہ میں یہ شاخ پھولتی رہے گی لوگ اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ شجرۂ خبیثہ وہ نسلِ بنی امیہ ہے جس کو کوئی مضبوطی قدرت کی طرف سے حاصل نہیں۔ خود بخود کا بڑھا جھلس گیا۔

مثال دی جاتی ہے اس چیز سے جس کا وجود دُنیا میں پایا جائے۔ کلمۂ طیبہ کی جو مثال خدا نے دی ہے ایسا درخت کسی خطۂ زمین پر نہیں پایا جاتا۔ پس مثال بیکار ہو جائے گی اگر اس درختِ قدسی کو نہ مانیں جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا۔ خدا نے اس درخت کی صورت اپنے ہی گھر میں دکھا دی۔

شجرۂ طیبہ محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ اس کی ایک شاخ ہر زمانہ میں موجود رہے گی اور اس کے پھل یعنی علمی افادات سے قیامت تک فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔ مفسرین نے اس فضیلتِ اہلبیتؑ کو مٹانے کی بہت کوشش کی اور اعمالِ صالحہ سے تعبیر کیا لیکن بات بنائے نہیں بنی۔ جو خصوصیات قدرت نے اس درخت میں ودیعت فرمائی ہیں وہ کسی

درخت میں نہیں پائی جاتیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے، لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور علی ایک درخت سے ہیں۔ اور وہ یہی درختِ قدسی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾

اے رسول کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا جہنم میں کہ وہاں آگ میں جلیں اور وہ کیسا بُرا ٹھکانہ ہے انہوں نے اللہ کے شریک بنا ڈالے تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے بہکا دیں۔ اے رسول ان سے کہہ دو کہ چند روز چین کر لو پھر تو تمہیں دوزخ میں جانا ہی ہے۔ اے رسول میرے ان بندوں سے کہہ دو جو ایمان لائے ہیں کہ پابندی سے نماز پڑھا کریں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اُسے ظاہر بظاہر اور چھپا کر دیا کریں اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت کام دے گی نہ دوستی۔ اللہ وُہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا اور اس سے (درخت اُگا کر)

پھل پیدا کیے جو تمہارا رزق ہیں اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کر دیا کہ حکم خدا سے دریاؤں میں چلیں۔ اور تمہارے لیے نہروں کو مسخر کر دیا۔

جو لوگ کفرانِ نعمت کرتے ہیں وہ سب جہنمی ہیں بتوں کو خدا کا شریک بنا کر لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ ان لوگوں کو چند روز دُنیا میں عیش کرنے کے بعد جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ وہ کافروں کا طرزِ زندگی اختیار نہ کریں۔ نماز پڑھیں، راہِ خدا میں دیں اور اس دن سے ڈریں جس میں نہ لین دین کام دے گا نہ کسی کی دوستی کام آئے گی۔ جس خدا کو لوگ نہیں مانتے وہ وہی تو ہے جو ان کے لیے پانی برساتا ہے جس سے درخت اُگتے ہیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یہ منکر کیا کھا کر زندہ رہتے۔ اُس نے کشتیوں کو تمہارا تابعدار بنا دیا کہ تم انہیں سمندروں میں دریاؤں میں جدھر چاہو لے جاؤ۔ ساری زمین کی سیر کرو۔ تجارتی مال ان میں بھر کر لے جاؤ۔ ہر طرف اُس نے نہریں بہا دیں کہ ان کے پانی سے اپنے کھیت سینچو۔ اس پر بھی لوگ اس کا احسان نہیں مانتے اور اس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے۔ پھر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕـبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

اور اس نے تمہارے لیے سُورج اور چاند کو تابعدار بنا دیا ہے جو ہمیشہ پھیری لگایا کرتے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو تابعدار بنایا اور تم نے اپنی ضرورت کے لیے جو کچھ ہم سے مانگا وُہ دیا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہیں شمار کر سکتے۔ بے شک انسان بڑا نا انصاف اور ناشکرا ہے

وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے رب سے دعا کی اے میرے پالنے والے اس شہر (مکّہ) کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچائے رکھنا کہ بُت پرستی کرنے لگیں۔ اے میرے پالنے والے ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ بنا چھوڑا ہے پس جو کوئی میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہے اور جو نافرمانی کرے گا تو تُو بخشنے والا مہربان ہے۔

سورج اور چاند کے مسخّر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کے فائدے کے لیے ہر روز آتے جاتے ہیں گویا آپ کے تابعدار ہیں۔ اسی طرح رات اور دن گردش کرتے رہتے ہیں تاکہ دن میں آپ کام کاج کریں اور رات کو آرام سے سو رہیں۔ غور کرو یہ خدا کے کتنے بڑے احسان ہیں۔ اگر یہ عمل برابر نہ ہوتا ہے تو پھر ہم زندہ ہی نہیں رہ سکتے۔ پھر ہم جو کچھ خلوصِ قلب کے ساتھ اس سے مانگتے ہیں اور اپنی ضرورتیں اس کے سامنے پیش کرتے ہیں تو وہ ان سب کو پورا بھی کرتا ہے اللہ کی اس کثرت سے نعمتیں ہمارے ارد گرد بکھری ہوئی ہیں کہ ہم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ ایک ایک نعمت میں کئی کئی نعمتیں ملی ہوئی ہیں۔ ایک پھل کو لو اس کا رس بھی نعمت ہے اس کا گودا اور چھلکا بھی نعمت ہے کیونکہ بطور دوا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا بیج بھی نعمت ہے۔ پھر تازہ کھاؤ تو ایک نعمت، پکا کر کھاؤ تو ایک نعمت۔ ہر حالت میں ایک علیحدہ اثر ہے علیحدہ ذائقہ ہے۔ ایسی حالت میں کس کی طاقت ہے کہ اس کی نعمتوں کو شمار کر سکے اور ان کا شکر ادا کر سکے۔ ایک سانس ہی کو لو جو اندر جاتا ہے وُہ بھی زندگی کے لیے نعمت جو باہر آتا ہے وہ بھی ممدِّ حیات۔ اب اگر ہم صرف ایک نعمت کا یوں شکر ادا کریں کہ جب سانس نکلے تو کہیں الحمد للہ اور جب اندر جائے تو کہیں شکراً للہ۔ تو ہماری ساری زندگی تو اس ایک نعمت کے شکر کی کوشش میں ختم ہو جائے گی، باقی نعمتوں کا شکر ہم کس وقت ادا کر سکیں گے۔ انسان کتنا ناشکرا ہے کہ وُہ اپنی توجّہ ان باتوں پر لگاتا ہی نہیں۔ خدا کی نعمتیں کھائے چلا جاتا ہے مگر اُسے شکر لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصّہ شروع ہوتا ہے انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت پہلی دُعا تو یہ کی کہ اس شہر کو جائے امن قرار دے چنانچہ اب تک مکّہ حرمِ خدا ہے۔ وہاں لڑائی جھگڑا کرنا کسی کو ستانا یا قتل کرنا ممنوع ہے۔ دوسری دعا یہ تھی کہ مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے بچائے رکھنا۔ چونکہ خدا نے امامت کے ملنے میں یہ شرط لگا دی تھی کہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (۲/۱۲۴ بقرہ) شرک سب سے بڑا ظلم ہے لہذا حضرت ابراہیم اپنی اولاد کے لیے دُعا مانگ رہے ہیں کہ انہیں بُت پرستی سے بچائے رکھنا۔

پھر فرمایا، ان بتوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا ہے۔ یہ مجازی نسبت ہے یعنی چونکہ یہ بُت ہی گمراہی کا باعث ہوئے ہیں لہٰذا ان کی عبادت سے بچائے رکھنا۔ پھر فرمایا جو کوئی میری پیروی کرے گا یعنی ملتِ ابراہیمی پر قائم رہے گا وہ تو مجھ سے ہو گا یعنی میرے گروہ میں سے ہو گا اور جو نافرمانی کرے گا یعنی ملتِ ابراہیمی سے خارج ہو جائے گا تو اے میرے رب تجھے اختیار ہے ان کی خطائیں بخش یا نہ بخش لیکن یہ میں جانتا ہوں کہ تُو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں تو کافر و مؤمن سب ہی ہوئے پس خدا نے یہ دُعا ان ہی لوگوں کے حق میں قبول کی جو صاحبِ ایمان تھے اور جو ملّتِ ابراہیمی پر قائم رہے۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

ابراہیم نے کہا اے ہمارے پالنے والے میں نے تیرے معزّز گھر کے پاس ایک بے کھیتی والے بیابان میں (مکّہ میں) اپنی کچھ اولاد کو لا کر بسایا ہے۔ اے ہمارے پالنے والے تیری نماز یہاں پڑھا کریں تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر (تاکہ وہ یہاں آکر آباد ہوں) اور انہیں طرح طرح کے پھلوں کی روزی عطا کر تاکہ یہ تیرا شکر کریں۔ اے ہمارے پالنے والے جو کچھ ہم چھُپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تُو سب سے واقف ہے خدا پر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ اس خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحاق (دو بیٹے) عطا کیے۔ بے شک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔ اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بھی نماز کا پابند بنائے رکھنا۔ اے میرے رب میری دُعا کو قبول فرما لے۔ اے ہمارے پالنے والے جس روز اعمال کا حساب ہو مجھے اور میرے ماں باپ اور مؤمنین کو بخش دینا۔

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ یہ ہے کہ مُلکِ شام میں رہتے تھے ان کی دو بیبیاں تھیں۔ حضرت سارہؑ اور حضرت ہاجرہؑ۔ سارہ بانجھ تھیں ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ہاجرہؑ سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے۔ سوتیا ڈاہ تو مشہور ہے۔ بی بی سارہ کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ رات دن لڑائی جھگڑے ہونے لگے۔ حضرت ابراہیمؑ نے سارہ کو بہت کچھ سمجھایا جب بات کسی طرح نہ بنی تو حضرت ابراہیمؑ بحکمِ خدا ہاجرہ کو لے کر میدانِ مکّہ میں آئے۔ اس زمانہ میں یہاں پہاڑوں اور ریگستان کے سوا کیا تھا ہر طرف خاک اُڑ رہی تھی۔ بے آب و گیاہ چٹیل میدان۔ جب چلے تھے تو بی بی سارہ نے وعدہ لیا تھا کہ وہاں ٹھہرنا نہیں۔ ہاجرہ اور ان کے بچّے کو چھوڑ کر چلے آنا۔ چنانچہ وہ دونوں کو چھوڑ کر چلے گئے بی بی ہاجرہ نے ایک درخت پر چادر تان کر اپنے بچّہ کو اس کے سایہ میں لٹا دیا۔ جو پانی ساتھ تھا جب وہ ختم ہوگیا اور حضرت اسمٰعیلؑ کو پیاس لگی تو سخت پریشان ہوئیں کہ پانی کہاں سے لائیں۔ صفا و مروہ دو پہاڑیوں کے درمیان کئی بار دوڑیں مگر وہاں پانی ہوتا تو ملتا۔ یہاں حضرت اسمٰعیلؑ پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ وہیں ایک چشمہ زن زن کرتا ہوا پھوٹ نکلا جسے آبِ زمزم کہتے ہیں۔ غرض جب یہاں پانی نکلا تو چرند پرند جمع ہونے لگے۔ پرندوں کو وہاں اُڑتا دیکھ کر خانہ بدوشوں کا ایک قبیلہ جُرہم وہاں آگیا۔ دیکھا کہ ایک اکیلی بی بی مع اپنے بچّہ کے خاک پر بیٹھی ہے انہوں نے ان سے حالات معلوم کیے اور وہاں بسنے کے لیے اجازت چاہی۔ ہاجرہؑ نے اجازت دے دی۔ غرض اس طرح وہ ویرانہ آباد ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ گاہے گاہے ان کی خیر خبر لینے کے لیے آتے جاتے رہے۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے بحکم رب العالمین وہاں خانہ کعبہ اسمٰعیلؑ کی مدد سے بنانا شروع کیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں خدا نے حضرت آدمؑ کے لیے ایک قُبّہ نازل کیا تھا جو طوفانِ نوحؑ میں اُٹھا لیا گیا تھا۔ اسی لیے خانہ کعبہ کو بیتِ عتیق یعنی پُرانا گھر کہتے ہیں۔ جب حضرت ابراہیمؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے تو بارگاہِ باری میں کچھ دعائیں کر رہے تھے جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔

اور خدا کے اس احسان کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس نے بڑھاپے میں ان کو اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ جیسے فرزند عطا کیے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کا سن ننانوے سال کا تھا تب حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تھے اور جب ایک سو بارہ برس کا سن ہوا تو حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے یعنی حضرت اسحاقؑ حضرت اسمٰعیلؑ سے تیرہ برس چھوٹے تھے۔

خدا کی شان دیکھو اس وادیٔ بے آب و گیاہ میں اپنا گھر بنوا کر حج کا حکم دے کر کس طرح لوگوں کو اس گھر کی طرف بُلایا۔ پہلے تو صرف عرب کے لوگ ہی حج کے لیے آتے تھے اور اب تو تمام روئے زمین سے اہلِ ایمان کھچے چلے آتے ہیں اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے احکام بجا لاتے ہیں۔

ثمرات کا رزق دینے سے مراد بظاہر تو یہی ہے کہ اس غیر آباد خطّہ کے رہنے والوں کو ہر طرح کی پھل پھلاری مہیا کرنا۔ لیکن بباطن اس کے معنی کچھ اور ہیں۔ یعنی جو اس بیت کے اہلِ بیت ہیں ان کو صاحبِ اولاد بنانا تاکہ یہ گھر ہمیشہ آباد رہے اور خانہ خالی را دیو میگیرد کا مصداق نہ ہو۔ چنانچہ اہلبیتِ رسولؐ جو اس گھر کے حقیقی وارث و مالک ہیں ان کی نسل کا سلسلہ قیامت تک دُنیا میں باقی رہے گا۔ پس ثمرات سے مراد ثمرات الفواد یعنی اولاد ہے۔ انہی کی محبت خدا نے

مسلمانوں کے لیے اجرِ رسالت قرار دی ہے اور بجائے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کرنے کے ان کی محبت کو واجب کیا ہے۔ خانہ کعبہ میں حضرت علیؑ کا پیدا ہونا اور آخری زمانہ میں حضرت حُجّتؑ کا خانہ کعبہ سے ظہور کرنا اس کا ثبوت ہے کہ خانہ کعبہ کے وارث و مالک اہلبیتؑ رسولؐ ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ؕ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ۙ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

اور جو کچھ یہ ظالم کیا کرتے ہیں اللہ کو اس سے بے خبر نہ سمجھنا (ان پر فوراً عذاب کرنے کی) صرف یہ وجہ ہے کہ اس دن تک کی مہلت دیتا ہے جس دن لوگوں کی آنکھوں کے ڈھیلے (موت سے) پتھرا جائیں گے اور اپنے اپنے سر اُٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں ان کی نگاہیں اوپر کو اُٹھی ہوئی ہیں اور دل اُڑے ہوئے ہونگے۔ اے رسول لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس دن ان پر عذاب نازل ہوگا ظالم لوگ عرض کریں گے اے ہمارے پالنے والے ہم کو تھوڑی سی مہلت اور دے دے ضرور ہم تیرے بُلانے کا جواب دیں گے اور سب رسولوں کی پیروی کریں گے (تو ان کو جواب ملے گا) کیا تم وہی لوگ نہیں جنہوں نے

(نافرمانی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا، انہی کے گھروں میں تم بھی رہے حالانکہ تم پر یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا تھا اور ہم نے تمہارے سمجھانے کے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں اور وہ لوگ اپنی چالیں چلتے رہے حالانکہ ان سب کی چالیں اللہ کی نظر میں تھیں اگرچہ ان کی مکاریاں اس غضب کی تھیں کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔

خدا اپنے نافرمان بندوں کو بتا رہا ہے کہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں کیا ان کا حال تمہیں معلوم نہیں جو کچھ ان کا حشر ہوا تمہارے علم میں ہے بس اسی طرح تم بھی ایک دن عذاب کا مزہ چکھو گے۔ قیامت کے دن کو یاد کرو جب تمہاری آنکھیں پتھرا جائیں گی، ایک دوسرے کو کیا اپنے وجود کو نہ دیکھ سکو گے تم اس روز چاہے کتنا ہی گڑگڑاؤ گے اور دنیا میں پلٹ جانے اور عملِ خیر کرنے کے لیے مہلت مانگو گے مگر تمہارے کہنے پر کوئی توجہ نہ ہو گی۔

جس بُری چال کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ تھی، جب حضرت ابراہیمؑ نمرود کی آگ سے محفوظ رہے تو اسے بہت غصہ آیا اور کہنے لگا اب میں آسمان پر چڑھ کر ابراہیمؑ کے خدا سے لڑوں گا۔ ہر چند لوگوں نے سمجھایا مگر وہ دشمنِ عقل کیا مانتا۔ اس نے ایک بڑا اونچا مینار بنوایا لیکن جب اس پر چڑھا تو اُسے آسمان اُتنا ہی اونچا نظر آیا جتنا پہلے تھا، اُتر آیا۔ دوسرے ہی دن وہ محل گر پڑا اور بہت سے لوگ اس کے نیچے دب کے مر گئے۔ اس شیطان نے ایک اور پٹی پڑھائی۔ کہنے لگا، ابراہیمؑ کے خدا نے میرا محل گرایا ہے، اب تو میں بھی اس سے بغیر جنگ کیے نہیں رہ سکتا۔ اُس نے چار گِدھ پالے اور ایک صندوق کے چاروں طرف انہیں باندھ کر اس صندوق میں خود ہو بیٹھا۔ اور اوپر کے حصہ میں گوشت باندھ دیا تاکہ اس کے لالچ میں گِدھ اُوپر کو اڑیں۔ ایک شب و روز اڑنے کے بعد دیکھا تو آسمان پھر اتنا ہی اونچا نظر آیا۔ تب نمرود خائف ہوا اور گوشت کا ٹکڑا نیچے لٹکایا جس سے گدھوں نے نیچے کا رُخ کیا اور وہ صندوق سے اُتر پڑا۔

غور کیجئے کسی وقت دنیا میں کیسے کیسے احمق بستے تھے۔ اوّل تو خدائی کا دعویٰ کرنا پھر خدا سے جنگ کرنے کا منصوبہ باندھنا۔ ایک دو نہیں دُنیا میں کئی بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا اور ذلیل بھی ہوئے اور ہلاک بھی۔ اب تو خدائی کا دعویٰ کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ خدائی کو چھوڑ کر پھر لوگوں نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا یہ سلسلہ تو اب تک چل رہا ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ غرضکہ ایسے جھوٹے دعوے ہوتے ہی رہے لیکن سچے اور جھوٹے مونی برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ پہچاننے والے پہچان ہی گئے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾
يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾
وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ
قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا
كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ
وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

تم یہ خیال بھی نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا بے شک اللہ غالب ہے اور انتقام لینے والا ہے (مگر یہ انتقام کب لے گا) جب یہ زمین بدل کر دوسری کر دی جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور قہار خدا کے سامنے اپنی اپنی جگہ سے نکل کھڑے ہوں گے اس دن گنہگاروں کو دیکھو گے زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوں گے ان کے لباس قطران (کولتار) کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں کو ہر طرف سے ڈھانکے ہو گی تاکہ خدا ہر کسی کو اُس کے کیے کا بدلہ دے بے شک خدا بہت جلد حساب لینے والا ہے یہ قرآن لوگوں کے لیے ایک قسم کی اطلاع ہے تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعہ عذابِ خدا سے ڈرایا جائے اور یہ یقین جان لیں کہ بس وہی ایک معبود ہے اور اس لیے کہ جو لوگ عقل والے ہیں وہ عبرت حاصل کریں۔

زمین و آسمان بدل کر کیا ہو جائیں گے اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

⑮ سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ ㊴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الف۔ لام۔ را۔ یہ کتاب اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں۔

◎

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑦ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ⑧ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨

ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ جو لوگ کافر ہیں وہ دل سے چاہیں گے کہ ہم بھی مسلمان ہوتے۔ اے رسول انہیں چھوڑ دو کھائیں پئیں اور چند روز مزے اڑا لیں اُن کی تمنائیں انہیں کھیل تماشے میں لگائے رہیں عنقریب اس کا نتیجہ انہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہم نے کوئی بستی تباہ نہیں کی مگر یہ کہ اس کی تباہی کے لیے پہلے ہی سے میعاد مقرر ہو چکی تھی۔ کوئی قوم اپنی موت کے وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ (کفارِ مکہ) تم سے کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر وحی و کتاب نازل ہوئی ہے تُو تو دیوانہ ہے۔ اگر سچا ہے تو فرشتوں کو ہمارے سامنے کیوں نہیں لا کھڑا کرتا۔ ہم تو فرشتوں کو صرف عذاب کے ساتھ فیصلہ ہی کے لیے بھیجا کرتے ہیں (اور جب فرشتے نازل ہو جائیں تو) پھر ان کو جان بچانے کی مہلت نہیں ملتی۔ ہم ہی نے تو قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

- اس سورہ میں حسب ذیل باتیں ہیں:
قرآن کی حقیقت۔ موت کا وقت معین ہے۔ آدمؑ کا قصہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے مہمان۔ قوم لوط کا قصہ
قوم شعیب کا قصہ۔ قوم صالح کا قصہ۔ مؤمنین کے لیے خدا کافی ہے۔
کفارِ مکہ حضرتؐ کے ستانے سے باز نہیں آتے تھے اور عیش و آرام کی زندگی جو انہیں نصیب تھی اس کی وجہ سے اپنے انجام کو بھولے ہوئے تھے اور آرزوؤں کے جھولے میں جھولتے تھے۔ انہیں اپنے مرنے کا خیال ہی نہ تھا۔ انہیں

معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ہر قوم کے لیے جو موت کا وقت مقرر ہے وہ ایک منٹ نہ آگے ہوگا نہ پیچھے۔ کفارِ مکہ آنحضرتؐ سے کہا کرتے تھے کہ آپ تو خواہ مخواہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر کسی کو یقین نہیں آتا۔ اگر واقعی آپؐ خدا کے فرستادہ ہیں اور خدائی پیغام لے کر آئے ہیں تو پھر کسی فرشتہ کو ہمارے سامنے لاکر کیوں نہیں کھڑا کرتے تاکہ ہم کو آپؐ کی صداقت پر یقین ہو جائے۔ یہ ان کی احمقانہ باتیں ہیں جو ایسی فرمائش کرتے ہیں اگر ہم اُن کی فرمائش پُوری کریں تو ایک کھیل بن جائے آج ایک کہے فرشتہ کو بُلائیے کل دُوسرا کہے فرشتہ کو بُلائیے۔ اگر فرشتہ آدمی کے لباس میں آئے گا تو کہیں گے اس کی تصدیق کون کرے گا کہ یہ فرشتہ ہے اور اگر فرشتوں کے لباس میں آئے گا تو خوفزدہ ہو کر مر جائیں گے۔ غرض ان کی یہ خواہش نامعقول ہے ہم فرشتوں کو بھیجا کرتے ہیں مگر عذاب نازل کرنے کے لیے جیسا کہ ان سے پچھلی قوموں پر گزر چکا۔ جب فرشتے عذاب لے کر نازل ہو جاتے ہیں تو پھر اس قوم کو دم بھر کی مہلت نہیں ملتی۔

ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس قرآن کو ہم نے ہی اپنے رسولؐ پر نازل کیا ہے اور ہم اس کو قیامت تک باقی رکھیں گے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِىْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ ع

(اے رسول) ہم تم سے پہلے بھی پہلی اُمتوں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ لیکن جب ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ اس طرح (گویا ہم خود) ان مجرموں کے دلوں میں گمراہی ڈال دیتے ہیں۔ یہ کفار قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے (یہ کوئی نئی بات نہیں) ان سے پہلے لوگوں کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔ اگر ہم ان پر آسمانوں کے دروازے کھول بھی دیں اور یہ آسمان پر چڑھ بھی جائیں تب بھی یہی کہیں گے ہماری آنکھوں پر نظر بندی کا عمل کیا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔

کفارِ مکہ جو طنزیہ باتیں کرتے اور آنحضرتؐ کا مذاق اُڑاتے تھے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو تسکین دے رہا ہے کہ کفار کی یہ باتیں کچھ نئی نہیں۔ پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہی ہُوا کرتا تھا۔

نَسْلُكُهٗ فِىْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ کا مطلب یہ ہے کہ اس ذکر کو سُن کر ایمان والوں کے دل تو ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، انہیں راحت نصیب ہوتی ہے اور کفار کے دلوں میں آگ لگ جاتی ہے گویا ہم نے گرم سلاخ ان کے دلوں میں ٹھونس دی ہے۔

آنحضرتؐ سے تسکینِ قلب کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ کفار کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔ اگر تم ان کو اپنی معجز نمائی سے آسمان پر بھی چڑھا دو گے تب بھی یہی کہیں گے کہ آپؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے پس ان کے ایمان نہ لانے پر تم کیوں غم کرتے ہو۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو ہم نمٹ لیں گے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ⑰ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ⑱ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ⑳ وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ㉑ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ㉒

ہم نے آسمان پر کچھ بُرج بنائے ہیں اور ان کو ناظرین کے لیے زینت دی ہے اور ہر شیطان رجیم سے اس کی حفاظت کی ہے اگر کوئی بات چُرا کر لے اُڑتے ہیں تو ان کا پیچھا شہابِ ثاقب کرتے ہیں زمین کو ہم نے پھیلایا ہے اور میخوں کی طرح پہاڑوں کو اس پر گاڑ دیا ہے اور ہم نے اس پر ہر قسم کی مناسب

چیز اُگائی ہے اور اس میں تمہارے لیے زندگی کے سامان بنا دیئے ہیں۔ اور اُن جانوروں کے لیے بھی جنہیں تم روزی نہیں دیتے اور ہمارے یہاں تو ہر چیز کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم ان میں سے ایک جنچی تُلی مقدار بھیجتے رہتے ہیں اور ہم نے ہوائیں بھیجیں جو پانی سے بھری ہوتی ہیں پھر ہم ہی نے آسمان سے پانی برسایا اور ہم ہی نے تم کو وُہ پانی پلایا اور تم لوگوں نے تو کچھ اس کو جمع کر کے نہیں رکھا تھا۔

ان آیات میں کئی باتیں قابلِ غور ہیں :

۱۔ بروج سے کیا مراد ہے؟ آسمان پر ستارے ہم کو کِھلے ہُوئے پھُولوں کی طرح بکثرت نظر آتے ہیں — ان میں چند مقامات پر کچھ ستاروں کا جھمگٹا نظر آتا ہے۔ یہ مجموعہ مختلف ہیئت کا ہے۔ ایسے مجموعے تعداد میں بارہ ہیں — انگریزی میں ان کو کانسٹی لیشن آف سٹار (Constellation of Stars) کہتے ہیں۔ اگر ان کے درمیان لکیریں کھینچ دی جائیں تو کوئی مجموعہ ترازو کی صورت میں نظر آئے گا، کوئی بچھّو کی صورت میں، کوئی شیر کی اور بیل کی صورت میں، کوئی گیہوں کی بالی کی صورت میں وغیرہ۔ انہی کا نام بُرج رکھ لیا ہے۔

"بُک آف نالج" کتاب میں ہے کہ بُرجوں کے نام یونان کے چرواہوں کے رکھے ہوئے ہیں۔ رات کو جب وہ مویشی چرانے چراگاہوں میں جاتے تھے تو اُس وقت گھڑی گھنٹہ تو تھا نہیں اپنی ڈیوٹی بدلنے کے لیے یہ طے کر لیتے تھے کہ جب فلاں مجموعہ فلاں مقام پر ہو تو تم آجانا۔ بُرجوں کے نام بتاتے ہیں کہ یہ جاہل چرواہوں کے ہی رکھے ہوئے ہیں مثلاً ثور (بیل) حمل (مینڈھا) حوت (مچھلی) میزان (ترازو) قوس (کمان) عقرب (بچھو) وغیرہ۔ یہ نام ابھی تک بدستور باقی ہیں۔

یہ سب علمِ ہیئت والوں کی باتیں ہیں۔ ستاروں سے جو لوگ عوام الناس کو بہکانے کے لیے قسمتوں کے فیصلے کرنے بیٹھ جاتے ہیں وُہ غلطی پر ہیں۔ ان ستاروں سے سمتوں کا حال معلُوم کیا جاتا ہے جو فنِ جہازرانی کے لیے ایک بڑی اہم چیز ہے۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ منجموں کے اقوال پر عمل نہ کرو وہ ازرُوئے قیاسات کوئی رائے قائم کر کے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالتے ہیں۔ قضا و قدر کے معاملات میں نجومیوں اور کاہنوں کی رائے کا کوئی دخل نہیں۔ دُنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو نجومیوں کے بیان کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر اپنی زندگی کے معاملات میں یکسُو ہو جاتے ہیں۔

جس طرح قدرت نے زمین پر کہیں پہاڑ، کہیں دریا، کہیں ریگستان، کہیں جنگل، کہیں آبادی وغیرہ مقامات قائم کر دیئے ہیں جن میں لوگ آتے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر سیارہ اپنی منزل میں ان ستاروں کے مجموعوں کی طرف سے مختلف اوقات میں گزرتا ہے۔ اُس کے زاویوں کے لحاظ سے ان کی شعاعوں میں اثرات پیدا ہوتے ہیں اور زمین سے ان کا قرب و بعد سمجھا جاتا ہے۔

رات کو ہم ان مجموعوں میں سے بعض کو بعض حصۂ آسمان میں دیکھتے ہیں۔ چاند کبھی کسی مجمُوعہ کے قریب ہوتا

ہے کبھی دُور۔ اسی طرح ہر سیارہ گردش میں ان سے قریب یا دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان مجموعوں کو اجرامِ سماوی کے حالات بدلنے میں بڑا دخل ہے۔ زمین پر ان کے اثرات کبھی اچھے پڑتے ہیں اور کبھی خراب اسی لیے ان کو سعد و نحس کہا جاتا ہے۔ مثلاً مشتری سیارہ کی کرنوں میں یہ اثر ہے کہ وہ قلبِ انسانی کو آکسیجن مہیّا کرتی ہیں جس سے آدمی کو خوشی ہوتی ہے لیکن یہ صورت ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔ ہر بُرج میں اس کی تاثیر مختلف ہو جاتی ہے۔ یہ قدرت کا انتظام ہے اس میں کسی کو دخل نہیں۔ انہی بروج سے ہم راتوں میں سفر کرتے وقت اپنے منازل کی حالت معلوم کرتے ہیں۔ جہازران انہی سے مدد لے کر اپنا راستہ معیّن کرتے تھے۔

اس نظامِ فلکی میں تدبیر کرنے والے جو فرشتے ہیں وہ ان احکام کو آپس میں بیان کرتے ہیں جو خدا کی طرف سے ان کو ملے ہوں شیطان چونکہ ان سے ملتی جُلتی مخلوق ہے اور آسمانوں پر اس کی آمد و رفت تھی لہذا وہ ان کی باتوں کو سُن کر راہبوں کاہنوں وغیرہ سے بیان کر دیتا تھا اور وہ پیش گوئیاں بیان کر کے قوم میں اپنا وقار قائم کرتے تھے۔ جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے تو آسمانوں پر اس کا جانا بند کر دیا گیا۔ اب اگر وہ چوری چھپے کچھ سُن گن لینے جاتا ہے تو شہابِ ثاقب اس کا پیچھا کر کے اس کو کھدیڑ دیتے ہیں۔

شہابِ ثاقب کے متعلق مفسّرین میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے بعض ستارے کسی وقت غیر معمُولی شعاعیں اپنے اندر سے نکالتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ بعض چھوٹے ستارے کسی وقت بھڑک اُٹھتے ہیں۔ ایک تشخیص یہ ہے کہ زمین سے سورج کی کرنیں جو ذرات اُٹھا کر لے جاتی ہیں وُہ فضا میں چکر کھاتے کھاتے ایک چھوٹا سا گولہ بناتے ہیں اس سے پھر موادِ ارضی جب برابر ملتے رہتے ہیں تو اس کا حجم بڑھتے بڑھتے کئی کئی ٹن کا ہو جاتا ہے۔ یہ برابر گردش میں رہتے ہیں سورج کی شعاعوں کی چمک سے یہ چمکتے ہیں۔ مگر چونکہ چمک زیادہ نہیں ہوتی اس لیے ہمیں نظر نہیں آتے۔ ان کو نُجیمات کہتے ہیں۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں فضائے آسمانی میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے قد بھی مختلف ہوتے ہیں، جدید سائنس میں ان کو میٹئور (Meteor) کہتے ہیں۔ جب یہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو ان سے ایک شعلہ نکلتا ہے کیونکہ اس کے اندر آتش گیر مادے کے ذرات بھی شامل ہوتے ہیں اس لیے ان کی چمک کچھ دیر رہتی ہے جسے ہم دیکھتے ہیں پھر وہ ختم ہو جاتی ہے۔ ٹکراتے وقت اس کے ٹکڑے زمین پر گرتے ہیں۔ ایسے ٹکڑے مختلف اوزان کے لندن میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں اور دو تین ٹکڑے کلکتہ میوزیم میں بھی ہیں۔ کبھی کبھی ان کا ٹکراؤ ایسا سخت ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتے ہیں انہی کو شہابِ ثاقب یا شوٹنگ اسٹار (Shooting Star) کہتے ہیں۔ یہ شیطانوں کو جب لگتے ہیں تو وہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ شیطانوں کو بھگانے کے لیے قدرت کی طرف سے یہ انتظام ہے۔

ان آیات میں جو دوسری چیز بیان کی گئی ہے وہ زمین کا بچھانا ہے۔ زمین آفتاب ہی کا ایک حصّہ ہے جو لاکھوں برس پہلے کبھی اس سے جُدا ہُوا تھا۔ پھر چکّر کھاتے کھاتے اس نے ایک کرّہ کی شکل اختیار کر لی۔ ہزارہا برس شعلہ خیزی کرتی رہی پھر رفتہ رفتہ ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی اور آخر کار ایسی اعتدالی حالت میں آگئی کہ

انسان اس پر اپنی زندگی بسر کرسکتے پھر قدرت نے اس پر پہاڑوں کو میخوں کی طرح ٹھونکا تاکہ ملے ڈلے نہیں اور اپنے ساکنوں کو ایک طرف لے کر نہ جھک جائے۔ ان پہاڑوں میں قدرت کی صنعتوں کے ہزارہا نمونے پائے جاتے ہیں۔ زمین کا تین چوتھائی حصہ سمندروں، پہاڑوں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے ایک چوتھائی حصہ پر انسان آباد ہے اسی ایک چوتھائی حصہ پر ہزارہا میل لمبے ریگستان، چٹیل میدان، پہاڑ، دریا اور جنگلات ہیں یہ سب انسان کے فائدے کے لیے ہیں۔

پھر خدائے حکیم نے سمندروں کے پانی کو بھاپ بنا کر اڑایا اور اپنی قدرت سے بادل بنا کر اس پانی کو پھر زمین پر برسایا جس سے قسم قسم کی ایسی نباتات اُگیں جو انسان کی غذا، دوا اور دیگر ضروریات میں کام آتی ہیں۔ قدرت کے کتنے خزانے کائنات کے دامن میں بھرے ہوئے ہیں نہ کوئی ان سب کو جانتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ حسب ضرورت انسانی وہ ان میں سے کچھ چیزیں انسان کا نظام زندگی درست کرنے کے لیے اپنے لطف و کرم سے دیتا رہتا ہے۔ پانی سے بھرے ہوئے بادل ہوا ادھر اُدھر لیے پھرتی ہے جہاں اس کی مصلحت ہوتی ہے بارش ہونے لگتی ہے۔ یہ پانی اس کے پینے کے لیے بھی برسایا جاتا ہے اور اس کی کھیتی باڑی کے لیے بھی۔ انسان کی کیا طاقت ہے کہ خدا کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرسکے۔ خدا کی قدرت کے راز انبیاء و مرسلین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ بھی اتنے ہی جتنے وہ اپنی مصلحت کے موافق بتانا چاہتا ہے۔ شیطان انبیاء و مرسلین کے اثرات کو برطرف کرنے کے لیے جو خبریں کاہنوں، رُہبانوں اور فقیروں درویشوں کو بتاتا ہے وہ قیاسی ہوتی ہیں جن میں سچ کم ہوتی ہیں اور جھوٹ زیادہ۔ انبیاء کے بیانات کبھی غلط نہیں ہوتے کیونکہ ان کا تعلق مبدء فیاض سے ہوتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی سب کے والی و وارث ہیں۔ ہم تم سے پہلوں کے حال کو بھی جانتے ہیں اور جو آنے والے ہیں اُن کے حال کو بھی۔ بے شک تمہارا رب وہ ہے جو ان سب کو قیامت میں (قبروں سے اُٹھا کر) جمع کرے گا بے شک وہ بڑی حکمت والا اور جاننے والا ہے۔

ہم نے انسان کو (خمیر کی ہوئی) سڑی مٹی سے جو (سوکھ کر) کھن کھن بولنے لگے پیدا کیا اور ہم نے جنات کو تم سے بھی پہلے بے دھوئیں کی تیز آگ سے پیدا کیا اور جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا، میں ایک آدمی کو خمیر کی ہوئی مٹی سے جو سوکھ کر کھن کھن بولنے لگے پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اسے ہر طرح ٹھیک ٹھاک کرلوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑنا۔ پس فرشتے تو سب کے سب سربسجود ہوگئے مگر ابلیس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کردیا۔ اس پر خدا نے فرمایا، اے ابلیس آخر تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا۔ اس نے کہا میں ایسا گیا گزرا تو نہیں کہ ایک ایسے آدمی کو سجدہ کر بیٹھوں جسے تو نے سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ۔ خدا قیامت کے روز سب کو میدانِ قیامت میں جمع کرے گا۔ آدمؑ سے لے کر قیامت تک جتنے انسان اس نے پیدا کیے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی اس کے سامنے حاضر ہونے سے نہ رہے گا۔ جب کائنات کا ایک ذرّہ بھی خواہ وہ کہیں ہو اس کے علم میں ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ اس سے چھپا رہے۔ جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون کہاں ہے۔ وہ سب کو بلا کر پوچھے گا کہ تم نے اپنی زندگی میں کیا کیا کام کیے۔ لہٰذا کسی شخص کو اس دھوکہ میں نہ رہنا چاہیئے کہ ہم اس کے مؤاخذہ سے بچ جائیں گے۔

اس کے بعد خدا نے انسانی خلقت کی اصل کو بیان کیا ہے۔ پہلے تو یہ بتایا ہے کہ انسان کی خلقت مٹی سے ہوئی ہے پھر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مٹی جس سے خلق ہوا ہے کیسی تھی۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ خمیر کی ہوئی سڑی مٹی تھی دوسرے یہ کہ وہ سوکھ کر کھن کھن بولنے والی تھی۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۔ (پ۱۸، المومنون ۲۳/۱۲) "ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے"۔ یہ مٹی کا جوہر

انسان کے اجزائے اصلیہ یا حقیقتِ انسانیہ سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ اصلی انسان یہی ہیں جن کو انسان کے نطفہ کے اندر چھپایا گیا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتے۔ یہ نطفہ جو وجودِ مادی کی خشتِ اوّل ہے ایک خمیر کی سی بُو رکھنے والا مادہ ہوتا ہے یہی نطفہ عورت کی بچہ دانی میں بیضہ سے مل کر رفتہ رفتہ مکمل انسانی صورت اختیار کرتا ہے۔ پھر یہی ترقی کرتا کرتا ایک وقت میں ہڈی کی صورت اختیار کرتا ہے جس پر گوشت چڑھایا جاتا ہے۔ یہ سوکھی ہوئی کھنکھناتی مٹی کی طرح ہوتا ہے۔ انسان کے جسمِ مادی میں دو ہی چیزیں ہیں، ایک گوشت اور دوسرے ہڈی۔ اسی طرف قدرت کا اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب خدا نے ملائکہ سے انسان کی پیدائش کا ذکر کیا اور کہا جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں یعنی اس مشین کے تمام پرزے اپنی اپنی جگہ پر فٹ ہو جائیں اور جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں تب تم سجدہ کرنا۔ قابلِ غور یہ ہے کہ ٹھیک ٹھاک کرنے کے بعد سجدہ کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ خلقتِ ناقص میں وہ سب بے حرکت جمود کی حالت میں تھے انہیں کیا فضیلت حاصل تھی کہ ملائکہ سے تعظیمی سجدہ کرایا جاتا۔ ان میں حرکت پیدا کرنے والی اور قدرت کی صنّاعی کو دکھلانے والی کوئی چیز نہ تھی۔ اسی طرح محض روح کو سجدہ کرنے کا حکم نہ دیا گیا کیونکہ روح ایک محرک ہے۔ جب تک کوئی چیز ایسی نہ ہو جس کو وہ حرکت دے اس کی فضیلت کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب روح بدن میں داخل ہوئی اور اس نے جسمِ انسانی کے تمام پرزوں کو حرکت دی اور ظاہری اور باطنی قوتیں اُجاگر ہوئیں اور یہ پتہ چلا کہ قدرت نے یہ کیسی عجیب و غریب مشین بنائی ہے تب ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا گیا کیونکہ ملائکہ میں وہ قوتیں مفقود تھیں جو اس پیکرِ انسانی میں پائی جاتی تھیں۔ ملائکہ سمجھ دار تھے بات کی تہ کو پہنچ گئے مگر شیطان چونکہ آتشیں مزاج تھا حقیقتِ امر کو نہ سمجھا، طیش میں آگیا۔ اس لعین نے قالبِ خاکی پر نظر رکھی یہ نہ دیکھا اس کے اندر کیا جوہر ہے۔ ایسے ہی احمق وہ لوگ تھے جو رسولؐ کے متعلق کہتے تھے آپ تو ہم ہی جیسے بشر ہیں ان کی نظر بھی ظرف پر تھی مظروف پر نہ تھی۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿۳۷﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ

لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۴۲﴾

خدا نے کہا، یہاں سے نکل جا تُو مردود ہے اور تیرے اُوپر قیامت تک لعنت ہوتی رہے گی۔ اُس نے کہا اے میرے رب مجھے اُس دن تک کی مُہلت دے جب لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔ خدا نے فرمایا جا تجھے وقتِ معلوم کے دن تک کی مُہلت دی گئی۔ اُس نے کہا اے میرے رب تُو نے تو مجھے گمراہی میں چھوڑا ہی ہے میں بھی ان (بنی آدم) کے لیے دُنیا کے ساز و سامان کو عمدہ کر دکھاؤں گا۔ سوائے ان کے جو ان میں سے تیرے خاص بندے ہوں گے سب ہی کو بہکاؤں گا۔ خدا نے کہا یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچتی ہے جو میرے خالص بندے ہیں ان پر کسی طرح تیری حکومت نہ ہو گی ہاں ان گمراہوں پر جو تیری پیروی کریں گے (تیرا زور چل جائے گا)۔

شیطان نے قیامت کے دن تک مہلت مانگی تھی۔ خدا نے اس کو منظور نہیں کیا اور اُسے یوم وقتِ معلوم تک کی مہلت دینا منظور کیا۔ مفسرین عامہ وقتِ معلوم پر یا تو روشنی ڈالتے ہی نہیں اور ڈالتے ہیں تو گھائیں مائیں کر جاتے ہیں آیت نے جب دونوں کو جدا کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یوم وقتِ معلوم قیامت کے وقت سے الگ کوئی وقت ہے۔

تفسیرِ صافی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب یوم وقتِ معلوم کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اللہ نے ابلیس کو اس دن تک کے لیے مہلت دی ہے جب قائم آلِ محمدؐ ظہور فرمائیں گے۔ ظہور کے وقت وہ مسجدِ کوفہ میں ہوں گے اور ابلیس سامنے آکر گھٹنوں کے بل بیٹھے گا اور کہے گا کہ آج کے دن سے مفر نہیں۔ حضرت اس کی پیشانی پکڑ کر اس کی گردن مار دیں گے۔ پس یہی یوم وقتِ معلوم ہے۔

اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ دینِ حق کو تمام ادیان پر غالب کرے گا لیکن یہ وعدہ ابھی تک پورا نہیں ہوا یعنی تمام دُنیا میں صرف ایک ہی دین اسلام نہیں پایا جاتا اور نہ اس وقت تک پایا جائے گا جب تک شیطان کا وجود دُنیا میں ہے۔ پس اگر اس کو قیامت کے دن تک مہلت دے دی جاتی تو وہ قیامت تک بہکاتا ہی رہتا۔ پھر تمام دُنیا میں صرف دینِ اسلام ہی کیسے پایا جاتا۔ لہٰذا خدا نے وقتِ معلوم تک مہلت دی۔ جب ظہورِ قائم آلِ محمدؐ کے وقت وہ ملعون قتل ہو جائے گا اور بہکانے کا سلسلہ بند ہو گا تو اس وقت سوائے دینِ اسلام دوسرا دین باقی ہی نہ رہے گا کیونکہ اسلام کے سوا جتنے دین بنے ہیں وہ سب باغوائے شیطانی بنے ہیں۔

دوسرے شیطان نے سب کو بہکانے کا دعویٰ کیا ہے سوائے خدا کے مخلص بندوں کے۔ اس آیت سے عصمتِ انبیاء و آئمہؑ ثابت ہوتی ہے یعنی دُنیا میں ہر زمانہ کے اندر کچھ ایسے بندے پائے جانے چاہئیں جن پر شیطان کے اغوا کا اثر نہ ہو۔ انسان گناہ باغوائے شیطانی ہی کرتا ہے پس جب شیطان کے اغوا کا ان سے تعلق ہی

نہ ہوگا تو لامحالہ وُہ معصوم ہوں گے۔ آنحضرتؐ کے بعد ایسے بندے صرف وہی لوگ ہوسکتے ہیں جن کی نشاندہی رسولِ خدا نے فرمادی ہے اور ہر ایک کا نام بتادیا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی شخص بھی شیطانی اِغوا سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

تیسری آیت ہے هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۔ اس کا ترجمہ مفسرین نے کیا ہے "یہی سیدھا راستہ میرے اوپر کو آتا ہے"۔ یہ کس قدر بھونڈا اور نامعقول ترجمہ کیا ہے۔ خدا کے اوپر کو راستہ آنا کیا معنی رکھتا ہے اگر یہ ہوتا کہ خدا کی طرف آتا ہے تو ٹھیک تھا مگر آیت میں علیؑ ہے الیٰ نہیں ہے۔ اس غلط ترجمہ کو نظر انداز کرکے بیضاوی نے لکھا ہے کہ اصل اس کی یوں ہوگی هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ حَقٌّ عَلَيَّ اَنْ اُرَاعِيَهٗ ۔ یہ راستہ میرے اوپر آنے کے معنی یہ ہیں کہ میرے اوپر حق ہے کہ میں اس کی رعایت کروں۔ لیکن انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ایک پورے جملہ کا محذوف ماننا عبارت کے لیے عیب ہے خصوصاً قرآن کے لیے تو کسی طرح جائز ہی نہیں دوسرے اس صورت میں خدا پر اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے حالانکہ اہلسنّت کسی چیز کو خدا پر واجب نہیں کہتے ان ہی خرابیوں پر نظر رکھ کر بعض افراد نے هٰذَا صراط علیؑ مستقیم پڑھا ہے اس کو بیضاوی نے ذکر کیا ہے اس بنا پر علیؑ فعیل کے وزن پر بلند کے معنی میں ہوگا اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بلند راستہ سیدھا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ راستہ کی خوبی سیدھا ہونا ہے نہ کہ بلند ہونا۔ اس کے علاوہ بلندی ایک نسبتی اور اضافی چیز ہے پستی ہو تو بلندی ہو۔ اور جب پستی اور بلندی دونوں مانی جائیں تو راستہ سیدھا ہو ہی نہیں سکتا اور جب یہ دونوں صورتیں صحیح نہ رہیں تو اب تیسری قرأت هٰذَا صراطُ علِیٍّ مستقیم۔ کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اس میں نہ کوئی لفظی خرابی ہے نہ معنوی۔ پس اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ علیؑ کی راہ سیدھی راہ ہے۔ اس میں حضرت علیؑ کے نام کی تصریح ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ حضرتؑ ہی کا راستہ سیدھا اور مستقیم ہے اور انہی کے پیرو سیدھے جنّت میں پہنچیں گے۔ تفاسیرِ اہلبیت کا بھی یہی منشا ہے اور اس کی مؤید وہ روایت ہے جو حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ وہ اس آیت کو یوں پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ علیؑ ابن ابی طالب کی راہ ہے اور ان کا دین سیدھا ہے اور سیدھا راستہ ہے، ان ہی کی پیروی کرو۔

(منقول از حاشیہ قرآن ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب)

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

ان سب کی وعدہ گاہ جہنّم ہے جس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے میں جانے کے لیے ان گمراہوں کی الگ الگ ٹولیاں ہوں گی اور متّقیوں کے لیے جنّت میں جگہ ہوگی اور بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (فرشتے ان سے کہیں گے) ان میں سلامتی اور اطمینان سے چلے جاؤ جو رنج اُن کے دل میں ہوگا ہم اُسے نکال دیں گے اور وُہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر یوں بیٹھے ہوں گے جیسے بھائی بھائی۔ اُن کو بہشت میں نہ تکلیف چھوئے گی اور نہ کبھی ان سے نکالے جائیں گے (اے رسول) میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہوں اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت رسولِ خدا سے عرض کی کہ آپؐ کے نزدیک میں زیادہ محبوب ہوں یا فاطمہؑ۔ فرمایا، وہ زیادہ محبوب ہے اور تم زیادہ عزیز اور گویا میں تمہارے ساتھ حوضِ کوثر پر ہوں اور تم وہاں سے لوگوں کو ہٹا رہے ہو اور حوضِ کوثر پر آسمان کے ستاروں کے شمار میں لوٹے دار کنٹر رکھے ہیں۔ تم اور حسنؑ و حسینؑ و فاطمہؑ عقیل اور جعفر بہشت میں ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہو تم میرے ساتھ ہو اور تمہارے شیعہ بہشت میں ہوں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے یہی آیت پڑھی "یہ سامان اہلِ جنّت کی دلچسپی کے لیے ہوگا کہ آمنے سامنے بیٹھے بے تکلفی سے باتیں کر رہے ہوں گے۔ اگر ان کے دل میں ایک دوسرے کی طرف سے کوئی رنج ہوگا تو اُسے دُور کر دیا جائے گا اور اس طرح وہ نہایت خلوص کے ساتھ ایک دوسرے سے بات کریں گے اور کوئی تکلیف اُن کو وہاں ہوگی ہی نہیں۔ مزہ سے وہاں رہیں گے۔ اس دُنیا کی زندگی کو وہاں کی راحت بھری زندگی سے کوئی نسبت ہی نہ ہوگی۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

حضرت ابراہیمؑ کے مہمانوں کا تذکرہ

اے رسول ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سُناؤ۔ جب وہ (فرشتے) ان کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا حضرت ابراہیم نے (جواب سلام دے کر) کہا ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔ اُنہوں نے کہا آپ ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک پڑھے لکھے لڑکے کی بشارت دینے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا، ایسے وقت تم کیا مجھے خوشخبری دیتے ہو جب کہ بڑھاپا چھا گیا ہے تو اب کا ہے کی خوشخبری دینے آئے ہو۔ انہوں نے کہا، ہم نے آپ کو ٹھیک خوشخبری دی ہے آپ رحمتِ خدا سے مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا گمراہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون مایوس ہوگا۔

کفار و منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ آپ کی نبوّت کو ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک کسی فرشتہ کو بُلا کر نہ دکھا دیں۔ خدا نے جواب دیا کہ فرشتے حق کے ساتھ نازل ہوتے ہیں یعنی یا تو کسی عذاب کے لیے یا کسی خوشخبری کے لیے۔ یہاں فرشتوں کا نزول دونوں صورتوں میں دکھایا گیا ہے۔ اوّل حضرت ابراہیمؑ کو فرزند کی بشارت دینے کے لیے، دوسرے قومِ لُوط پر عذاب کے لیے۔ پس جب یہ دونوں صورتیں پہلے واقع ہو چکیں تو اب ان کو دُہرانے کی ضرورت کیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ ڈرے کیوں؟ یا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ بے حد حسین لڑکوں کی صورت میں آئے تھے لہٰذا بالکل اجنبی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو خوف ہُوا کہ معلوم یہ کس ارادہ سے آئے ہوں۔ یا یہ وجہ تھی کہ وہ ناوقت آئے تھے۔ خدشہ ہُوا یہ کوئی نقصان پہنچانے تو نہیں آئے۔

جس لڑکے کی بشارت حضرت ابراہیمؑ کو فرشتوں نے دی اس کے متعلق مفسّرین کا اختلاف ہے۔ اکثریت اس طرف ہے کہ یہ بشارت حضرت اسحاقؑ کے متعلق تھی لیکن تفسیر صافی میں بحوالہ تفسیر عیاشی امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ یہ بشارت حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق تھی جو بطن جناب ہاجرہؑ سے پیدا ہوئے۔ (منقول از حاشیہ القرآن المبین مترجمہ مولانا امداد حسین صاحب قبلہ مرحوم مطبوعہ انصاف پریس، لاہور)

ہو سکتا ہے یہ بشارت دو بار دی گئی ہو۔ ایک بار جناب اسمٰعیلؑ کے متعلق دوسری بار جناب اسحٰقؑ کے متعلق۔ غلام علیم سے معلوم ہُوا کہ انبیاء علیہم السلام خدا کے یہاں سے علم حاصل کیے ہوئے آتے ہیں ورنہ دنیا میں علم حاصل کرنے والے تو سب ہی ہوتے ہیں، علیم کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

حضرت ابراہیمؑ رحمتِ خدا سے مایوس تو نہ تھے لیکن تعجب اس بات پر تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اُن کی عمر تولّد و تناسل کی نہ رہی تھی۔ وہ بروایتے ایک سو بیس سال کے ہو چکے تھے اس عمر میں عموماً اولاد نہیں ہُوا کرتی جب فرشتوں نے کہا یہ بشارت ٹھیک ہے تو انہیں یقین آگیا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

ع ۴

(جب حضرت ابراہیمؑ کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں تو) کہنے لگے اے خدا کے رسولو، تمہیں کیا مہم درپیش ہے۔ انہوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم (قومِ لُوط) کی طرف بھیجے گئے ہیں مگر لوط کے لڑکے بالے ان سب کو ہم بچا لیں گے سوائے لوط کی بی بی کے جسے ہم نے تاک لیا ہے وہ ضرور (لڑکے بالوں سے) پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ غرض جب یہ خدا کے بھیجے ہوئے آلِ لُوط کے پاس آئے تو لُوط نے اُن سے کہا آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تمہارے پاس وہی چیز لے کر (عذاب) آئے ہیں جس کے متعلق تمہاری قوم شک میں پڑی ہوئی تھی۔ ہم تمہارے پاس (عذاب کا) قطعی حکم لے کر آئے ہیں اور ہم سچے ہیں۔

قومِ لُوط ایسی سخت بدکاری میں مبتلا تھی کہ خدا نے ان کو قوم مجرمین سے ذکر کیا ہے۔ حضرت نوحؑ کی بی بی کی طرح حضرت لوطؑ کی بی بی بھی کافرہ تھی یہ ان کی بدکار قوم سے ملی ہوئی تھی۔ خدا نے اس کو نجات پانے والوں سے علیحدہ کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایمان درست نہ ہو تو کوئی قرابت یا رشتہ داری کام نہیں آتی چاہے پیغمبر کا بیٹا یا بی بی ہی کیوں نہ ہو۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بہشت پرہیزگاروں کے لیے ہے اگرچہ

غلام حبشی ہی کیوں نہ ہو اور دوزخ نافرمانوں کے لیے ہے اگرچہ سید قریشی ہی کیوں نہ ہو۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

(فرشتوں نے کہا اے لوط) آپ کچھ رات رہے اپنے اہل و عیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے گا اور آپ ان سب کے پیچھے رہیئے اور تم میں سے کوئی مڑ کر پیچھے نہ دیکھے اور جدھر جانے کا (شام کو) حکم دیا گیا ہے چلے جائیے۔ اور یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

حضرت لوطؑ کو اس لیے پیچھے رہنے کا حکم دیا گیا کہ اُن میں سے کوئی آدمی چھوٹ نہ جائے یا ادھر اُدھر نہ ہو جائے۔ پیچھے پھر کر نہ دیکھنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ عذاب کی صورت دیکھ کر مارے خوف کے ان میں سے کوئی مر نہ جائے یا اس عذاب کی لپیٹ میں آجائے۔ بس قدم اٹھائے یہ سب چلے ہی جائیں نہ رُکیں نہ اِدھر اُدھر دیکھیں۔ ان کے عذاب کا وقت صبح کا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی ان کو حکم تھا کہ اس معذب علاقہ سے باہر ہو جائیں۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

(لوط کے گھر میں فرشتوں کے آنے کا حال ان کی بی بی نے قوم کے بدکاروں کو سُنایا) یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ شہر والے بُری نیت سے خوشیاں مناتے دوڑ پڑے۔ حضرت لُوط نے ان سے کہا یہ میرے مہمان ہیں تم انہیں ستا کر مجھے بدنام نہ کرو۔ خدا سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ انہوں نے کہا کیا ہم نے تمہیں سارے جہان کے لوگوں کے آنے کی مناہی نہیں کر دی تھی۔ لُوط نے کہا، اگر تمہیں ایسا ہی کرنا ہے تو یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، ان سے نکاح کر لو۔ اے رسول تمہاری جان کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں بے ہوش ہو رہے تھے (لُوط کی بات کیا سُنتے) غرض صبح ہوتے ہوتے ان کو بڑے زور کی چنگھاڑ نے لے ڈالا۔ ہم نے اس بستی کو اُلٹ کر اس کے اُوپر کے طبقہ کو نیچے کا طبقہ بنا دیا اور پھر ہم نے پکی ہوئی مٹی کی بارش کر دی اس میں شک نہیں کہ اس میں اصلی بات کو تاڑ جانے والوں کے لیے قدرت خدا کی بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ اُلٹی ہوئی بستی ان کی ہمیشہ کی آمد و رفت کے راستہ ہی پر ہے اہلِ ایمان کے لیے اس میں بُہت سی نشانیاں ہیں۔

قومِ لُوط بڑی بخیل تھی۔ ان کی بستی ایک ایسی جگہ واقع تھی جس کے آس پاس بہت سی بستیاں تھیں۔ لوگ ادھر اُدھر سے آکر وہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ اس سے وہ گھبرا گئے۔ شیطان نے ان سے کہا میں ایک تدبیر بتا رہا ہوں پھر کوئی یہاں نہ آئے گا۔ جو تمہاری بستی میں آئے اس سے لواطت کرو۔ چنانچہ جب یہ طریقہ انہوں نے اختیار کیا تو رفتہ رفتہ ایسے عادی ہو گئے کہ عورتوں کو چھوڑ کر ساری توجہ نوجوان لڑکوں کی طرف ہو گئی۔ حضرت لوطؑ نے اس فعلِ بد سے ہر چند منع کیا مگر وہ نہ مانے۔

جب حضرت لوطؑ کے گھر فرشتے آئے تو ان کی کافرہ بی بی نے فوراً قوم کے بدکاروں کو یہ خبر دی کہ لوطؑ کے گھر بڑے خوبصورت لڑکے آئے ہوئے ہیں۔ یہ سُنتے ہی وہ خوشیاں مناتے دوڑ پڑے۔ اور لوطؑ سے کہا اُن کو ہمارے حوالے کرو۔ حضرت لوطؑ نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں کیونکہ تمہارے حوالے کر کے اپنے لیے بدنامی مُول لے سکتا ہوں۔ مگر وہ مست ہو رہے تھے۔ جب کسی طرح نہ مانے تو لوطؑ نے کہا، اچھا ایک دن کی مہلت دو۔ یہ بات وہ مان گئے۔

فرشتوں کی ہدایت کے موافق لوطؑ اپنے گھر والوں کو لے کر صبح ہونے سے پہلے ہی گھر سے نکل پڑے۔ کچھ دُور گئے تھے کہ وہ لوگ اُن کو روکنے کے لیے چل پڑے۔ اتنے میں عذابِ الٰہی نے ان کو دبا لیا۔ پہلے تو اس بستی کے طبقۂ زمین کو اُلٹ دیا گیا جو لوگ نکل بھاگے تھے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ غرضکہ سب کے سب

کھیت ہے۔ افسوس ہے کہ باوجود ان کا انجام دیکھنے کے اور سُننے کے یہ رسم بداب تک دنیا میں پائی جاتی ہے۔

متوسّم وہ لوگ کہلاتے ہیں جو عقل و فہم سے کام لے کر کسی معاملہ کی حقیقت کو سمجھیں۔ حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ پہلے متوسّم رسولؐ تھے ان کے بعد میں ہوں اور میرے بعد ائمہ معصومینؑ۔

فرشتہ جس طرح لباسِ بشری میں آکر اور ہُوبہُو انسانوں سے مشابہ ہو کر اپنی مَلَکی نوع کو نہیں کھو بیٹھتا، اسی طرح آنحضرتؐ اگرچہ صورت اور جسم میں بشر تھے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی نورانی نوع اس جسم میں آکر بدل گئی تھی۔ ان کے صفاتِ اقدس پہ نظر کی جائے تو عام آدمیوں سے بالکل جدا تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نوع جداگانہ تھی۔ صرف تبلیغی ضرورت کے لحاظ سے وہ بشری صورت میں آئے تھے۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٩﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾

ایکہ والے (قومِ شعیب) بھی ظالم تھے اُن سے بھی ہم نے بدلہ لیا۔ یہ دو بستیاں (قومِ لوط و شعیب کی) ایک کھُلی ہوئی شاہراہ پر (ابھی تک موجود) ہیں۔ اسی طرح حجر کے رہنے والوں (قومِ صالح) نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دیں اس پر بھی وہ لوگ رُوگردانی کرتے رہے اور بڑے اطمینان سے پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے رہے آخر صبح ہوتے ہوتے ان کو بڑی چنگھاڑ

نے لے ڈالا۔ وہ اپنی حفاظت کی جو تدبیریں کیا کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں۔ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حکمت و مصلحت سے پیدا کیا ہے۔ تم اے رسولؐ ان کافروں سے بعنوانِ شائستہ درگزر کرو (یقیناً فیصلہ کی گھڑی آنے والی ہے اُس وقت ان سے سمجھ لیا جائے گا) بے شک تمہارا رب بڑا پیدا کرنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔

اصحابِ ایکہ یعنی بَن والوں سے مراد قومِ شعیب ہے یہ مدین میں رہتے تھے۔ قومِ لوط اور قومِ شعیب پر جو عذاب آیا ان کی تباہ شدہ بستیوں کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ یہ بستیاں شاہراہِ عام پر تھیں۔ جو راستہ حجاز سے شام یا عراق سے مصر کو جاتا ہے اس پر واقع تھیں۔

ایکہ والے بڑے سرکش اور ظالم تھے قدرت نے ان کی سرکشی کی سخت سزا دی۔ ایکہ والوں کا مرکزی مقام شہر مدین تھا یہیں شعیبؑ رہتے تھے چونکہ یہاں جنگل زیادہ تھے اس لیے بَن والے کہلاتے تھے۔ جو انبیاءؑ ان کی طرف بھیجے گئے انہوں نے انہیں جھٹلایا اور جو معجزات انہوں نے دکھائے ان سے روگردانی کی اور کہا یہ سب شعبدہ بازی ہے۔ ان لوگوں نے عذابِ الٰہی سے بچنے اور دشمنوں کے حملوں سے بے خوف رہنے کے لیے پہاڑوں کو کاٹ کر ایسے محفوظ گھر بنائے تھے کہ کوئی اُن پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ دکن میں ایلورا اور اجنتا کے غاروں کو اُن کا ایک نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ جناب شعیبؑ نے ان کو عذابِ الٰہی سے بہت ڈرایا دھمکایا مگر وہ اپنے قلعہ جیسے گھروں پر ایسا بھروسہ رکھتے تھے کہ عذابِ الٰہی کی طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے۔ آخر ایک روز صبح کے وقت ایسی زور کی چیخ پیدا ہوئی کہ ان کے ہارٹ فیل ہو گئے اور ان کے مکانات اور حفاظت کے اسباب نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ خدا کی پکڑ سے وہ کہاں بچ سکتے تھے۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے آپ اپنی قوم کی سرکشی سے پریشان نہ ہوں یہ بچ کر کہاں جائیں گے فیصلہ کا دن یعنی قیامت آنے والی ہے۔ تم ان پر زیادہ سختی نہ کرو بلکہ نہایت نرمی اور شائستہ طریقہ سے انہیں سمجھاؤ اور ان کی گستاخیوں سے درگزر کرو ممکن ہے سمجھ جائیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ اِنِّىْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٩﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿٩١﴾

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اے رسول ہم نے تم کو سبع مثانی (سورۂ الحمد) اور قرآنِ عظیم عطا کیا ہے تم اس متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے اور نہ ان کی بے دینی پر کچھ افسوس کرنا، ہاں ایمانداروں سے (چاہے وہ غریب ہوں) جُھک کر ملا کرو اور کہہ دو میں تو تم کو صریحی طور پر (عذابِ خدا سے) ڈرانے والا ہوں (ہم ان لوگوں پر اسی طرح عذاب نازل کریں گے) جیسے ان لوگوں پر نازل کیا تھا جنہوں نے قرآن کو بانٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (بعض کو مانا اور بعض کو نہ مانا) اے رسول تمہارے پروردگار کی اپنی قسم ہم ان سے جو کچھ دُنیا میں یہ کیا کرتے تھے ضرور باز پرس کریں گے۔

سبع مثانی سے مراد سورۂ الحمد ہے یعنی وہ سات آیتیں جو دوبار نازل ہوئیں یا اس لیے کہ دو رکعتی نمازیں دوبار پڑھی جاتی ہیں۔

جب تک حضورؐ مکہ میں رہے مسلمان بہت پریشان رہے خصوصاً آخر زمانہ میں جبکہ جناب خدیجہؓ کی دولت بھی ختم ہوگئی تھی اور غریب مسلمانوں کے اخراجات کا بھی بار تھا مشرکین مسلمانوں کا مال چھین لیتے تھے انہیں طرح طرح سے ستاتے اور اپنی دولت کا لالچ دیتے تھے پس حضرتؐ کی تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ ان کی چند روزہ دولت کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو، ہاں غریب مسلمانوں سے جُھک کر ملو تاکہ ان کی ہمت بڑھی رہے اور کافروں سے کہو میں تمہیں عذابِ خدا سے ڈرانے والا بن کر آیا ہوں۔ اُن کا بھی وہی حشر ہوگا جو ان یہودیوں کا ہوا جنہوں نے قرآن (توریت) کو تقسیم کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا یعنی بعض باتوں کو مانا اور بعض کو نہ مانا۔ بعض نے لکھا ہے یہی قرآن مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو باتیں قرآن میں تھیں یہودیوں نے ان کو بدل ڈالا اور ان کے ماننے سے انکار کر دیا جیسے توریت کی انہوں نے بعض باتوں کو مانا اور بعض کو ماننے سے انکار کر دیا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ

السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع

اے رسول جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اب اُسے واضح کر کے سُنا دو اور مشرکین سے علیحدہ ہو جاؤ جو لوگ تمہارا مذاق اُڑاتے ہیں اور جو لوگ خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتے ہیں وہ عنقریب جان لیں گے (کہ ان کا حشر کیا ہوا) ہم جانتے ہیں کہ تم ان کفار و مشرکین کی باتوں سے دل تنگ ہوتے ہو تم اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرتے رہو اور اس کی بارگاہ میں سجدہ کرنے والوں میں ہو جاؤ اور جب تک تمہارے پاس موت آئے اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔

بموجب حکمِ خدا جب حضورؐ نے کھلم کھلا دعوتِ اسلام دینا شروع کی تو مشرکین کے دل میں عداوت کے شُعلے بھڑکنے لگے اوّل تو انہوں نے خوب مذاق اڑایا، تالیاں بجائیں اور طنز آمیز فقرے کسے جب حضرتؐ نے باوجود ان باتوں کے اپنا کام جاری رکھا تو انہوں نے کہا ہم آپؐ کو چند روز کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی آپ باز نہ آئے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر آپؐ دل تنگ ہوئے اور گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھے رہے۔ اللہ نے ان کو تسکین دی کہ گھبراؤ مت بہت جلد یہ لوگ اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

ان باتوں میں پانچ آدمی بہت سرکش تھے۔ ولید بن مغیرہ، اس کا حشر یہ ہوا کہ اس کے پیر میں راستہ چلتے ایک تیر کا پیکان پیوست ہوا جس سے اس قدر خون جاری ہوا کہ اس کی تکلیف میں چلا چلا کر مر گیا۔ دوسرا عاص بن وایل تھا اس کے پیر میں ایک کانٹا چُبھا جس سے سارے پیر پر ورم آگیا اور اس کی تکلیف میں واصل جہنم ہوا۔ تیسرا اسود بن مُطلب اندھا ہو کر مر گیا۔ چوتھا اسود بن عبد لغوث تھا جو جلندر کی بیماری میں مبتلا ہو کر فی النّار ہوا۔ پانچواں حرث بن طلاطلۃ الخزاعی تھا جس کی ناک سے پیپ جاری ہوئی اور ہلاک ہو گیا۔

(۱۶) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ (۷۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ (۲) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۳) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (۴)

اے کفارِ مکّہ خدا کا حکمِ قیامت گویا آپہنچا تم اس کی جلدی نہ مچاؤ۔ جس چیز کو یہ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں اس سے خدا پاک و پاکیزہ اور برتر ہے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے اپنا حکم دے کر فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ لوگوں کو اس سے آگاہ کرو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھی سے ڈرو اُس نے آسمان و زمین مصلحت سے پیدا کیے ہیں جس چیز کو یہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں وہ اس سے برتر و بالاتر ہے۔ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر بھی وُہ کُھلّم کُھلّا جھگڑنے والا بن گیا۔

اس سُورہ کی پہلی آیت میں قیامت کو بصیغہ ماضی بیان کیا گیا ہے یعنی اس پر اتنا یقین رکھنا چاہیئے گویا وُہ آگئی۔ دوسرے مشرکین اپنی بُت پرستی کو برحق جانتے تھے اور اُس کے بھروسہ پر یہ سمجھتے تھے کہ محمدؐ کی مخالفت ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ قیامت کا عذاب ایک ڈھکوسلا ہے۔ ہمارے بُت ہم کو ہر مصیبت سے بچا لیں گے اور محمدؐ کے مصائب بدستور رہیں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں تم جھُوٹے ہو کہ ان بتوں کو خدا کی عبادت میں شریک کرتے ہو۔ ہمارا رسولؐ سچا ہے خدا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اُسے بھیج کر اپنا رسول بناتا ہے اور اس پر اپنی وحی نازل کرتا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو اپنی مصلحت کے مطابق پیدا کیا ہے یہ سب اس کی مخلوق ہیں اس کے شریکِ الوہیت نہیں۔

مشرکین نے آنحضرتؐ کی ہجرت کے بعد ہی جان لیا کہ یکایک ان پر قیامت کی سی ایک آفت کیسے آپڑی چند ہی روز میں اُن کی اکڑ فکڑ سب ختم ہو کر رہ گئی۔ اور وُہ ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ یہ ذلت اُن کے تصور میں بھی نہ آئی تھی۔ چند ہی سال کے بعد تمام عرب پر خدا کے رسولؐ کی حکومت کا پرچم لہرانے لگا اور لا الٰہ الّا اللّٰہ کی صدا گُونجنے لگی۔ جن بتوں پر اُن کو بڑا اعتماد تھا ان کو پاش پاش کر دیا گیا۔

آخر میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ انسان جس کو ہم نے نطفہ کے ایک قطرہ سے پیدا کیا ہے۔ اس کا ہیکڑا پن دیکھو کہ ہم سے سرکشی کرتا ہے ہمارے احکام کو پسِ پشت ڈالتا ہے حالانکہ اس کی بساط ہی کیا ہے۔ ایک گندہ نطفہ

سے ہم نے پیدا کیا ہے اور آخر میں ایک بدبُودار مُردہ بن جاتا ہے۔ ہم نے اس کو انسان بنایا ہم نے اس کی زندگی کے سارے سامان مہیّا کیے پھر بھی ہم ہی سے اکڑ تکڑ کرتا ہے۔ اب آگے اپنے وہ احسانات بتاتا ہے جو ہم پر کیے ہیں

اس سورہ میں ذکر ہے: قیامت کا قریب ہونا۔ انسان کی فطرت۔ خدا کے احسانات۔ خدا کی توحید۔ انسانی عمر کی تقسیم۔ پیغمبر اپنی اُمّت کا گواہ ہوگا۔ قسم توڑنے کی مذمّت۔ شہد کی مکھی کا بیان وغیرہ۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (۵) وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ (۶) وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۷) وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۸)

اور چوپاؤں کو اُس نے تمہارے لیے پیدا کیا جن سے تمہارے لیے (کھال اور اُون سے) لباس کا سامان ہے اس کے علاوہ اور بھی منافع ہیں ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور جب تم انہیں شام کو چرا کر لاتے ہو اور صبح سویرے جب چرائی پر لے جاتے ہو تو ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے اور جن شہروں تک بڑی مشقّت سے پہنچ سکتے تھے چوپائے وہاں تک تمہارا بوجھ اُٹھا کر لے جاتے ہیں بے شک تمہارا رب بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اس نے گھوڑوں خچّروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور اس میں زینت بھی ہے ان کے علاوہ اور چیزیں بھی پیدا کیں جن کے فائدوں کو تم نہیں جانتے ہو۔

انسان کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس کے خالق نے اُس کی ضروریاتِ زندگی کو کس طرح پیدا کیا ہے اور کتنے سامان اس کی راحت رسانی کے لیے فراہم کر دیئے ہیں۔ مثال کے طور پر ذرا مویشیوں پر ایک نظر ڈالو کہ ان سے کیا کیا فائدے نہیں پہنچتے ہیں۔ تم ان کا دودھ پیتے ہو۔ ذبح کر کے گوشت کھاتے ہو۔ ان کی کھال اور اون سے لباس

بناتے ہو۔ ان سے ہل چلاکر کھیتی باڑی کرتے ہو۔ بھاری بھاری بوجھ اُن پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہو اگر وہ نہ ہوتے تو بتاؤ تم کیا کرتے۔ ان پر تم سوار ہوتے ہو۔ ان سے اپنی گاڑیاں کھچواتے ہو۔ گھوڑے پر سوار ہو کر سیر و تفریح کرتے ہو، لمبے لمبے سفر طے کرتے ہو۔ اور جنگ میں ان پر سوار ہو کر لڑتے ہو۔ ریگستانوں کی گرم و سخت منزلیں تم اونٹوں کے ذریعہ سے طے کرتے ہو۔ کیا یہ سب احسان بھلا دینے کے قابل ہیں۔ افسوس ہے انسان کی عقل پر کہ جس خالق نے اس کے لیے یہ تمام چیزیں پیدا کی ہیں وہ اُس کا شریک دوسروں کو بناتا ہے اسی کی فرمانبرداری سے بھاگتا ہے اُسی کے بارے میں انبیاءؑ سے جھگڑا کرتا ہے۔ اس سے اُس کی عقل کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ جس خدا نے اس کی دنیوی آسائش کا یہ سب کچھ سامان کیا ہے کیا وہ اس کی آخرت کی نجات کا کوئی بندوبست کرے گا اُس نے کیا اور مکمل بندوبست کیا اپنے انبیاءؑ بھیجے۔ اپنی کتابیں بھیجیں۔ انبیاء و مرسلین نے جو حق سمجھانے کا تھا سمجھایا پھر بھی کوئی نہ سمجھے تو پھر اس کو حیوانوں سے بدتر سمجھنا چاہیئے۔ یہ نہ کہنا کہ جب خدا نے ہمیں عقل دی ہے اور ہم اپنے بھلے بُرے کو سمجھ سکتے ہیں تو پھر ہمیں انبیاء و مرسلین کی ضرورت کیا ہے۔ اگر تم عقل سلیم رکھنے والے اور اُس سے کام لینے والے ہوتے تو دین و مذہب کے متعلق تمہارے مختلف راستے نہ ہوتے۔ تم مشرک، کافر، ملحد، منافق بن کر اس دُنیا میں نہ رہتے۔ کتاب خدا کے سمجھنے میں تمہارے اختلافات نہ ہوتے۔ انبیاءؑ سے برسرِ پیکار نہ ہوتے۔ تمہاری اس عقل کی کمزوری پر نظر رکھ کر ہی تو خدا نے بے شمار انبیاءؑ تمہاری ہدایت کو پے در پے بھیجے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾

ع ۹

اور سیدھی راہ دکھانا تو اللہ ہی کے ذمّہ ہے اور ان میں بعض راستے ٹیڑھے ہیں اور اللہ اگر چاہے تو تم سب کو منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ اللہ ہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے مینہ برسایا جس میں سے تم پیتے ہو اور اُس سے درخت شاداب ہوتے ہیں جن سے تم اپنے مویشی چَراتے ہو اور اُس پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، خرمے اور انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے اُس میں فکر

کرنے والوں کے لیے خُدا کی نشانی ہے۔

جس راستہ کی اللہ ہدایت کرے وہی سیدھا راستہ ہے اور یہی راستہ ہے جو اُس کے رسولؐ اور اُن کے اہلبیتؑ نے بتایا۔ اور بعض ٹیڑھے ہیں جیسے شرک۔ بعض کچھ ٹیڑھے ہیں کچھ سیدھے جیسے دیگر مذاہب۔ اگر اللہ چاہے تو سب کو سیدھے راستہ پر لگا دے مگر یہ اُس کی مصلحت کے خلاف ہے۔ اگر اللہ خود ہی سب کو صاحبِ ایمان بنا دیتا تو پھر انسانی عقل و فہم کی جانچ کیسے ہوتی اور ان کا اپنے عقاید و افعال میں خود مختار ہونا کیسے ثابت ہوتا۔

ان آیتوں سے پہلے خدا نے چوپاؤں کا ذکر کر کے اور ان کے کام یاد دلا کر انسان پر اپنے احسان کا اظہار کیا۔ اب اپنے اور احسانات بیان کرتا ہے۔ اُس کی ذاتِ پاک نے آسمان سے پانی برسایا جس کی وجہ سے زمین نے وہ گھاس اُگائی جسے جانور کھاتے ہیں درخت اُگائے جن سے انسان کی بے شمار ضرورتیں پوری ہوتی ہیں طرح طرح کی نباتات اُگائی جو انسان کی دوا اور غذا دونوں میں کام آتی ہے۔ اس نے کھیت لہلہائے اور غلّہ پیدا کیا۔ زیتون کا درخت اُگایا جس سے تیل حاصل ہُوا۔ خرما اور انگور جیسے میٹھے پھل پیدا ہوئے ان کے علاوہ اور طرح طرح کے پھل بھی درختوں میں لٹکتے نظر آئے۔

انسان کتنا بڑا ناشکرا ہے کہ خدا کی یہ سب نعمتیں کھائے چلا جاتا ہے مگر اس کے شکریہ کے لیے اس کے دل میں گنجائش نہیں۔ اُس کی زبان میں حرکت نہیں اس کے ہونٹ نہیں کُھلتے وہ دو رکعت نماز پڑھنا کیسا شکریہ کے دو لفظ الحمد للہ اور شکراً للہ بھی کہنا نہیں چاہتا۔

کیا یہ اُس کی قدرت کا شاہکار نہیں کہ جو پانی آسمان سے اس نے برسایا تھا زمین نے اس کو جذب کر کے کیا کمال دکھایا۔ ایک ہی پانی سے مختلف رنگ مختلف بُو، مختلف مزہ کے پھل پیدا کیے۔ ہر ایک کی شیرینی جدا، ذائقہ جدا۔ ہماری زبان میں یہ طاقت نہیں کہ پھلوں کی مٹھاس کے درمیان امتیازی خطوط کھینچ سکے۔ ہمارے پاس لے دے کے صرف ایک لفظ میٹھا ہے۔ گنّا بھی میٹھا، انگور بھی میٹھا، کھجور بھی میٹھی، آم بھی میٹھا، تربوز بھی میٹھا حالانکہ ان سب کی مٹھاس جدا جدا ہے۔ زبان فوراً بتا دیتی ہے کہ یہ مٹھاس فلاں پھل کی ہے لیکن اُس کے پاس وہ الفاظ نہیں جس سے یہ بتا سکے کہ انگور اور انجیر کی مٹھاس میں یہ فرق ہے۔ شکر اور آم کی شیرینی میں یہ تفاوت ہے۔ اسی طرح ہر پھل کی تاثیر الگ ہے۔ اس کے چھلکے کا اثر الگ ہے۔ اس کے اندر بیجوں کا نظام الگ ہے۔ ان کے گودے کی صورت الگ ہے ان کا رسیلا پن جدا ہے۔ غرض کس کی طاقت ہے کہ خدا کی صنّاعیوں کو لکھ سکے اور ان کے لحاظ سے اس کی حمد کر سکے۔ لیکن جتنا سمجھ میں آتا ہے کم سے کم اس کا اتنا ہی شکر تو ادا کر لے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ

فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۴﴾ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵﴾ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۱۶﴾

اُس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخّر کر دیا ہے یعنی اس کے حکم سے ستارے تمہارے فرمانبردار ہیں۔ اس میں عقلمند لوگوں کے لیے قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اور اس نے تمہارے فائدہ کے لیے زمین میں مختلف چیزیں پیدا کیں جن کے رنگ جُدا جُدا ہیں۔ اس میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں وہ وہی خدا ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخّر کیا تاکہ تم اس سے مچھلیوں کا تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور کی چیزیں (موتی وغیرہ) نکالو جنہیں تم پہنا کرتے ہو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ دریا میں (پانی کو) چیرتی پھاڑتی آتی جاتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل (نفع تجارت) کو تلاش کرو اور شکر کرو۔ اور اس نے زمین میں بھاری بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا تاکہ (ایسا نہ ہو) زمین تمہیں لے کر جھک جائے (اور تمہارے قدم نہ جمیں) اور اُس نے ندیاں اور راستے بنائے تاکہ تم اپنی منزل تک پہنچ سکو اس کے علاوہ راستوں میں اور بہت سی نشانیاں ہیں اور بہت سے لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں۔

- [illegible] چوپاؤں اور [illegible] وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد اب دُوسرے احسانات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے:
[illegible] رات اور دن کا آنا جانا ہے کیا ہی اچھا طریقہ رکھا ہے کہ دن بھر انسان اپنی معاش حاصل کرنے [illegible] رہے اور رات کو مزے سے پیر پھیلا کر سوئے۔ اگر یہ انتظام نہ ہوتا تو انسان کو اپنی زندگی وبال ہو جاتی [illegible] اعتدال کے ساتھ کم و زیادہ بنایا ہے تاکہ موسم کے لحاظ سے انسان معیّنہ اوقات سے

فائدہ اٹھائے تسخیر کا مطلب نہیں کہ رات دن کا گھٹانا بڑھانا انسان کے اختیار میں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس اندازہ کے ساتھ قدرت نے ان کی آمد و رفت رکھی ہے وہ اُس سے آگے پیچھے نہیں چلتے۔ قدرتی قانون کے مطابق اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ رات دن پر غالب آتی اور نہ دن رات پر۔ عقلمند آدمی کو سمجھنا چاہیئے کہ نظامِ حیاتِ انسانی کے حُسن و خوبی قائم رکھنے کے لیے رات اور دن کی یہ ترتیب کتنی مبنی برحقیقت ہے۔

پھر زمین کی رنگ برنگ کی پیداوار کی طرف انسان کی توجہ دلائی گئی ہے۔ ہزارہا قسم کی نباتات زمین سے اُگ رہی ہے لیکن سب کا رنگ سب کا قد سب کے پھول اور پھل ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ یہ امتیازی شان خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں پیدا کر سکتا۔ ہزارہا قسم کے پھول سُرخ و سبز اور زرد ہیں مگر کیا ممکن کہ ایک کا رنگ دوسرے سے مِل جائے یا ایک پتہ دوسرے کی مثل ہو جائے۔

اس کے بعد ایک اور احسان کا ذکر آتا ہے وہ ہیں سمندر اور دریا جن میں ہزارہا قسم کی مچھلیاں اور دیگر مخلوق پائی جاتی ہے انسان ان میں سے مچھلیاں پکڑ کر اپنی غذا بناتا ہے۔ پھر سمندروں میں غوطے لگا کر موتی نکال لاتا ہے اور ان کے ہار بنا کر پہنتا ہے انہیں زیوروں میں جڑواتا ہے اور اپنے بنی نوع پر فخر کرتا ہے۔ اس کے بعد کشتیوں کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کس طرح اُن پر سوار ہو کر انسان اپنا سامانِ تجارت ملکوں ملکوں میں لیے پھرتا ہے۔ سفر کر کے بڑے بڑے تجربے حاصل کرتا ہے۔ یہ اُس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ پانی کی موجیں ان کشتیوں کو بہائے لیے چلی جاتی ہیں۔ ہواؤں کا موافق بنانا اور موجوں کے تلاطم سے نکال کر پھر ساحل پر لگانا سب اُسی کے یدِ قدرت میں ہے۔

پھر پہاڑوں کا ذکر آتا ہے اگرچہ ان کے بیشمار فائدے ہیں لیکن یہاں صرف ایک ہی فائدہ بیان کرتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر یہ وزنی میخیں زمین کے دامنوں پر ٹکی ہوئی نہ ہوتیں تو زمین مع اپنے باشندوں کے کسی طرف کو جُھک جاتی، اور پھر جانداروں کو اس پر رہنا دشوار ہو جاتا۔

آخر میں اپنی ایک اور نعمت کا ذکر کرتا ہے وہ ہے ستاروں کی رہنمائی۔ ریگستانوں کو چٹیل میدانوں کو جہاں راستہ کا نشان ڈھونڈے نہیں ملتا، انہیں ستاروں کی رہنمائی سے انسان طے کرتا ہے۔ انہی کے ذریعہ سے بحری سفر طے ہوتے ہیں۔ انہی کی مدد سے وقت کا پتہ لگایا جاتا ہے سُبْحَانَہٗ مَا اَعْظَمَ شَانُہٗ۔

یہ سارا کارخانہ اسی لیے سجایا گیا ہے کہ انسان اپنے نظامِ حیات کو برقرار رکھ سکے اور اپنے معبُود کا شکر ادا کرے جس نے اپنی بیشمار صناعیوں کا اُس کے گرد انبار لگا دیا ہے۔ یہ ایک مستقل نظام ہے جو لاکھوں برس سے چلا آ رہا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک حکیمِ مطلق کا بنایا ہوا ہے۔

أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۷﴾ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ

اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿ؕ۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

تو کیا جو خدا مخلوقات کو پیدا کرتا ہے وہ ان بتوں کے برابر ہو سکتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اگر تم خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکتے بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اللہ وہ سب باتیں جانتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنائے ہوئے ہیں وہ تو کچھ پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود پیدا کیے ہوئے ہیں وہ تو مُردہ ہیں بے جان، انہیں تو اتنی بھی خبر نہیں کہ قیامت کب ہو گی۔

اپنی مختلف قسم کی نعمتوں کو یاد دلانے کے بعد مشرکوں سے کہتا ہے جو ان تمام چیزوں کا خالق ہے بھلا وہ ان بتوں کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جنہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔ یہ تو تھوڑی سی نعمتیں تھیں جن کا ذکر کیا گیا، باقی اللہ کی نعمتیں تو اتنی کثیر ہیں کہ تم ان کو شمار ہی نہیں کر سکتے۔ شمار تو جب کر سکو کہ ان سب نعمتوں کو تم سمجھ سکو۔ تم ان کو کھائے پیئے چلے جا رہے ہو اور ذرا اس پر غور نہیں کرتے کہ یہ نعمتیں کون دے رہا ہے تمہاری اس بے خبری اور خلاف ورزی کی سزا تو یہ ہوتی کہ وہ تم سے ان نعمتوں کو روک دیتا مگر وہ ایسا غفور و رحیم ہے کہ اس نافرمانی اور شرک پرستی پر بھی تم کو دیئے چلا جاتا ہے۔ اور اپنی کسی نعمت کو تم سے نہیں روکتا۔ یہ بے جان بت جن کی تم عبادت کرتے ہو اور جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے کیا انہوں نے کوئی ایک چیز بھی پیدا کی ہے۔ یہ کیا پیدا کرتے یہ تو خود خدا کی مخلوق ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ تم عقل و شعور سے کام ہی نہیں لیتے۔ اور اس کی تمہیں خبر ہی نہیں کہ قیامت بھی آنے والی ہے اور وہاں تمہاری اچھی طرح خبر لی جائے گی اور یہ تمہارے معبود تمہاری کچھ بھی مدد نہ کر سکیں گے بتاؤ اس وقت تم کیا کرو گے کسے پکارو گے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ؕ

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّا ذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ لِیَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

تمہارا معبود خدائے واحد و یکتا ہے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل میں انکار بس کر رہ گیا ہے اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔ خدا ضرور جانتا ہے ہر اس بات کو جسے یہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں وہ غرور کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جب ان سے پوچھا جائے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ (اسے کچھ بھی نہیں وہی) پرانے لوگوں کے قصے ہیں۔ کہنے دو قیامت کے دن اپنے گناہوں کے بوجھ بھی اُن کو اٹھانے پڑیں گے اور ان لوگوں کے بھی جن کو انہوں نے بے سمجھے بوجھے بہکایا ہو گا۔ دیکھو تو کیسا بُرا بوجھ یہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکاریاں کی تھیں تو دیکھو اللہ نے ان کے مکر کی عمارت کیسی جڑ سے اکھاڑ پھینکی اور اس کی چھت اوپر سے ان کے سروں پر آ رہی اور پھر جس عذاب کی انہیں خبر تک نہ تھی وہ بھی اُن تک آ پہنچا۔

پند و نصیحت کی منزلیں تو گزر چکیں اپنی نعمتوں کا ذکر سُنا دیا گیا اور ان سے جو فائدے انسانوں کو پہنچ رہے ہیں وہ بھی کان میں ڈال دیئے نافرمانی کے باوجود اپنی رحم کی عادت بھی بتا دی۔ اب آخر کار ان کے دلوں کے چھپے ہوئے بھید اور قیامت میں ان کی حالت اور ان پر عذاب کی صورت کا ذکر کر کے ہر طرح اپنی حجت تمام کر رہا ہے۔ ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد انسان کو اس کا اقرار کر لینا چاہیئے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور اس کا بھی کہ قیامت میں ایک ایک بات کی پوچھ گچھ ہو گی اور یہ کہ خدا کے مقابل غرور و تکبر چلنے والی چیز نہیں۔ خدا پر کوئی عمل چھپا ہوا نہیں چاہے ظاہر بظاہر کیا ہو یا چھپا کر۔ یہاں تو یہ کہہ دینا آسان ہے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کے قصے ہیں لیکن روزِ قیامت جب احکام خدا کو نہ ماننے کی سزا دی جائے گی اس وقت کیا ہو گا۔ گناہوں کا بھاری بوجھ ان پر لدا ہو گا اور نامۂ اعمال

گلے میں پڑا ہوگا اور ہر بات کا جواب طلب کیا جا رہا ہوگا۔ اپنے گناہ بھی گردن پر ہوں گے اور جن جن کو گمراہ کیا ہوگا ان کے بھی۔ سوچو تو یہ بار کتنا وزنی ہوگا اور اس کی جوابدہی تمہارے لیے کیا قیامت برپا کرے گی۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام ۶/۱۶۴) (آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا) تو پھر بہکانے والے ان کا بوجھ کیوں اُٹھائیں گے جن کو بہکایا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک کے بدلے دُوسرا اُس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ (النحل ۱۶/۲۵) کا مطلب یہ ہے کہ جن کو بہکایا ہے اُن کی گردنوں پر تو ان کا ذاتی بوجھ رہے گا ہی باقی اتنا ہی بوجھ بہکانے والوں کی گردنوں پر اور رکھا ہوگا۔

خدا کے منکر اور اس کی نافرمانی کرنے والے کان کھول کر سُن لیں کہ ان سے پہلے جن لوگوں نے شرک کیا تھا اور خدا کے رسولوں کو جھٹلایا تھا تو ان کو ان کے مکر کی جو سزا ملی تھی اسے کفارِ مکہ تم بھی اس عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ تمہاری ساری چالاکیوں اور مکاریوں کو بُری طرح خاک میں ملا دیا جائے گا اور ایسی بلائیں تم پر نازل ہوں گی جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں گی۔

بہرحال جو حق سمجھانے بُجھانے اور ڈرانے دھمکانے کا تھا وہ ہر طرح باحسن طریق ادا کر دیا گیا۔ اس پر بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو وہ جانے اور اس کا کام۔ یہ جو کچھ ان کو سزا ہوگی دُنیا ہی میں دیکھ لیں گے۔ اب رہا عذابِ آخرت، اس کا بیان آگے آتا ہے۔

ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُخْزِیْهِمْ وَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِیْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۷﴾

پھر روزِ قیامت خدا ان کو رسوا کرے گا اور کہے گا بتاؤ اب وُہ کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک بناتے تھے اور اہلِ ایمان سے ان کے بارہ میں جھگڑا کرتے تھے (وہ تو کیا جواب دیتے) مگر جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہیں گے کہ آج کے دن رسوائی اور خرابی سب کچھ کافروں ہی کے لیے ہے۔

الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓی اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾

(یہ رسوا ہونے والے) وہی کافر ہوں گے جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہوئے جب ملائکہ کے ہاتھوں پکڑے گئے تو (سرکشی چھوڑ کر) فوراً اطاعت پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے (ہم تو اپنے خیال میں) کوئی بُرائی نہیں کرتے تھے (فرشتے کہتے ہیں) ہاں جو کچھ تمہارے کرتوت تھے خدا اس سے خوب واقف ہے (اچھا بس اب) جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ یہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تکبّر کرنے والوں کے لیے کیسا بُرا ٹھکانہ ہے اور جب پرہیزگاروں سے پُوچھا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو کہتے ہیں اچھا ہی اچھا ہے جن لوگوں نے اس دُنیا میں نیکی کی ہے ان کے لیے یہاں بھی بہتری ہے اور آخرت کے گھر میں بھی ان کے لیے سلامتی ہے اور پرہیزگاروں کا گھر کیسا اچھا ہے۔ وُہ باغات ہیں جن میں وُہ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جو چاہیں گے ان کے لیے مہیا ہوگا۔ اللہ پرہیزگاروں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتا ہے۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ کفّار و مشرکین زندگانی دنیا میں تو برابر خدا کے مُنکر اور نافرمان بنے رہتے ہیں لیکن جب موت کا فرشتہ آکر گلا دباتا ہے تو اکڑ تکڑ سب بھُول جاتے ہیں اور خدا کی اطاعت پر آمادگی ظاہر کرنے لگتے ہیں اور اس وقت بھی دھوکا دینے کے لیے کہتے ہیں ہم نے کوئی بُرائی نہیں کی۔ فرشتے کہتے ہیں بس چُپ رہو تمہاری سزا یہ ہے کہ جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ یہیں تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قبضِ رُوح کے بعد اُس دوزخ میں داخلہ کا حکم کیوں ہوگا جس میں ہمیشہ

رہنا ہو گا۔ ایسا تو قیامت میں جرائم کے فیصلہ کے بعد ہونا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے اس سے مراد برزخی جہنّم ہے اور ہمیشہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (۱۵ج ۳۷) یعنی قیامت کے دن تک وہاں مُبتلائے عذاب رہیں گے۔

یہ تو مسلّم ہے کہ مرنے کے بعد انسان معدُوم محض نہیں ہو جاتا بلکہ نفس و رُوح دونوں جسمِ مادی سے جُدا ہو کر عالمِ برزخ میں جاتے ہیں اور وہاں ان کے لیے جزا و سزا ہے ان گناہوں کے متعلق جن کا تعلق خدا اور بندہ سے ہے اور جن کا تعلق بندہ کا بندوں سے ہے اس کا فیصلہ تو قیامت ہی میں ہوگا جب مدّعی اور مدّعا علیہ اور دونوں کے گواہ موجود ہو جائیں گے۔ جن لوگوں نے شرک باللہ کیا ہے یا کفرانِ نعمت کیا ہے یا عباداتِ الٰہی بجالانے میں کوتاہی کی ہے ان پر عذاب کا سلسلہ عالمِ برزخ سے شروع ہو جائے گا۔ اس عذاب کو نفسِ انسانی جھیلے گا کیونکہ وہ بدن کا مُدبر تھا اور جسم اس کو بطور آلہ کے دیا گیا تھا۔

کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ (۳/۱۸۵) سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ موت کا ذائقہ بھی نفس نے چکھا ہے یعنی وہ مرا نہیں بلکہ بدن کے جُدا ہونے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ اس کو ہوئی ہے بس وہی نفس رُوح کے ساتھ عالمِ برزخ میں رہے گا جب تک صور نہ پھونکا جائے اور میدانِ قیامت میں سب کو نہ بُلایا جائے۔

عذابِ قبر سے مراد اس عالمِ برزخ کا عذاب ہے ورنہ دو جگہ عذاب کیسا۔ قبر میں بھی اور برزخ میں بھی۔ عذابِ برزخ کو ہی عذابِ قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ برزخ کہاں ہے سوائے خدا اور رسولؐ اور آئمۂ طاہرینؑ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

انسان تین چیزوں کا نام ہے بدن۔ نفس۔ رُوح، ان کے لیے تین ہی عالم بنائے گئے ہیں۔ بدن کے لیے یہ عالم مادّی جسے دنیا کہتے ہیں۔ مرنے کے بعد یہیں چھوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ مادّیات ہی سے بنا تھا نفس کے لیے برزخی دنیا ہے جو برزخی مادہ سے ہی بنا ہوا ہے وُہ برزخ میں جاتا ہے۔ رُوح جو مدبر نفس ہے اس کے ساتھ رہتی ہے۔ پھر تیسرا عالم عالمِ حیات اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ہے جہاں موت نہیں۔ مرنے والوں کی جو صورتیں ہمیں خواب میں نظر آتی ہیں وہ برزخی مادہ کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہماری یہ مادی آنکھیں انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ عالمِ خواب میں جب ہمارا نفس ہمارے بدن سے الگ ہوتا ہے تو ہماری نفسی آنکھیں بے شک ان کو دیکھ لیتی ہیں۔ کیونکہ ہمارا نفس بھی برزخی ہوتا ہے۔ ہم جو نیکیاں مُردوں کے لیے کرتے ہیں وہ عالمِ برزخ میں ہمارے مُردوں تک پہنچتی ہیں اور ان کے لیے خوشی کا باعث بنتی ہیں اور تخفیفِ عذاب یا زیادتیِ ثواب کا بھی۔ اس لیے مُردوں کے ساتھ نیکیاں کرنے کا حکم ہے۔

الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ

اَوۡ يَاۡتِىَ اَمۡرُ رَبِّكَ‌ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ نَّحۡنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ ۚ فَهَلۡ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۳۵﴾

(یہ جزا دیتا ہے اللہ ان متقیوں کو) جن کی رُوحیں پاکیزگی کی حالت میں ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) جو کچھ تم نے عملِ خیر کیے ہیں (اس کے بدلہ میں) جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ اے رسول کیا اہلِ مکّہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے (قبضِ رُوح کو) آ ہی جائیں یا (ان کے ہلاک کرنے کو) تمہارے رب کا عذاب ہی آ پہنچے جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں وہ ایسی ہی باتیں کر چکے ہیں۔ خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے (بُرے کام کر کے) خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے ان کی سزا میں بُرے نتیجے ان کو ملے ہیں اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اس نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور مشرکین کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کی مرضی کے بغیر کسی چیز کو حرام کر بیٹھتے جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں ایسی بے تُکی باتیں وُہ بھی کر چکے ہیں۔ پیغمبروں کا فرض تو یہ ہے کہ وہ احکام کو صاف صاف طریقہ سے پہنچا دیں۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ جب یہ کفّار ہماری قدرت کی سب کچھ نشانیاں دیکھ چکے۔ تم ہر طرح اُن کو سمجھا چکے۔ پہلے لوگوں کے واقعات سُنا چکے تو اب انہیں دین اسلام قبول کرنے میں کس بات کا انتظار ہے کیا اس وقت

قبول کریں گے جب موت ان کے سر پر آکھڑی ہوگی یا عذاب ان کی گردن آدبائے گا۔ ان سے پہلے بھی لوگ اسی طرح کی لغو باتیں کیا کرتے تھے۔ عذاب نازل کرنے میں خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا یعنی بے وجہ کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنے اُوپر ظلم کیا یعنی کام ہی ایسے کیے کہ ان پر عذاب نازل کرنا ہمارے لیے ضروری ہوگیا۔ ہمارے احکام کا مذاق اڑانے کی سزا یہی تھی کہ ان لوگوں کو ہمارے عذاب نے گھیر لیا۔ اپنے کرتُوتوں کو تو دیکھتے نہیں اُلٹا الزام ہمارے اوپر لگاتے ہیں۔

مشرکوں کی اور سنیئے، کہتے ہیں خدا چاہتا تو ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت ہی نہ کرتے اور نہ حرام چیز کو حلال کرتے۔ ان پر خدا کی مار، اپنی حماقت کو ہمارے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے اگر تم سے یہ کام بجبر کرانا ہوتا تو بھلا ہمیں اپنے پیغمبر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کو صاحبِ عقل بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ آثارِ قدرت کی طرف توجہ دلانے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھی سادی بات تھی ایک ایک کی گردن پکڑ کر مسلمان بنا لیتے۔ لیکن ہم نے یہ کبھی نہیں چاہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ سمجھ بوجھ کر ہم پر ایمان لائیں۔ اپنی بھلائی برائی کو سوچیں اپنی عقل سے کام لیں کہ ایسا ایمان پختہ ہوتا ہے اور قابلِ جزا قرار پاتا ہے۔ ہم چاہتے تو یہی ہیں کہ ہمارے جتنے بندے ہیں، وہ ہم پر ایمان لے آئیں کسی کو ہمارا شریک قرار نہ دیں ہمارے احکام کی پابندی کریں ہمارے پیغمبرؐ کی اطاعت کریں مگر کسی کے گلے پر چھری رکھ کر نہیں۔ کیا عجیب بات ہے ہماری آڑ لے کر اپنے کو بچانا چاہتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو ملزم قرار دیتے اُلٹا ہمیں ملزم بنا رہے ہیں۔ ہمارا کام یہ تھا کہ اپنا رسول تمہارے پاس بھیجیں اور رسول کا کام یہ ہے کہ بے رُو رعایت ہمارے احکام کو صاف صاف تم سے بیان کردے۔ تمہاری مخالفت سے ذرا نہ ڈرے تمہارا فرض یہ ہے کہ کان لگا کر اس کی بات سنو، غور کرو۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہمارا عذاب عنقریب تم پر آکر رہے گا، جس طرح تم سے پہلی قوموں پر آتا رہا۔

قرآن کے متعلق تم کہتے ہو یہ ہے کیا پہلے لوگوں کے قصّے ہیں تم سے پہلے لوگ بھی ایسی ہی بے تُکی باتیں کر کے رُوگردانی کرتے تھے۔ ہم نے یہ قصّے عبث تو نہیں بیان کیے۔ تمہاری پند آموزی کے لیے بیان کیے ہیں۔ پہلوں کے قصّے اگلوں کے لیے عبرت آموز ہوتے ہیں۔ پہلوں کی بے عقلی سے سبق حاصل کیوں نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ إِنْ تَحْرِصْ

عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٣٧﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

ہم نے ہر امّت میں ایک رسول اس لیے بھیجا کہ وہ کہے اللہ کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت سے بچو پس اُن میں سے بعض کو تو خدا نے ہدایت کی اور بعض کے سر پر گمراہی سوار ہوگئی۔ پس رُوئے زمین پر سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ اے رسول اگر تم کو ان لوگوں کی ہدایت کی حرص ہے تو (بے فائدہ ہے کیونکہ) خدا ایسے شخص کو ہرگز ہدایت نہیں کرتا (جو نااہل ہو اُسے) گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور (عذاب سے بچانے میں) کوئی ان کا مددگار نہیں۔ خدا کی جتنی قسمیں ان کے امکان میں تھیں کھا کر کہتے ہیں خدا کسی کو مرنے کے بعد نہیں اٹھائے گا۔ (اے رسول تم کہہ دو ہاں ضرور ایسا ہوگا) اس پر اپنے وعدہ کی وفا لازم ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ (دوبارہ زندہ کرنا اس لیے ضروری ہے) کہ جن باتوں پر لوگ جھگڑا کرتے ہیں ان کے سامنے صاف طور سے واضح کردے اور کفّار یہ سمجھ لیں کہ وہ دُنیا میں جھوٹے تھے۔

خدا نے ہر امّت میں اپنا ایک رسول ضرور بھیجا تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے اور قیامت میں ان کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم اس لیے گمراہ ہوئے کہ ہمیں کوئی ہدایت کرنے والا نہ تھا۔ رسول کا یہ کام نہیں کہ وہ گھر گھر جا کر ہدایت کرے بلکہ اس کی مثال کنوئیں کی سی ہے۔ پیاسوں کو خود اس کے پاس آنا چاہیئے۔

ہمارے رسولؐ کی بڑی خواہش یہ تھی کہ تمام کفّارِ قریش مسلمان ہو جائیں۔ خدا فرماتا ہے جن بدبختوں سے خدا نے اپنی توفیق سلب کر لی ہے وہ کبھی مسلمان نہیں ہو سکتے چاہے تم کتنا ہی چاہو۔

مرنے کے بعد زندہ ہونے کا عقیدہ مشرکین کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ وہ رسولؐ سے اس مسئلہ میں برابر کج بحثی کرتے رہتے تھے۔ خدا کی قسمیں بڑے زور کے ساتھ کھا کھا کر کہتے تھے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اے رسولؐ، تم ہمیں ڈرانے کے لیے ایسا کہہ رہے ہو۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی مگر دے

اپنی قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور ضرور نکلیں گے ایسا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ خدا کے وجود کے متعلق جو لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان پر ثابت ہو جائے کہ خدا کا وجود ہے اور جن لوگوں نے رسول کو اور خدا کے احکام کو جھٹلایا ہے انہیں پتہ چل جائے کہ رسول نے جو کچھ کہا تھا وہ سب سچ تھا۔

امتوں کے واقعات کو قرآن میں پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ایک دو نہیں ہزارہا لوگ اس عقیدہ کے ماننے سے انکار کرتے تھے کہ موت کے بعد پھر لوگ زندہ کیے جائیں گے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک جسم گل سڑ کر راکھ ہو جانے کے بعد پھر کیسے زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔ قرآن ان کو سمجھا رہا ہے کہ جس خدا نے نیست سے ہست کیا ہے جو عدم سے وجود میں لایا ہے اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ جناب ابراہیمؑ کا بحکم خدا چار پرندوں کو ذبح کرنے کے بعد اور ان کا گوشت قیمہ کر کے مختلف پہاڑوں پر رکھنا اور اُن کی چونچ ہاتھ میں لے کر انہیں پکارنا اور ان میں سے ہر ایک کا گوشت دُھنکی ہوئی روئی کی طرح اُڑ کر آنا اور اپنی اپنی چونچ سے مل جانا اور پرندہ بن کر اُڑ جانا اس کا ثبوت ہے کہ یوں ہی قیامت میں جس جسم کے اجزا جہاں جہاں ہوں گے وہ اپنے اجزائے اصلیہ سے مل جائیں گے۔ یہ اجزائے اصلیہ خدا کے یہاں محفوظ ہیں اجزائے زائدہ ان کو پہچانتے ہیں۔

یہ دوبارہ زندہ کرنا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ ظالموں کو اُن کے ظلم کا بدلہ ملے اور مظلوموں کی فریاد رسی کی جائے اور دنیا میں جن کی فریاد کسی نے نہیں سُنی خدا اُسے سُنے۔ تیسرے اس لیے بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں نے احکامِ خدا کی پابندی کی اعمالِ خیر کی طرف متوجہ رہے ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دیا جائے۔ خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے کا بدلہ دنیا کی کسی نعمت سے نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہاں کی نعمتیں سب عارضی ہیں اور یہاں ہر آرام کے ساتھ تکلیف بھی لگی ہوئی ہے۔ ہر نیکی کا پورا پورا اجر جنت میں ہی مل سکتا ہے جہاں کی نعمتیں ایسی ہوں گی کہ نہ آنکھوں نے دیکھی ہوں نہ کانوں سے سُنی ہوں نہ دل و دماغ میں ان کا تصور آیا ہو۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾

ہمارا کہنا کسی شے کے لیے اتنا ہی ہوتا ہے کہ جب ہم کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں نے کفّار کے ظلم و ستم سہنے کے بعد خدا کی خوشی کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی ہم اُن کو ضرور دُنیا میں بھی اچھی جگہ آرام سے بٹھائیں گے اور آخرت کی جزا تو اس سے کہیں بہتر ہے کاش یہ لوگ جنہوں نے راہِ خدا میں سختیوں پہ صبر کیا اور اپنے رب پہ بھروسہ رکھتے ہیں اپنے ثواب کو جانتے ہوتے)۔ (اے رسول) ہم تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو پیغمبر بنا بنا کر بھیجا کیے جن کو ہم وحی کرتے تھے۔ (تم اہلِ مکّہ سے کہو کہ) اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر (عالموں سے) پوچھو (اور ان پیغمبروں کو بھیجا بھی) تو روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ اور تمہارے پاس قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو احکام لوگوں پر ان کے متعلق نازل کیے گئے ہیں ان کو صاف صاف بیان کردو تاکہ وہ لوگ کچھ غور و فکر کریں تو کیا وہ لوگ جو بڑی بڑی مکاریاں کرتے تھے ان کو اس بات کا اطمینان ہو گیا ہے اور یہ خوف نہیں رہا کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا اس کی طرف سے ان پر عذاب آپہنچے جس کی ان کو خبر تک نہ ہو یا ان کو چلتے پھرتے اللہ کا عذاب گرفتار کرلے اور وہ خدا کو زیر نہیں کرسکتے یا وہ عذاب سے ڈرتے ہوں تو اس حالت میں ان کو پکڑلے بے شک تمہارا اللہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

کُنْ فَیَکُوْنُ کے متعلق ایک دہریہ کا یہ اعتراض ہے کہ جب کوئی چیز موجود نہ تھی تو کُن کا خطاب کس سے کیا گیا۔ اگر موجود تھی تو پھر فیکون کہنا کیا معنی رکھتا ہے اور اس کی خلق کا ارادہ کیا۔

جواب یہ ہے کہ جو چیز پیدا کرنا چاہتا ہے اس کا علم خدا کو ہوتا ہے، اسی علم سے اس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے اس کو پیدا کرنے میں کسی ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ارادہ کے ساتھ ساتھ ساز و سامان خود بخود پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کا ارادہ ہمارا سا ارادہ نہیں کہ اگر کسی چیز کو بنانا چاہیں تو پہلے سے اس کے لیے سامان مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا ارادہ ہی خلق ہے۔ خلق اور ارادہ کے درمیان کوئی منزل نہیں۔

ہمارے رسولؐ سے پہلے بھی جن انبیاء و مرسلین کو اس نے ہدایت کے لیے بھیجا انہیں مردوں کی صورت میں بھیجا اور ان پر اپنی وحی نازل کی۔ اگر فرشتہ کو بھی رسول بنا کر بھیجا جاتا تو مرد ہی بنا کر بھیجتا۔ جیسا کہ فرماتا ہے وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا..... (۶/۹) - فرشتہ غیر جنس ہے اس سے لوگ مانوس نہیں ہوسکتے تھے، دوسرے بشری نظامِ حیات کو فرشتہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے اندر وہ قوتیں اور جذبات نہیں ہوتے جو انسانوں میں ہوتے ہیں۔ رہا عورت کا رسول بنا کر نہ بھیجنا تو اس کی کئی وجہیں ہیں۔ اوّل یہ کہ تبلیغ میں جن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے عورت اُسے برداشت نہیں کرسکتی۔ دوسرے عورت صاحبِ حسن و جمال ہوتی ہے لوگ اس پر عاشق ہو کر اس کے حکم کی تعمیل کرتے لیکن اس طرح نہ تو فرضِ رسالت پورا ہوتا اور نہ ہی عشاق کے ہجوم میں وہ فتنہ و فساد کے کانٹے ہٹا کر اپنے تبلیغی فرائض انجام دے سکتی۔ تیسرے مرد کی بہ نسبت وہ عقل کی کمزور ہوتی ہے اس لیے وحی کا تعلق اس سے نہیں ہوسکتا تھا۔

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ... (۱۶/۴۳) - (تم اہلِ ذکر سے پوچھو) یعنی کفار سے کہا جارہا ہے جب تمہاری سمجھ میں بات نہیں آتی تو جو صاحبانِ ذکر ہیں ان سے پوچھو وہ تمہارے شکوک رفع کردیں گے۔

جن مفسرین نے اہلِ ذکر سے مراد علمائے اُمت لیے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اگر ذکر سے مراد قرآن ہے تو اُمتِ رسولؐ میں کون سا عالم ایسا ہوا ہے جو تمام قرآن کا علم رکھتا ہو۔ جو کچھ کہے اس کے متعلق بھی یقین سے نہیں کہا جاتا کہ وہ سب صحیح ہے۔ قرآن میں تو جابجا خدا نے لفظ ذکر سے حضرت رسولؐ کو مراد لیا ہے چنانچہ ایک جگہ فرماتا ہے قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ... (۶۵/۱۰، ۱۱) پس جب رسولؐ ذکر ہیں تو لا محالہ اہلِ ذکر سے مراد حضرتؐ کے اہلبیتؑ ہوئے جو معصوم ہیں۔

اسی بنا پر معاویہ بن عمار ذہبی نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے اس آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا ہم اہلِ ذکر ہیں۔ (فصول المہمہ) اور سعید ابن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہی ہیں کہ باوجود اس کے کہ نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں مگر منافق کے منافق ہیں کسی نے پوچھا یا رسولؐ اللہ ایسے شخص میں نفاق کیوں کر داخل ہوا۔ فرمایا اس وجہ سے کہ وہ اپنے امام پر طعن کرتا ہے۔ اس کو برا کہتا ہے حالانکہ اس کا امام وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ سے ذکر فرمایا ہے۔ (درمنثور سیوطی) - منقول از ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب۔

لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہمیں صرف کتابِ خدا کافی ہے۔ اگر یہ کلام صحیح مان لیا جائے تو پھر رسولؐ

مولانا مودودی تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۵۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔
کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی۔
نبی کی تشریح و تبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لیے ناکافی ہے اس لیے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر بجائے خود کافی قرار دیں مدعی سُنت کی حمایت میں گواہ چُست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی۔ اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی رُو سے ثابت ہوجاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ صرف ذکر کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ کوئی اس ذکر کا سمجھانے والا نہ ہو۔ پس جب رسولؐ دنیا میں نہ ہوں تو یہ ضرورت باقی رہے گی۔ لہٰذا رسولؐ اللہ نے اس ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیتؑ کو کیا۔ آپؐ کے اہلبیتؑ کا سلسلہ چونکہ قیامت تک رہے گا لہٰذا ہر زمانے میں اہلِ ذکر ایک ضرور پایا جائے گا۔ اُمت کا فرض ہوگا کہ قرآن کے سمجھنے میں جب کوئی دقت ہو تو انہی سے پوچھے ورنہ گمراہی یقینی ہے۔
اسلام میں تہتّر فرقے صرف اس وجہ سے بنے کہ لوگوں نے اہل الذکر سے تعلق منقطع کرلیا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ السجدة

کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوقات میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کا سایہ کبھی داہنی طرف اور کبھی بائیں طرف پلٹا کرتا ہے (گویا) خدا کے سامنے سربسجود ہے اور سب اطاعت کا اظہار کرتے ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنے جانور زمین میں ہیں سب خدا کے آگے سربسجود ہیں اور ملائکہ بھی جو کبھی سرکشی نہیں کرتے اپنے پروردگار سے جو اُن سے برتر و اعلیٰ ہے ڈرتے ہیں اور جو حکم دیا جاتا ہے بجا لاتے ہیں۔

سایوں کے سجدہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ جن چیزوں کا سایہ پڑتا ہے وہ سب خدا کی مخلوق ہیں اور جو اس کی مخلوق ہے اس کا عاجزی سے سربسجود ہونا لازمی ہے۔ چوپاؤں کے بھی سر جھکے ہوتے ہیں۔ ملائکہ جیسی عظیم الشان مخلوق

بھی اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے اور حدیث میں ہے کہ بعض ملائکہ خوفِ خدا سے ایسا کانپتے ہیں کہ جب سے پیدا ہوئے ہیں سجدہ میں ہیں اور قیامت تک سجدہ ہی میں رہیں گے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔــرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾

خدا نے کہا، دو معبود مت بناؤ۔ خدا تو بس ایک ہی ہے پس مجھی سے ڈرتے رہو۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بس اللہ ہی کا ہے اور خالص فرمانبرداری اسی کی لازم ہے کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے بھی ڈرتے ہو، جو نعمتیں بھی تمہارے پاس ہیں سب اللہ ہی کی تو دی ہوئی ہیں۔ جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اللہ ہی سے تو فریاد کرتے ہو لیکن جب وہ مصیبت تم سے دُور ہو جاتی ہے تو تم میں سے کچھ لوگ خدا کا شریک بنانے لگتے ہیں تاکہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کریں (اچھا دنیا میں چند روز) چین کر لو پھر عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا (کہ اس ناشکری کا نتیجہ کیا ہوا)۔ جو روزی ہم نے

دو خدا مت بناؤ

ان کو دی ہے اس میں سے یہ لوگ بتوں کا حصہ بھی نکالتے ہیں جنہیں جانتے تک نہیں۔ اپنی ذات کی قسم جو افترا پردازیاں تم کرتے ہو قیامت میں اس کے متعلق تم سے پوچھ گچھ ضرور ہوگی۔ یہ لوگ اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں سبحان اللہ خدا اس سے پاک ہے اور اپنے لیے وہ چاہتے ہیں جس کے وہ خواہشمند ہیں یعنی بیٹے۔

خدا فرماتا ہے، دو خدا مت بناؤ، اللہ تو بس ایک ہی ہے۔ اس سے ڈرنا چاہیئے۔ مشرکین نے معبود تو بہت سے بنا ڈالے تھے۔ عرب کے مشرکین تین سو ساٹھ بتوں کو سجدہ کرتے تھے مگر یہاں دو خداؤں کا ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب دو خداؤں کے ہوتے نظامِ عالم مختل ہو جائے گا تو زیادہ کا ذکر ہی کیا۔ ایک سلطنت میں ایک ہی بادشاہ حکومت کر سکتا ہے اسی طرح اس تمام کائنات کا مدبّر و منتظم ایک ہی ہے اگر دو ہوتے تو یا تو وہ ہر معاملہ میں متفق الرائے ہوتے پس ایسی صورت میں دو کی ضرورت کیا ہوتی اور اگر مختلف الرائے ہوتے تو آپس میں جھگڑا ہوتا۔ ایک کہتا میں سورج مشرق سے نکالوں گا دوسرا کہتا میں مغرب سے نکالوں گا۔ ایک کہتا میں پانی برساؤں گا، دوسرا کہتا میں نہ برساؤں گا۔ اس نزاعی صورت میں سارا کام بگڑ کر رہ جاتا۔

آسمانوں کی مخلوق ہو یا زمین کی سب ایک ہی خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے جیسا چاہا ویسا بنا دیا۔ وہ کبھی بدلا نہیں کیونکہ ہر شے کی خلقت مبنی بر مصلحت و حکمت ہے۔

جو نعمتیں تم کو اس دنیا میں حاصل ہیں سب خدا کی دی ہوئی ہیں تمہارے بتوں کا ان میں کوئی دخل نہیں کیونکہ وہ صاحبِ قوت و اختیار ہی نہیں۔ جو اپنے منہ سے مکھی نہیں اڑا سکتے جو بت شکنوں کے حربہ کو نہیں روک سکتے وہ بھلا تمہیں کیا دیں گے۔ ان کے پاس ہے ہی کیا جو تم کو دیں۔ تم نے چاہے انہیں جو کچھ سمجھ لیا ہو لیکن حقیقتاً تو وہ کچھ بھی نہیں۔

بت پرست کہتے ہیں ہماری دعائیں ہمارے دیوی دیوتا پوری کرتے ہیں۔ تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ جو دعائیں تم کرتے ہو وہ تمہارا خدا ہی پوری کرتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو بار بار اس کے پیغمبر آئے وہ اس کے وجود کا ثبوت بھی دیتے رہے اور یہ بھی بتاتے رہے کہ وہ دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہارے بتوں کے پاس سے کون آیا اور کس نے بتایا کہ بت تمہاری دعائیں قبول کرتے ہیں۔ سب کی دعائیں تو قبول کرنے والا وہی معبودِ برحق ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے دعا قبول تو وہ کرتا ہے تم اسے بتوں کے سر منڈھ دیتے ہو۔ وہ اس لیے ان کو بھی دیتا ہے کہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے تو ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لی ہے، وہ مہلت دے رہا ہے کہ عقل سے کام لے کر شاید کسی وقت میرا اقرار کر لیں۔

اپنی توحید اور الوہیت کا ایک واضح ثبوت بیان کر رہا ہے وہ یہ کہ جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو تم گڑگڑا کر خدا ہی سے دعا مانگتے ہو۔ تمہارا ضمیر اسی کی طرف لپکتا ہے اسی کو مشکل کشا اور حاجت روا جانتے ہو۔ تام

اس کا جاہے کچھ رکھ لو مگر تمہارا دل نجات کا خواہاں ایک ایسی قوت سے ہوتا ہے جس سے بالاتر کوئی قوت نہیں لیکن جب تمہاری مصیبت دُور کر دی جاتی ہے تو تم میں ایسے ناشکرے اور احسان فراموش بھی ہیں جو کہنے لگتے ہیں کہ فلاں دیوی یا دیوتا نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائی ہے۔ اس سے زیادہ ناشکری اور کیا ہوگی کہ جو ہم دیتے ہیں تم اس کا دینے والا دوسروں کو قرار دیتے ہو۔ خیر تم اس شرک کی حالت میں کچھ دن دُنیا میں مزے اُڑا لو۔ بہت جلد تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تمہارا کیا بُرا حشر ہُوا۔ جو جھوٹے خدا بنا رہے ہیں اس کے متعلق ایک دن تم سے سوال ضرور ہوگا اور تم کو اس افترا پردازی کی سزا ضرور دی جائے گی۔

عرب کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ خدا فرماتا ہے کیا خوب تم تو بیٹیوں سے متنفر ہو کر پیدا ہوتے ہی اُنہیں زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہو اور جب بیٹا پیدا ہوتا ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے مگر خدا کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے ہو یعنی خدا ایسا گیا گزرا ہے کہ اُسے وہ لڑکیاں پسند ہیں جن کو تم نفرت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ خدا کی ذات واحد و یکتا ہے اس کے نہ لڑکا ہے نہ لڑکی۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

ع ۱۷/۱۳

(زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی یہ حالت تھی) جب کسی کو لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو رنج سے اُس کے چہرہ کا رنگ کالا پڑ جاتا تھا اور وہ زہر کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا۔ اس خبر کو باعثِ ننگ و عار سمجھ کر وہ اپنی قوم سے چھُپا چھُپا پھرتا تھا اور اس فکر میں رہتا کہ آیا اُسے ذلت کے ساتھ زندہ رہنے دے یا زندہ ہی کو زمین میں دبا دے۔ ہائے یہ کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو بُری باتیں انہی کے لیے مناسب ہیں اور خدا کی شان کے مناسب تو اعلیٰ صفتیں ہیں وہ غالب و حکمت والا ہے۔ اگر خدا نافرمانیوں کی بنا پر لوگوں کو گرفتار کرتا تو روئے زمین میں ایک جاندار کو بھی باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک وقتِ خاص تک تاخیر کرتا ہے۔ پس جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ آگے ہوتا ہے نہ پیچھے۔

زمانۂ جاہلیت میں یہ رسمِ بد جاری تھی کہ اگر کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تو وُہ اُسے اپنے لیے باعثِ عار سمجھتا اس لیے کہ ان کی غیرت یہ تقاضا نہیں کرتی تھی کہ ان کی بیٹی کسی غیر کے قبضہ میں دی جائے اور وہ کسی کو اپنا داماد بنائیں۔ اگر از راہِ شفقتِ پدری زندہ رکھتا تو قوم میں ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ورنہ وہ پیدا ہوتے ہی گڑھا کھود کر اس میں دبا دیتا۔ اسلام نے اس رسمِ بد کا انسداد کیا اور لڑکیوں کو ماں باپ کے اس ظلم سے آزادی نصیب ہوئی۔ یہ کتنا بڑا احسان تھا نوعِ انسانی پر۔

اللہ کے لیے کوئی مثل نہیں یعنی شریک فی الذات نہیں۔ اس کی صفات بہت بلند و بالا ہیں۔ عین ذات ہیں۔ کسی دوسرے میں یہ صفات عین ذات ہو کر نہیں پائی جاتیں۔ انبیاء و ائمہ میں جو صفات پائی جاتی ہیں وہ اس کی صفات کا عکس ہیں یعنی خدا نے ان کو اپنی صفات کا مظہر بنا کر بھیجا تھا تاکہ لوگوں کو اس کی صفاتِ کمالیہ اور جلالیہ کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ مثلاً وہ عالم ہے۔ علم اس کے لیے عین ذات ہے انبیاءؑ کو جو علم دیا جاتا ہے وہ داخل فی الذات ہوتا ہے۔ عین ذات نہیں ہوتا بلکہ پیدائش سے قبل اُن کے اندر داخل کیا جاتا ہے۔ اس کو علم وہبی کہتے ہیں۔

انسان جس قدر خدا کی نافرمانیاں کرتا ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ فوراً سب کی گردن مروڑ دیتا۔ انہیں ہلاک کر دیتا، ان کی روزی بند کر دیتا، ان کی صحت چھین لیتا، ان کے راحت و آرام میں خلل ڈال دیتا مگر وہ ایسا کرتا نہیں۔ ایک وقتِ خاص تک مہلت دیتا ہے کہ وہ سمجھیں اور اپنی سرکشی سے باز آئیں۔ آخر جب نہیں مانتے تو پھر موت کا فرشتہ ان کے سامنے آکھڑا ہوگا جو دم بھر کی مہلت نہیں دے گا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موت تو سب ہی کو آتی ہے نیکوں کو بھی اور بدوں کو بھی اور مہلت پھر نہ اچھوں کو ملتی ہے نہ بُروں کو۔ تو پھر فرق کیا ہُوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ موت تو سب کو آنی ہے لیکن کہا یہ جارہا ہے کہ جو سرکش ہیں ان کو وہ موت آنے سے پہلے ہی ہلاک کر سکتا ہے لیکن وہ ایک وقتِ معیّن تک ڈھیل دیئے رہتا ہے۔ آخر جب ان کی موت کا وقت آ ہی جاتا ہے تو پھر ان کی ساری سرکشی ختم ہو جاتی ہے۔ اس حد پر پہنچ کر ان کی ساری شیخی کرکری ہو جاتی ہے۔ اور انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ خدا کے حکم کے خلاف ان کا کوئی زور اب نہیں چل سکتا۔ موت کا وقت غریب و امیر سب کے لیے یکساں ہے۔ کسی زور، کسی طاقت، کسی تدبیر سے وہ ہٹائے نہیں ہٹ

سکتا ورنہ آخرت کا خوف لوگوں کے دل سے نکل جاتا اور نظام حیاتِ انسانی میں خلل پڑ جاتا۔ اس لیے خدا نے اس میں تاخیر کو روا نہیں رکھا۔ اس کا حکم امیر و غریب، جوان و پیر، مرد و عورت سب کے لیے یکساں ہے۔ کوئی امتیازی شان نہیں تاکہ اس نہ ٹلنے والے وقت کے خوف سے لوگ نیکیوں کی طرف متوجہ رہیں۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ
لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ
أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي
اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾

یہ مشرکین جو باتیں اپنے لیے پسند نہیں کرتے ان کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنی زبان سے جھوٹے دعوے کرتے ہیں کہ آخرت میں ان کے لیے بھلائی ہے (بھلائی تو نہیں مگر) ہاں ان کے لیے جہنم کی آگ ضرور ہے۔ اور یہی لوگ سب سے پہلے اس میں جھونکے جائیں گے۔ اے رسول، خدا کی (اپنی) قسم تم سے پہلے بھی امتوں کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے اعمالِ بد کو ان کی نظر میں اچھا کر دکھایا وہ آج بھی ان لوگوں کا سرپرست بنا ہوا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ تم واضح طور پر ان چیزوں کو بیان کر دو جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے۔

رسولؐ کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ پہلی اُمتوں میں جو رسول ہم نے بھیجے شیطان نے ان کی ہدایات کو بھی قبول کرنے سے روکا تھا اور وہ اس طرح کہ لوگ جو بُرے کام کرتے تھے شیطان ان کو یہ پٹی پڑھاتا تھا کہ تمہارے سب کام اچھے ہیں ڈٹے رہو کیے جاؤ۔ پیغمبر جو کچھ اُن کے خلاف تم سے کہتے ہیں وہ غلط ہے۔ پس اے رسولؐ، اسی طرح شیطان اب بھی بہکا رہا ہے۔ خیر اُن کو کرنے دو جو کچھ یہ کر رہے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے جس سے یہ بچ نہیں سکتے۔

لوگوں میں مسائلِ دین میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور جہالت سے فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں تو ہم نے یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ تم ان کے اختلافات مٹا کر جو صحیح راستہ ہے وہ ان کو بتاؤ اور گمراہی سے ان کو بچاؤ۔

وَاللَّهُ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم
مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾
وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا
حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ
أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ
كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِن
بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اس سے مُردہ زمین میں جان ڈالی اس میں سُننے والوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے اور چوپاؤں میں بھی تمہارے لیے بڑی عبرت کی بات ہے ہم تمہیں ان کے پیٹوں سے جن میں گوبر اور خون بھرا ہے خالص دُودھ پلاتے ہیں اور جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔ اسی طرح کھجور کے اور انگوروں کے پھلوں سے ایک چیز تمہیں دیتے ہیں جن سے کبھی تم شراب بنا لیا کرتے ہو اور پاک رزق بھی۔ سمجھدار لوگوں کے لیے اس میں خدا کی قدرت کی نشانی ہے۔ اے رسول تیرے رب نے

شہد کی مکھی کو یہ وحی کر دی کہ پہاڑوں ، درختوں اور ٹٹیوں میں اپنے چھتّے بنا پھر ہر طرح کے پھلوں (کے بُور سے) ان کا عرق چُوس پھر اپنے پروردگار کی راہوں میں تابعداری کے ساتھ چلی جا۔ ان مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (شہد) ، جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں کی (بیماریوں کی) شفا بھی ہے۔ فکر کرنے والے لوگوں کے لیے اس میں قدرت خدا کی نشانی ہے۔

ان آیات میں خدا نے اپنے بندوں کو جو اُسے بھُولے پڑے ہیں اپنی عجیب و غریب صنعتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(۱) مینہ برسا کر مُردہ زمین کو جاندار بنایا یعنی جس زمین میں نباتات اگانے کی طاقت کم ہوگئی تھی یا بالکل جاتی رہی تھی مینہ برسا کر اس میں از سرِ نو جان ڈال دی۔ وہی پانی جو زمین سے اُٹھ کر آسمان پر گیا تھا اور بادلوں کی صورت میں اِدھر اُدھر چکّر لگا رہا تھا خدا نے اُوپر ہی اُوپر اس کے اندر کچھ ایسی قوتیں بھر دیں کہ مینہ برستے ہی زمین سبزہ سے لہلہاتی نظر آنے لگی اور طرح طرح کی جڑی بُوٹیاں ، پھول اور پھل نکلنے شروع ہو گئے۔

(۲) پھر چوپاؤں کی طرف توجہ دلائی گئی۔ خدا کی یہ مخلوق گھاس پات ، پھل پھلاری۔ گلی سڑی چیزیں اور نہ معلوم کیا کیا چیزیں کھا کر اپنا پیٹ بھرتی ہے۔ ان کے پیٹ میں جاتے ہی قدرت اپنی صنّاعی دکھانے میں مصروف ہوتی ہے۔ ان کی غذاؤں کو دُودھ میں تبدیل کر کے ان کے تھنوں سے نکالتی ہے جسے انسان مزہ لے لے کر پیتا ہے۔ اور اس دُودھ سے طرح طرح کی غذائیں بناتا ہے اپنے بچّوں کو پلاتا ہے تو ان کی نشو و نما ہوتی ہے کیا یہ اس کی قدرتِ کاملہ کا عجیب و غریب نمونہ نہیں۔

(۳) پھر پھلوں پر غور و خوض کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ کھجُور کو دیکھو کہ یہ دُنیا میں ایک نرالا درخت ہے جس گٹھلی سے پیدا ہوتا ہے وہ پتھر کی طرح سخت ہوتی ہے۔ زمین اس کو ملائم بنا کر شگافتہ کرتی ہے پھر اس سے درخت کو نکالتی اور بڑھاتی ہے۔ ایسے ریگستانوں میں لہلہاتی ہے جہاں پانی کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ اس کی کچھ خاصیتیں انسانوں سے ملتی ہیں مثلاً اس میں نر و مادہ ہوتے ہیں۔ نر کا زیرہ جب مادہ کے گُچھے میں جاتا ہے تو پھل پیدا ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ قدرت نر درخت کے ساتھ مادہ کو بھی رکھتی ہے۔ دوسرے اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو پھر کبھی پھل اس میں نہیں لگتا گویا مُردہ ہو جاتا ہے۔ اہلِ عرب کی زندگی کا بڑا دار و مدار اس پر ہے۔ یہی وہ درخت ہے جس کے متعلق رسول ؐ نے فرمایا ہے۔ اَکْرِمُوْا عَمَّتَکُمُ النَّخْلَۃَ۔ (تم اپنی پھوپی کھجور کی عزت کرو) گویا اپنے کنبہ میں اس کے مفید ہونے کی وجہ سے داخل کر لیا ہے۔

(۴) اس کے بعد انگور کو لو، کیسا لطیف، نفیس اور خوش ذائقہ پھل ہے۔ نہایت مقوی دل و دماغ غذا ہے۔ اس سے شراب بنا کر لوگ پیتے ہیں، سرکہ بھی بناتے ہیں۔

(۵) پھلوں کے بعد ایک چھوٹی سی مخلوق کی طرف توجّہ دلائی گئی ہے یعنی شہد کی مکھی۔ اس کے کمالات دیکھ کر

عقلِ انسانی چکرا جاتی ہے۔ خدا نے اس کو وحی کی یعنی اشارہ کیا یا اس کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ یہ وحی وہ نہیں جو انبیاءؑ کو ہوتی ہے بلکہ اس کا تعلق غیر انبیاءؑ سے بھی ہے جیسے جناب موسیٰؑ کی والدہ کو وحی کی تھی وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (اَلقصص ۲۸/۷) "ہم نے مادرِ موسیٰ کو وحی کی کہ موسیٰ کو دُودھ پلاؤ" یا آسمانوں کو وحی کی۔ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (حٰمٓ السّجدۃ ۴۱/۱۲)۔ مکھی کو وحی یہ ہوئی کہ پہاڑوں ، درختوں پر اپنے چھتّے لگا اور پھُولوں کا رس چُوس۔

کوئی جانور اس شان سے اپنے رہنے کے لیے گھر نہیں بناتا جس شان سے یہ مکھی بناتی ہے۔ چھ دڑے چھوٹے خانے اس شان سے بناتی ہے کہ ایک انجینئر اپنے پیمانہ و پرکار سے بھی بمشکل بنا سکتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی خانہ لمبائی چوڑائی اور اُونچائی میں بال بھر تو کم و زیادہ ہو جائے۔ اس تعمیر میں بیشمار مکھیاں حصّہ لیتی ہیں لیکن سب ایک ہی اُستاد کی سکھائی ہوتی ہیں جن کے بنانے کا ایک ہی انداز ہوتا ہے۔ ان خانوں کے درمیان آنے جانے کے راستے ہوتے ہیں۔ ان کے بادشاہ کے لیے جسے یعسوب کہتے ہیں سب خانوں کے بیچ میں ایک بڑا خانہ ہوتا ہے یہ بادشاہ جسامت میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔ بیچ میں شہد کا ذخیرہ کرنے کے لیے علیحدہ خانے ہوتے ہیں۔

مکان کی تعمیر کے لیے یہ مکھیاں پہلے موم کی حاجتمند ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایسے ہی پھلوں یا پھُولوں پر بیٹھتی ہیں جہاں سے ان کو موم حاصل ہو۔ قدرت کا کرشمہ دیکھو جو رس پھلوں اور پھولوں سے چُوستی ہیں اُسے اپنے اندر سے بجائے شہد کے موم بنا کر نکالتی ہیں۔ اسی سے ایسا مضبُوط گھر بناتی ہیں کہ کتنے ہی زور کی آندھی چلے یا موسلا دھار پانی برسے ان کے چھتّے کو نقصان نہیں پہنچتا۔ یہی موم کا مسالہ ہے جس سے وہ کسی درخت کی شاخ میں اس مضبوطی سے اپنا چھتّہ لٹکاتی ہیں کہ وہ سخت سے سخت جھٹکے سے نہیں گرتا۔ جب مکانات تیار ہو جاتے ہیں تو پھر شہد جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اب یہ خوشبودار پھولوں اور رسیلے پھلوں پر بیٹھتی ہیں اور ان کا رس چُوستی ہیں۔ قدرت کی اس چھوٹی سی مشین کے اندر وہ رس جا کر شہد بن جاتا ہے۔ اُسے لے کر وہ چھتّہ میں آتی ہیں اور اس کو اپنے منہ سے نکال کر خزانہ میں جمع کرتی رہتی ہیں۔ اس کی حفاظت کے لیے پہرہ دار الگ ہوتے ہیں جب کوئی مکھی چھتّہ میں داخل ہونا چاہتی ہے تو پہرہ دار اس کا منہ سونگھتا ہے اگر کسی بُو دار کڑوے پھل پھُول پر بیٹھ کر آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے تو اس کا سر کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔ اگر کوئی شہد لینے کے لیے ان کے چھتّہ پر حملہ کرتا ہے تو بادشاہ کے حکم سے وہ سب خزانہ کا شہد اپنے پیٹ میں بھر کر اُڑ جاتی ہیں اور حملہ آور کو کچھ نہیں ملتا۔ ہاں اگر حملہ بہت جلد ہو جائے اور ان کو اپنا ذخیرہ ساتھ لے جانے کا موقع نہ ملے تو دوسری بات ہے۔ تاہم جتنا لے جا سکتی ہیں لے جاتی ہیں۔ غور کیجئے کیا عجیب و غریب نظام ہے کیا یہ قدرت کی صنعت کا شاہکار نہیں۔

پہاڑ ہوں یا درخت یا ٹٹیاں یہ اپنا چھتّہ اتنے بلند مقام پر بناتی ہیں جہاں دشمن کا ہاتھ آسانی سے نہ پہنچ سکے۔ بعض مقامات پر پالتو مکھیوں سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مٹکوں کے اندر ان کے چھتّے ہوتے ہیں ان کے لیے گھروں کے پاس خوشبودار پھولوں کی پھلواریاں اُگائی جاتی ہیں وُہ مٹکوں سے نکل کر وہاں جاتی ہیں اور رس چُوستی ہیں

اور وہاں سے پھر اپنے اپنے مٹکے میں آجاتی ہیں کیا ممکن کہ کوئی مکھی کسی دُوسرے مٹکے میں چلی جائے۔ جب شہد بہت سا
جمع ہوجاتا ہے تو گھر کا مالک کوئی برتن نیچے رکھ کر چھتہ میں سوراخ کر دیتا ہے جس سے شہد ٹپکتا رہتا ہے۔

غور کرو ایک چھوٹے سے جانور کو خدا نے کیسی عقل دی ہے۔ آدمی بھی بعض اوقات اپنا گھر بھول جاتا ہے لیکن
وہ کبھی نہیں بھولتی۔ بتاؤ یہ عقل اُسے کس نے دی ہے۔

(۶) اس کے بعد شہد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کیسی لذیذ غذا ہے۔ مکھی کی قے ہے مگر انسان کس شوق سے اُسے
چاٹتا ہے اس کے غرور کا سر نیچا کرنے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے۔ شہد بہت سی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔ مقوّیِ
قلب بھی ہے۔ سبحانہ ما اعظم شانہٗ۔ خدا ان سب باتوں کی طرف صاحبانِ فکر کو دعوتِ غور و خوض دیتا ہے۔

حضرت رسولِ خدا نے امیر المؤمنینؑ کو یعسوب الدین کا لقب دیا ہے یعنی اُن سے بہتر دین کا انتظام کوئی نہیں کر
سکتا۔ جس طرح مکھیاں اپنے خزانہ سے خود کچھ نہیں کھاتیں بلکہ ان مکھیوں کو کھلاتی ہیں جو یا تو بوڑھی ہوجاتی ہیں یا کسی
صدمہ سے ان کے پَر جھڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح امیر المؤمنین بیت المال سے خود کبھی اپنے لیے ایک پائی نہیں لیتے
تھے بلکہ اس کو بیواؤں، یتیموں اور محتاجوں کا حق سمجھتے تھے۔ جس طرح غلط رس چُوسنے والی مکھیوں کو چھتہ کے
اندر داخلہ ممنوع تھا اسی طرح امیر المؤمنینؑ کی سلطنت میں حرام خوروں۔ غلط کاروں اور سرکشوں کو آزادی نصیب نہ تھی۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ
لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ
عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱

ع ۹ / ۵ / ۱۵

اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے پھر وہی تم کو دُنیا سے اُٹھا لے گا تم میں سے بعض ایسے ہیں جو ذلیل زندگی (بڑھاپا)
کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانیں۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا
اور قدرت رکھنے والا ہے اور اللہ نے رزق میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے پس وہ لوگ
اپنی روزی میں سے ان لوگوں کو جن پر ان کا دست رس ہے (غلام لونڈی) دینے والے نہیں حالانکہ
اس مال میں تو سب کے سب (مالک و غلام) برابر ہیں تو کیا یہ لوگ خدا کی نعمت کے منکر ہیں۔

یہ قدرت کا قانون ہے کہ جس قدر انسان کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر اُس کے قوائے جسمانی کمزور
ہوتے جاتے ہیں اور عقل کی چمک بھی ماری جاتی ہے جس سے انسان سٹھیا جاتا ہے۔ اور جو کچھ سیکھا تھا بھولتا جاتا
ہے یہاں تک کہ بچّہ اور بوڑھا برابر ہوجاتا ہے۔ جس طرح مشین کے پُرزے کام کرتے کرتے گھس جاتے ہیں اور
پھر ناکارہ ہوجانے کی وجہ سے مشین بند ہوجاتی ہے اسی طرح آدمی بھی جوں جوں سن رسیدہ ہوتا جاتا ہے اپنے فرائض
انجام دینے سے معذور رہتا جاتا ہے اس کے بعد اُسے دُنیا سے اُٹھا لیا جاتا ہے۔

ذرا اس پر بھی غور کرو اللہ جن کو دولت زیادہ دے دیتا ہے وہ اپنے کنیز و غلام کو اس میں شریک نہیں
سمجھتے اور ان کی ضرورتوں کو پُورا کرنے میں کشادہ دلی سے کام نہیں لیتے حالانکہ خدا نے جو دولت لوگوں کو دی
ہے۔ اس میں یہ بیچارے بھی شریک ہیں۔ جس خدا نے ان کو مالدار بنایا ہے وہ ان غریبوں کو بھی مالدار بنا سکتا ہے
اور ان مالداروں کو ذلیل حالت میں رکھ سکتا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ
وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝۷۲ۙ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۷۳ۚ فَلَا
تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷۴ ضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا
حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

اللہ نے تمہارے لیے تم ہی میں سے تمہاری بیبیاں بنائیں اور تمہاری بیبیوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے

دیئے اور پاک چیزوں کا رزق نہیں دیا تو کیا اس پر بھی وُہ باطلی قوتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کے منکر ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر اُن کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں سے کسی چیز کے رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ یہ کام اُن کے کرنے ہی کا ہے۔ اللہ کے لیے مثالیں نہ گڑھو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اللہ نے ایک مثال دی ہے ایک بندہ غلام ہے جو کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے جسے ہم نے اچھی خاصی روزی دے رکھی ہے وہ اس میں سے بظاہر بظاہر اور خفیہ دونوں طرح راہ خدا میں خرچ کرتا ہے تو کیا یہ دونوں برابر ہیں (ہرگز نہیں) الحمد للہ (کہ وہ بھی اس کے مقر ہیں) ان میں سے بہت سے تو اتنا بھی نہیں جانتے۔

انسان کی خانگی زندگی کا سارا لُطف بی بی بچّوں پر منحصر ہے۔ بتاؤ اگر ہم تمہیں یہ نعمتیں نہ دیتے تو تم اکیلے کیا کرتے۔ کام کاج سے فارغ ہو کر جب سُونے گھر میں آتے تو وحشت ہوتی یا نہیں۔ نہ بچّے ہوتے جن سے دل بہلا سکتے نہ بی بی ہوتی جو تمہارے راحت و آرام کا ذریعہ بنتی۔ پس اکیلے گھر میں پڑے یا مکھیاں مارتے یا پھر چُپ چاپ پڑے اپنی قسمت کو روتے۔ پھر ہم نے تمہیں اچھے سے اچھے کھانے دیئے ہیں۔ اس احسان کا تم نے ہمیں کیا بدلہ دیا۔ یہ دیا کہ تم باطل کی طرف جُھک پڑے اور ہماری نعمتوں کے مُنکر بن گئے بلکہ ان کو اپنے بُتوں کے عطیات سمجھنے لگے تم نے کبھی اس پر غور نہ کیا کہ جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اُن بیچاروں کی مقدرت کیا ہے۔ وہ آسمان و زمین میں سے کسی چیز کا رزق بھی تم کو نہیں دے سکتے۔ دے تو جب سکتے کہ اُن میں کوئی قوت ہوتی۔ وہ تو کسی مرض کی دوا ہی نہیں پھر تم ان سے کیوں لَو لگائے بیٹھے ہو۔ تم اللہ کے لیے مثالیں نہ دیا کرو۔ کون سی چیز اللہ کی مثل ہے جسے تم مثال میں لاتے ہو تم تو بادشاہوں، وزیروں اور راجوں مہاراجوں کے چکّر میں پھنسے ہوئے ہو جن تک تمہاری رسائی بڑی سعی اور سفارش سے ہوتی ہے۔ ان کے درباری ہر وقت انہیں گھیرے رہتے ہیں۔ یہ تو خدا کی مخلوق ہیں پھر خدا اُن جیسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ وزیروں، مشیروں اور درباریوں کے حلقہ میں نہیں رہتا۔ اس کا ہر بندہ اگر اس سے ملنا چاہے تو مل سکتا ہے جو مانگنا چاہے مانگ سکتا ہے جب اس کے دربار میں آنا چاہے آ سکتا ہے۔

اچھا ہم ایک مثال سے تمہیں سمجھاتے ہیں۔ ذرا سمجھو، ایک ایسا غلام ہے جو دوسرے کا تابعدار ہے اور اس کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں وہ خدا کی راہ میں کچھ نہیں خرچ کر سکتا۔ دوسرا وہ ہے جسے ہم نے دولت دی ہے اور وہ راہِ خدا میں بظاہر بھی اور چھُپا کر بھی خرچ کرتا ہے بتاؤ کیا یہ دونوں برابر ہیں اگر جواب میں اس کا اقرار کرتے ہو کہ برابر نہیں تو ہمارے رسولؐ کہیں گے الحمد للہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی اور تم کو تردید کی ہمت نہ ہوئی اور خاموش ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ خدا اور بندہ کا مقابلہ کیا۔ بندہ مجبورِ محض، بے بضاعت۔ خدا مالکِ کُل، تم دونوں کو مقابلہ میں کیسے لاتے ہو۔ کہاں خالق کہاں مخلوق۔ بادشاہوں وغیرہ سے اس کی مثال دینا تمہاری حماقت ہے لیکن اکثر لوگ اس فرق کو سمجھتے ہی نہیں۔ جو بکو اس چاہتے ہیں کر دیتے ہیں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾

ع ۱۰ / ۱۶

دوسری مثال

خدا ایک دوسری مثال بیان کرتا ہے، دو آدمی ہیں ایک اُن میں سے بالکل گُونگا بہرا ہے اور پھر غلام ہے بات کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وُہ اپنے مالک کو دُوبھر ہو رہا ہے اُسے جدھر بھیجتا ہے کبھی بھلائی نہیں لاتا۔ کیا ایسا غلام اور وہ شخص جو لوگوں کو عدل کا حکم کرتا ہے اور وہ خود بھی صحیح راستہ پر قائم ہے دونوں برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں)۔ آسمان و زمین کی چھُپی ہوئی باتیں خدا ہی کے لیے مخصوص ہیں اور قیامت کا واقع ہونا تو ایسا ہے جیسے پلک جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلد تر، بے شک خدا ہر شے پر قادر ہے۔

پہلی مثال میں خدا نے یہ بتایا کہ خدا اور بندوں کی مثال اُس غلام و آقا کی سی ہے کہ غلام کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اب دوسری مثال میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایک شخص کا غلام بہرا اور گونگا ہے۔ آقا جو کچھ اس سے کہتا ہے وہ سُنتا اور سمجھتا ہی نہیں۔ آقا حکیم و عادل ہے، سیدھے راستہ پر ہے پس یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ کہاں خُدا کہاں یہ اندھے گونگے بہرے بُت جو نہ کسی کی بات سنتے ہیں نہ اپنے منہ سے کچھ کہتے ہیں۔ بالکل نکمے۔ پھر لوگ ان کو خدا کا مقابل کیوں بتاتے ہیں۔ اب اس کے بعد ان لوگوں کی بات کا جواب دیا جا رہا ہے جو کہتے تھے کہ قیامت آخر کب آئے گی اور کیسے آئے گی۔ فرماتا ہے آئے گی اور ضرور آئے گی اور پلک جھپکتے آ جائے گی۔

تاکہ تم نہ کچھ غور کر سکو نہ اُس سے بچنے کی تدبیر کر سکو۔ خدا ہر شے پر قادر ہے وہ ایسا ہی کر سکتا ہے کہ تم دیکھتے ہی رہ جاؤ گے اور وہ تم پر چھا جائے گی۔ جلدی نہ کرو، وہ آنے ہی والی ہے۔ تم اُسے دُور سمجھتے ہو لیکن خدا کے نزدیک تو قریب ہے۔ ایام شماری میں تمہارا حساب اور ہے اور خدا کا حساب اور ہے۔ تمہارا سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے اس کے یہاں ایک دن ایک ہزار برس کا ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور تمہیں (سوچنے سمجھنے کے لیے) کان۔ آنکھیں اور دل دیئے تاکہ تم خدا کا شکر ادا کرو۔ کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ آسمان کے نیچے ہوا میں گھرے ہوئے ہیں (اُڑ رہے ہیں)۔ خدا کے سوا انہیں گرنے سے کون روکتا ہے۔ اسی میں ایمان لانے والوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں۔ اور خدا نے تمہارے گھروں کو تمہارا مسکن قرار دیا اور اُس نے تمہارے واسطے چوپاؤں کی کھالوں سے تمہارے ہلکے پھلکے ڈیرے بنائے جنہیں تم سُبک پاکر اپنے سفر و حضر میں کام میں لاتے ہو اور ان کی اُون اور

رُوؤں اور بالوں سے ایک خاص وقت (قیامت) تک کے لیے بہت سے سامان اور کار آمد چیزیں بناتے ہو۔

ف بُتوں کی نااہلی کا ذکر کرنے کے بعد پھر اپنے احسانات کا ذکر کرتا ہے۔

(۱) خدا ہی تو ہے جس نے تمہیں ماؤں کے پیٹ سے نکالا۔ غور کرو، ولادت کا معاملہ کتنا سخت تھا۔ تم ایک اندھیری کوٹھڑی میں پڑے تھے۔ خدا نے ہی تم کو انسانی شکل دے کر ایک نہایت تنگ راستہ سے باہر نکالا۔ اور تم اس حالت میں نکلے کہ نہ ماں کو پہچانتے تھے نہ باپ کو۔ خدا نے تمہارے پیدا ہونے سے پہلے ہی تمہاری غذا کا بندوبست کر دیا تھا اور تمہیں غذا حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور یہ کام کر سکتا تھا۔ پھر خدا نے تم کو کان دیئے سُننے کے لیے، آنکھیں دیں دیکھنے کے لیے اور دل دیا بات کو سمجھنے کے لیے اور ارادوں کو حرکت دینے کے لیے۔ کیا یہ احسانات ایسے ہیں کہ تم خدا کی خدائی کا ذکر نہ کرو اور اس کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بناؤ۔

(۲) کیا تم اپنی آنکھوں سے خدا کی قدرت کا یہ کرشمہ نہیں دیکھتے کہ مابین زمین و آسمان پرندے ہوا میں کیسے پھُر پھُر اُڑتے پھرتے ہیں۔ خدا کے سوا ان کو زمین پر گرنے سے کون روکے ہوئے ہے۔

(۳) اچھا اسے جانے دو جن گھروں میں تم رہتے ہو کیا اُن کو نہیں دیکھتے۔ تم نے جو یہ شاندار کوٹھیاں خوبصورت بنگلے کئی کئی منزل اونچی عمارتیں بنا کھڑی کی ہیں، بتاؤ اُس کے بنانے کا سامان کس نے مہیا کیا۔ یہ پتھر کس کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ درخت کس کے اُگائے ہوئے ہیں۔ یہ شیشے کے سامان یہ لوہے کے دروازے اور کھڑکیاں یہ فرش فروش آخر کس کے خزانہ سے تم کو ملے ہیں۔ یہ سب خدا کی ہی تو مخلوق ہے۔ پھر تم اُسے اپنا معبود کیوں نہیں مانتے۔

(۴) اچھا اور سُنو، یہ چوپائے کس کی مخلوق ہیں۔ خدا ہی کی تو ہیں جن کی کھالوں سے تم چھوٹے بڑے خیمے بناتے ہو۔ ان کو سفر حضر میں ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہو۔ ان کی اُون سے ان کے رُوئیں سے ان کے بالوں سے کیسے کیسے شاندار اور خوبصورت کپڑے بناتے ہو اور طرح طرح کے سامان تیار کرتے ہو۔ کیا یہ سب چیزیں تمہارے بتوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ کیا تمہارے دیوی دیوتاؤں کی کارگزاریاں ہیں۔ سوچو سمجھو اور شرماؤ۔ اور خدا کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بناؤ۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ

أَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿۸۳﴾

اور خدا ہی نے تمہارے آرام کے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور اس نے پہاڑوں میں (تمہارے چھپنے کے لیے) غار بنائے اور تمہارے لیے ایسی پوششیں بنائیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور ایسے لباس جو میدانِ جنگ میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ اسی طرح خدا اپنی نعمتیں تم پر تمام کرتا ہے۔ تاکہ تم اس کی فرمانبرداری کرو۔ اگر یہ لوگ ایمان سے رُوگردانی کریں تو اے رسول تمہارا کام ہمارے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر بھی انکار کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے بہت سے ناشکرے ہیں۔

خدا اپنی نعمتوں کے بیان کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے ہم نے تمہارے آرام کے لیے گھنے درختوں اور پہاڑوں کے لمبے لمبے سائے پیدا کیے تاکہ گرمی کے دنوں میں تم درختوں کی چھاؤں میں اور بحالتِ سفر پہاڑوں کے سایہ میں آرام سے بیٹھو، سوؤ اور جو کام چاہو کرو۔

اس کے علاوہ ہم نے تمہیں ایسے لباس دیئے کہ گرمی کی شدت سے محفوظ رہو۔ جن ملکوں میں سخت گرمی پڑتی ہے اور لُو چلتی ہے وہاں کے لوگ جب گھر سے نکلتے ہیں تو پگڑیاں سر پر باندھتے ہیں کوئی کپڑا سر اور گردن پر ڈالتے ہیں چادروں سے بدن لپیٹتے ہیں تب ان کی جان بچتی ہے۔ اور لڑائی کے میدانوں میں اپنی حفاظت کے لیے زرہ بکتر سے کام لیتے ہیں۔ سوچو تو یہ سب نعمتیں خدا نے تمہیں کیوں دی ہیں۔ محض اس لیے کہ تم اس کے فرماں بردار بندے بن کر رہو مگر تم ہو کہ سب کچھ دیکھتے ہوئے سب چیزیں کام میں لاتے ہوئے پھر بھی اکڑے رہتے ہو۔ ہم تمہارے محتاج نہیں۔ ہمارے رسولؐ کا کام تو یہ ہے کہ وہ ہمارے احکام تم تک پہنچا دے۔ اگر نہیں مانتے تو اس کا وبال بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ فَأَلْقَوْا

إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿۸۶﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾

جس روز ہم ہر گروہ میں اُن میں کا ایک گواہ لا کھڑا کریں گے تو پھر نہ تو اُن لوگوں کو جنہوں نے کُفر کیا ہے بات کرنے کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ استغفار کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جب سرکشی کرنے والے لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے تو نہ تو ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔ جب وہ لوگ جنہوں نے خدا کا شریک دوسروں کو بنایا تھا ان شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب یہی تو وہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے۔ وہ ان کو صاف جواب دے دیں گے کہ یہ جھوٹے ہیں اور اس دن یہ سب خدا کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے اور ساری افترا پردازیاں رفوچکر ہو جائیں گی۔

مطلب یہ ہے کہ بُت پرست جب خدا کے سامنے یہ بیان کریں گے کہ یہی وُہ بُت ہیں جن کو ہم تیرا شریک قرار دے کر پکارا کرتے تھے تو وُہ شریک کہیں گے ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ تم ہمیں اپنا مشکل کشا سمجھ کر پکارو۔ ہمیں تو خبر بھی نہیں کہ تم کیا کہہ کر ہمیں پکارتے تھے اور ہم سے کیا چاہتے تھے۔ ایسی صورت میں کوئی الزام ہم پر لگانا غلط ہے۔ قیامت کے دن خدا کے سامنے کوئی بات بنائے نہ بنے گی۔ وہاں کسی کا جھوٹ نہ چلے گا۔ مشرکین کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم سخت دھوکہ میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہو۔ وہاں کوئی تمہارا معاون مددگار نہ ہو گا۔

اَلَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلٰى هٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۸۹﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور لوگوں کو راہِ خدا پر چلنے سے روکا اُن کی مفسدہ پردازیوں کی وجہ سے ہم ان پر عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے۔ اور وہ دن یاد کرو جب ہم ہر گروہ میں سے انہی میں کا ایک گواہ (قیامت میں) لا کھڑا کریں گے اور اے رسول تم کو اُن لوگوں پر اُن کے مقابل گواہ بنا کر لائیں گے۔ ہم نے جو کتاب تم پر نازل کی ہے اس میں ہر چیز کا بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے سرتاپا رحمت اور خوش خبری ہے۔

روز قیامت میں جب کفار کوئی عذر پیش کریں گے تو ان کی مفسدہ پردازی کو ثابت کرنے کے لیے انہی میں سے کچھ گواہ ان کی کذب بیانی کو ثابت کریں گے اور سب سے بڑھ کر گواہ خود رسولؐ ہوں گے۔ کتابِ خدا (قرآن) جس میں ہر شے کا بیان تھا اور ہر امر کے متعلق ہدایت تھی ان کو سُنا دی گئی تھی مگر اس پر بھی یہ ایمان نہ لائے۔ البتہ جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئے ان پر خدا کی رحمت نازل ہو گی اور جنّت کی بشارت ان کو دی جائے گی۔ قرآنِ حکیم میں بے شک ہر شے کا بیان ہے یعنی فلاح دنیا و آخرت کے لیے جتنی باتیں ضروری ہیں اس میں سب کا بیان ہے۔ خواہ وہ مادی ہوں یا رُوحانی۔ اخلاقی ہوں یا معاشرتی۔ تمدّنی ہوں یا سیاسی۔ لیکن ان سے ہر شے کا اخذ کرنا ہر شخص کا کام نہیں، صرف وہی لوگ ایسا کر سکتے ہیں جو مکتبِ مِنْ لَدُنْ کے تعلیم یافتہ اور راسخون فی العلم ہیں یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ

فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾

اللہ حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا اور رشتہ داروں کو دینے کا اور منع کرتا ہے بدکاری ناشائستہ حرکات اور سرکشی سے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ جب تم قول و قرار کر لیا کرو تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو پکّا ہو جانے کے بعد نہ توڑا کرو درآنحالیکہ تم خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُسے ضرور جانتا ہے اور تم (قسموں کے توڑنے میں) اس عورت جیسے نہ بنو جو اپنا سُوت مضبُوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ تم اپنی قسموں کو آپس کے معاملات میں مکر و فریب کا ذریعہ بناتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کر فائدہ حاصل کرے حالانکہ اس عہد و پیمان کے ذریعہ سے اللہ تمہیں آزمائش میں ڈالتا ہے وہ ضرور قیامت میں تمہارے اختلافات کی حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

یہاں سے انسان کے اخلاق پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے یعنی مِل جُل کر رہنے کا ضرورتمند ہے پس ناگزیر ہے کہ اس کے معاشرہ کے لیے کوئی قانون ہو تاکہ آپس میں ان کا میل جول قائم رہے اور ایک دوسرے سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرے فتنہ و فساد کی کوئی صورت پیدا نہ ہو تاکہ امن و سکُون سے ہر شخص اپنی زندگی کے کاروبار کو چلا سکے۔ ان آیات میں چند باتوں پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہی معاشرہ کی جان ہے۔

(۱) **عدل**: اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔ اور اُن کے باہمی معاملات میں انصاف سے کام لیا جائے۔ اگر اس کا لحاظ نہ ہو گا تو ضرور اس معاشرہ میں فتنہ و فساد کو راہ مِل جائے گی۔ ہر شخص اپنے حقوق کی نگہداشت اور باہمی تنازعہ میں انصاف سے فیصلہ چاہتا ہے۔ جن کو کسی معاشرہ میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو وہ عدل سے کام لیں۔

(۲) **احسان**: لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا بھی لازم ہے تاکہ مُحسن کی طرف اُن کے دل کھنچے جائیں محبت کا نقش دوسروں کے دل پر اس وقت تک قائم نہیں ہوتا جب تک نیکی نہ کی جائے۔ ایک بیمار کی عیادت اس کی ضرورت کو پورا کرنا۔ ایک غلام کو آزاد کرنا۔ ایک مقروض کا قرض ادا کرنا۔ ایک مصیبت زدہ کی تکلیف دُور کرنا۔ ایک جاہل کو تعلیم دینا وغیرہ محبت کی مقناطیس ہیں ایسے لوگوں کا وقار بلند ہوتا ہے اور قوم ان کو عزّت و وقعت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

(۳) **صلۂ رحم**: یعنی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا، اُن کی ضرورتوں کو پُورا کرنا، شادی و غم میں

ان کے شریکِ حال رہنا۔ محبّت کے ساتھ ان سے ملنا جُلنا۔ اگر یہ تینوں باتیں معاشرہ میں پائی جائیں تو وُہ معاشرہ جنّت نشان اور باعثِ سکون و اطمینان بن جائے گا۔

۔ اس کے بعد اُن چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے جو معاشرہ کے لیے زہر ہیں :

(١) **بدکاری** : اگر کسی معاشرہ میں بدکار لوگ پائے جاتے ہیں جیسے زناکار، چور، ڈاکو، ظلم پسند۔ تو وہاں آئے دن لوگوں کو مصائب و آلام کا سامنا ہوگا لہٰذا ایسے لوگوں سے معاشرہ کو پاک بنانے کے لیے جو تدابیر ہوسکتی ہیں وُہ عمل میں لائی جائیں۔ خدا نے بدکاری سے منع کیا ہے بس اس کو عمل میں لانے والا خدا کا باغی بندہ ہے۔

(٢) **فحشاء** : اس سے بھی خدا نے روکا ہے یعنی ایسی ناشائستہ حرکات کرنا جو انسانی تہذیب کے خلاف ہیں۔ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا۔ افترا پردازی کرنا، جھوٹی گواہی دینا، کسی بے گناہ پر الزام لگانا۔ ایسی بُری عادتیں ہیں جو انسان کو معاشرہ میں ذلیل بناتی ہیں۔ خدا ان سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔

(٣) **بغاوت** : خدا سے بغاوت ہو یا بندوں سے جہاں کہیں اس کا غبار اُڑے گا سکون و اطمینان وہاں سے رخصت ہوجائے گا۔ خدا سے بغاوت شرک و الحاد ہے۔ بندوں سے بغاوت مُلکی قانون شکنی ہے اور معاشرہ کے آداب سے رُوگردانی ہے۔

(٤) **وعدہ خلافی** : خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر کسی وعدہ کو توڑ دینا، بندوں سے کوئی عہد کر کے اس کے خلاف کرنا پستیِ اخلاق کی بدترین مثال ہے۔ یہ تو خدا اور بندوں کو کُھلا دھوکا دینا ہے۔ اس کی خدا نے ایک مثال دی ہے کہ ایک عورت اپنا سُوت کاتتی ہے اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہے۔ اس صُورت میں اُس نے اپنا ہی نقصان کیا۔ اسی طرح وعدہ خلافی کرنے والا خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے یعنی اس کی ذات پر سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے اور پھر وُہ اس سے کوئی معاملہ نہیں کرتے۔

بہت سے لوگ دُنیا میں ایسے ہیں کہ فوقیت و برتری حاصل کرنے کے لیے خدا سے نڈر ہو کر سب کچھ کر جاتے ہیں ان کو سمجھنا چاہیئے کہ خدا ان کا امتحان لے رہا ہے۔ روزِ قیامت ان تمام اختلافات کی جو لوگوں نے یہاں پیدا کر رکھے ہیں جانچ پڑتال ہونی ضروری ہے۔

اسلام سے قبل عرب والوں کا یہ پسندیدہ طریقہ تھا کہ آج ایک قوم سے معاہدہ کیا کل اُسے توڑ کر دُوسری قوم سے کرلیا۔ نتیجہ یہ تھا کہ رات دن تلوار چلتی رہتی تھی۔ خدا نے سختی کے ساتھ ان کو منع کیا ہے کیونکہ اگر مسلمان ایسا کرتے تو لوگ اسلام کے پاس بھی نہ پھٹکتے۔ کیونکہ بدعہدی سے سب ڈرتے ہیں۔ اس صورت میں اسلام کی ترقی رُک جاتی۔ حضرت رسولؐ خدا جن قبائل سے معاہدہ کرلیتے تھے تاوقتیکہ وہ خود نہ توڑیں اپنی طرف سے کبھی نہ توڑتے تھے۔ تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاۤءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۤءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾

اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی گروہ کا بنا دیتا مگر وہ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے جو کچھ تم دُنیا میں کرتے ہو اس کی باز پُرس ضرور کی جائے گی۔ تم اپنی قسموں کو آپس کے فساد کا سبب نہ بناؤ تاکہ لوگوں کے قدم جمنے کے بعد اسلام سے اُکھڑ نہ جائیں اور تمہیں قیامت میں لوگوں کو خدا کی راہ میں روکنے کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھنا پڑے اور تمہارے لیے وہ بڑا سخت عذاب ہو۔

خدا اس پر قادر ہے کہ جتنے لوگ اس نے پیدا کیے ہیں ان سب کو ایک ہی دین پر قائم رکھتا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا اگر سب خدا کے بنائے ہُوئے خدا پرست ہوتے تو پھر جزا و سزا بیکار اور جنّت و دوزخ عبث ہو جاتے کیونکہ جیسا خدا نے بنا دیا بن گئے۔ اس نے تو دین کا معاملہ ہر شخص کی عقل و فہم پر چھوڑ دیا ہے جو نیکی کی طرف مائل ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے اور جو کفر کو پسند کرتا ہے خدا اُسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے پھر اس سے بھی اپنے بندوں کو آگاہ کرتا ہے کہ جو کچھ تم اس دُنیا میں کر رہے ہو روزِ قیامت اس کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا۔ تم بحیثیت مسلمان اپنے معاہدوں پر قائم رہو ورنہ جو مسلمان ہوئے ہیں وہ تمہاری بدعہدی سے گھبرا جائیں گے اور پھر اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جائیں گے کیونکہ تم میں اور کافروں میں ان کو کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ خدا کی راہ میں آنے والوں کے لیے یہ رُکاوٹ تمہارے لیے عذابِ عظیم کا باعث بن جائے گی۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

مَنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾

اللہ کے عہد کو تھوڑے سے فائدے کے لیے نہ بیچ ڈالو اور اگر تم جانتے ہو تو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ جو تمہارے پاس ہے وُہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جو لوگ صبر سے کام لینے والے ہیں ہم ان کو ان کے اعمال سے بھی زیادہ اجر دیں گے جو نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اگر وہ مؤمن ہے تو ہم اس دُنیا میں بھی ان کو پاکیزہ زندگی دیں گے۔ اور آخرت میں بھی ان کو اعمال کا بہترین اجر ملے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی قسمیں کھا کر تھوڑے سے مال کے لالچ میں اپنی قسمیں توڑ دیتے ہیں وُہ اپنے حق میں بُرا کرتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو جو اجر خدا ان کو دے گا وہ اس سے کہیں زیادہ ہوگا جسے وہ دُنیا میں حاصل کر رہے ہیں۔ جو بدلہ قسم توڑنے کا لوگے وہ کے دن کھاؤگے چند روز بعد وہ ختم ہو ہی جائے گا لیکن جو بدلہ خدا دے گا، وہ تو ابدالآباد تک باقی رہے گا۔ اسی طرح صبر کرنے والوں کے لیے بھی خدا کے یہاں بڑا اجر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عملِ صالح کرنے والے مرد ہوں یا عورتیں، کان کھول کر یہ بات سُن لیں کہ اگر وہ مومن ہیں تب تو دُنیا و آخرت دونوں جگہ ان کے لیے بھلائی ہے ورنہ بے ایمان کے لیے ہمارے یہاں کوئی اجر نہیں چاہے کتنا ہی نیک عمل کرے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾

جب قرآن پڑھو تو اللہ سے شیطان مَردُود کے متعلق پناہ مانگو۔ جو لوگ ایمان والے ہیں اور اللہ پر توکّل کرتے ہیں اُن پر شیطان کا غلبہ نہیں ہوتا۔ اس کی حکومت تو انہی لوگوں پر ہے جو اُسے دوست بنائے ہوئے ہیں اور جو لوگ اُسے خدا کا شریک بناتے ہیں۔ اے رسول جب ہم ایک آیت کے بدلے دوسری آیت نازل کرتے ہیں تو حالانکہ خدا نازل کرتا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ کیا نازل کرے مگر یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ تم نے یہ قرآن خود گڑھ لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے خود ہی نہیں جانتے۔ تم کہدو کہ رُوح القدس (جبریل) نے تمہارے رب کی طرف سے حق نازل کیا ہے تاکہ جو ایمان لاچکے ہیں انہیں ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے تو سرتا پا ہدایت و خوشخبری ہے۔

یعنی جب قرآن پڑھتے ہو تو پہلے یہ کہو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ شیطان جو لوگوں کو گمراہ کرنے پر تُلا ہُوا ہے نہیں چاہتا کہ لوگ پُورے خلوص اور توجّہ سے قرآن پڑھیں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھیں لہٰذا وُہ ان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے تاکہ پڑھنے سے ان کا دل اُچاٹ جائے یا اس کی طرف سے بُرے خیالات ان کے دل میں قائم ہو جائیں۔ جو ایمان لاتے ہیں جب وہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ کر پڑھتے ہیں تو اس مردود کے وسوسوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے جب ایک آیت کسی دوسری آیت کو منسُوخ کرتی تھی یا کئی بار ایک حکم مختلف صُورت سے آتا تھا کبھی بصورت اجمال کبھی بصورت تفصیل۔ کبھی کسی سائل کے جواب میں۔ تو کفار و مشرکین کہتے تھے یہ سب محمدؐ کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ اگر خدا کی طرف سے یہ کلام ہوتا تو وہ ایک بار ہی پوری بات نازل کرتا، یہ بار بار بدلنا کیسا۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ ان کو سلمان فارسی جو بوڑھا آدمی ہے رات کو سکھاتا ہے۔ کبھی کہتے تھے ایک رُومی غلام سکھاتا ہے۔ کبھی کہتے تھے ایک نصرانی جوان پُرانے قصّے سُنایا کرتا ہے وہ ہی محمدؐ بیان کرتے ہیں۔ ان سب باتوں کے جواب میں خدا فرماتا ہے: اے رسولؐ تم اُن سے کہو یہ کلام نہ تو میرا گڑھا ہُوا ہے نہ کسی اور کا بنایا ہُوا بلکہ یہ تو روح القدسؑ نے تمہارے رب کی طرف سے حق بات مجھ تک پہنچائی ہے۔ بجائے جبریل روح القدس کہا گیا ہے یعنی لانے والا نہایت مقدس ہے جو بڑا امین ہے نہ کوئی غلط بات بیان کر سکتا ہے نہ کم و بیش کر سکتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک وہی بات مجھ تک پہنچاتا ہے جو خدا نے اس سے کہی ہو۔ رہا ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کا آنا تو خدا کی مصلحت پر موقوف ہے جسے ہم تم نہیں سمجھ سکتے۔ یہ کلام تھوڑا تھوڑا نازل ہُوا ہے یک وقت نہیں آیا کبھی لوگوں کی عقل و فہم کے لحاظ سے ایک بات ایک طریقہ سے سمجھائی گئی ہے کبھی دوسرے طریقہ سے، کبھی ایک مثال سے کبھی دُوسری مثال سے تاکہ مختلف قابلیتیں رکھنے والے سمجھ سکیں۔ کبھی لوگوں کی سرکشی کے لحاظ سے سزا بڑھا دی جاتی ہے کبھی کمزوری کے لحاظ سے گھٹا دی جاتی ہے۔ خدا کے علم کے مقابلہ میں

انسان کا علم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ پس کفار و مشرکین کے اعتراضات کوئی وزن نہیں رکھتے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول کو ایک آدمی تعلیم دیتا ہے (حالانکہ یہ بالکل غلط ہے) جس کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں وہ تو عجمی ہے اور قرآن تو صاف صاف عربی زبان میں ہے۔ جو لوگ آیاتِ خدا پر ایمان نہیں لاتے اللہ ان کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ جھوٹ بہتان وہی لوگ باندھا کرتے ہیں جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ اس شخص کے سوا جو کلمہ کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے گا اور خوب سینہ کھول کر کفر اختیار کرے گا تو اس پر خدا کا غضب ہے اور ایسے لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے۔

اُوپر کی آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ ابن عامر حضرمی جس کا خادم ابوفکیہہ رومی تھا وہ تلواروں پر صیقل کیا کرتا تھا اور شب و روز توریت و انجیل کی تلاوت میں مصروف رہتا تھا۔ وہ رات کو حضرت رسولؐ خدا کی خدمت

میں حاضر ہو کر قرآن سیکھتا تھا۔ مشرکینِ عرب کو ایک شگوفہ ہاتھ آیا کہنے لگے کہ ابوفکیہہ محمدؐ کو قرآن کی تعلیم دیا کرتا ہے ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ کیسے احمق ہیں کہ خود عربی زبان کے ماہر ہو کر ایک سورہ کا جواب تو لا نہ سکے پھر ایک رُومی شخص جو عربی زبان اچھی طرح سمجھتا بھی نہیں کیونکر قرآن تعلیم کر سکتا ہے۔

من کفر باللہ الخ۔ ہجرت سے پہلے جو لوگ ایمان لائے تھے مشرکینِ مکہ ان کو طرح طرح سے ستاتے تھے چنانچہ منجملہ ان لوگوں کے جن کو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں۔ عمار یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد و والدہ بھی تھے۔ ان کے ماں باپ کو تو ظالموں نے مار مار کر شہید کر دیا اور حضرت عمارؓ کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بیچارے کلمۂ کفر کہنے پر مجبور ہو گئے۔ لوگوں نے حضرت رسولؐ خدا کو عمارؓ کے کافر ہونے کی اطلاع دی۔ آپؐ نے فرمایا عمار ہرگز کافر نہیں ہو سکتا اس کی ہڈیوں تک میں ایمان بھرا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد عمار روتے ہوئے آئے اور واقعہ بیان کیا۔ فرمایا تمہارا دل نورِ ایمان کی طرف سے مطمئن ہے انہوں نے کہا بالکل فرمایا تو کوئی حرج نہیں اگر پھر ایسی صورت پیش آئے تو پھر کہہ دینا۔ اس سے تقیہ ثابت ہوتا ہے۔

اس واقعہ سے دونوں صورتیں ثابت ہوتی ہیں۔ یعنی حفاظتِ ایمان میں اگر جان دے دے تو بھی درست ہے جیسے عمارؓ کے والدین نے مرنا قبول کیا لیکن کلمۂ کفر نہ کہا اور تقیہ بھی جائز ہے جیسے عمارؓ نے کیا۔ اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی خلافِ شرع ہوتی تو رسولؐ اس کی مذمت کرتے۔ اگر کوئی جلد جنت میں جانا چاہتا ہے تو پہلی صورت اختیار کرے اور اگر دین کی مزید کچھ خدمت کر کے جانا چاہتا ہے تو تقیہ کرے۔ مقصد ایمان کا تحفظ ہے۔ اگر دل مطمئن ہے تو صرف زبان سے کلمۂ کفر کہنا مُضرِ ایمان نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کسی مشرک کا صرف زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دینا اس کو مسلمان نہیں بنا سکتا۔

اس مسئلہ میں شیعوں پر اعتراض کرنے والے غلطی پر ہیں۔ وقتِ ضرورت وہ بھی ایسا ہی کریں گے مگر چونکہ شیعوں سے ضد ہے لہٰذا بغیر اعتراض کیے رہ نہیں سکتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے۔

تقیہ کے معنی نگہداشتِ نفس کے ہیں۔ جب انسان مجبور ہو جائے اور کسی صورت سے جان نہ بچ سکتی ہو تو کلمۂ کفر کہہ دینا چاہیئے بشرطیکہ دل میں نورِ ایمان کی روشنی ہو۔

بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں یہی تقیہ کی سپر تھی جس نے لاکھوں شیعوں کی جانیں بچا لیں ورنہ ان کا ڈھونڈے نشان نہ ملتا۔ بہت سے صوفیائے کرام اس تقیہ کے بھیس میں ہندوستان آئے اور انہوں نے بہترین طریقہ سے تبلیغِ اسلام کی۔ اگر مارے جاتے تو کتنا نقصان پہنچتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا

يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

(جن لوگوں کے دل میں کُفر بھرا ہؤا ہے اُس کی وجہ یہ ہے) اُنہوں نے زندگانیٔ دُنیا کو آخرت کے مقابلہ میں محبُوب رکھا ہے۔ اور اللہ اسی وجہ سے کافر لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ یہی وُہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے علامت مقرر کردی ہے (کہ یہ ایمان نہ لائیں گے) یہی لوگ (عاقبت سے) بے خبر ہیں۔ بے شک یہی لوگ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والے ہیں بے شک تمہارا رب اُن لوگوں کو جنہوں نے مصیبتوں میں مبتلا ہونے کے بعد گھر بار چھوڑے پھر راہِ خدا میں جہاد کیے اور تکلیفوں پر صبر کیا ان سب کے بعد تمہارا پروردگار بے شک بخشنے والا مہربان ہے۔

راہِ ہدایت حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔ ہادی کی ہدایت کو کانوں سے سُنے۔ آثارِ قدرت کو آنکھوں سے دیکھے پھر اپنے دل سے فیصلہ کرے کہ اُسے اپنا معبُود کسی ذات کو بنانا چاہیئے لیکن جو لوگ اپنے کفر پر ایسے اَڑے ہوئے ہیں کہ نہ رسولؐ کی بات کو سُنتے ہیں نہ آثارِ قدرت کو دیکھتے ہیں نہ سوچتے ہیں تو ان سے یہ امید ہی نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایمان لائیں گے لہٰذا خدا ان چہروں پہ کوئی ایسی علامت مقرر کر دیتا ہے کہ فرشتے آسانی سے پہچان لیں کہ یہ ایمان لانے والوں میں سے نہیں۔ ان سے عذابِ الٰہی ٹل نہیں سکتا۔ برخلاف ان کے جو خدا کے نیک بندے ہیں اور ہجرت کرکے آئے ہیں، جہادوں میں شریک ہوئے ہیں اور انہوں نے طرح طرح کی تکلیفوں پر صبر کیا ہے بے شک وُہ خدا کی مغفرت اور مہربانی کے مستحق ہیں۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

(اس دن کو یاد کرو) جب ہر نفس اس طرح آئے گا کہ اپنے ہی نفس کے بارہ میں جھگڑا کرتا ہوگا۔ ہر نفس کو جو کچھ اُس نے کیا ہوگا اس کا پُورا پُورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا۔ اللہ نے اس گاؤں کی ایک مثال بیان کی ہے جس کے رہنے والے بڑے چین سے زندگی بسر کر رہے تھے ہر طرف سے بافراغت روزی اُن کے پاس چلی آرہی تھی۔ پس انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، اللہ نے بھی ان کے کرتُوتوں کا مزہ چکھا دیا۔ بھُوک اور خوف کی مصیبتوں نے اُن کو گھیر لیا۔ اُن کے پاس ایک رسول انہی میں سے آیا، اُنہوں نے اُسے جھُٹلا دیا پس عذابِ خدا نے اُن ظالموں کو دھر پکڑا پس (اے مسلمانو) اللہ نے جو کچھ تمہیں حلال اور پاک روزی دی ہے اُسے کھاؤ پیئو اگر تم خاص اس کی عبادت کرتے ہو تو خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

جس بستی کا ان آیات میں ذکر ہے مفسّرین کا اس کے نام میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اس سے مکّہ والے مراد ہیں جن کی ناشکری کی بنا پر بعد بعثت ان پر قحط کا عذاب آیا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ زمانہٗ جاہلیت میں کوئی بستی تھی جس کے باشندے بڑے مالدار تھے اس دولت نے ان کا دماغ ایسا خراب کیا کہ روٹیوں سے استنجا کرتے اور پاخانے کی جگہ صاف کرنے لگے آخر کار کئی سال تک شدید قحط میں مبتلا ہوئے۔ جو رسول ان کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا اُسے اُنہوں نے جھُٹلا دیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ عذابِ خدا نے انہیں گھیر

لیا اور وہ سب ہلاک ہوگئے جو لوگ خدا کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں اُنہیں ایسی ہی سزا ملتی ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

حرام چیزیں اور مجبوری میں ان کے کھانے کی اجازت

تمہارے اُوپر مُردار۔ خُون۔ سُؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو حرام کر دیئے گئے۔ ہاں جو شخص بھُوک سے مجبُور ہو (مرنے کے قریب ہو) لیکن خدا کے حکم سے بغاوت کرنے والا اور حدِّ ضرورت سے بڑھنے والا نہ ہو (اور حرام کھالے) تو خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور یہ جو تمہاری زبانیں بے سوچے سمجھے کہہ دیا کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے وُہ حرام ہے۔ نہ کہو اس طرح تم خدا پر جھُوٹ بہتان نہ باندھا کرو۔ جو لوگ اللہ پر جھُوٹ بُہتان باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ دُنیا کا فائدہ ذرا سا ہے اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

سورۂ انعام میں حرام چیزوں کا تذکرہ آچکا ہے۔ یہاں پھر ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان بار بار کے ذکر سے یہ جان لے کہ اُن سے بچنا بہت ضروری ہے۔ مُردار کے اندر چونکہ خونِ جہندہ رہ جاتا ہے اور وہ سخت مضرِ صحت ہے لہٰذا مردار کا گوشت حرام قرار دیا گیا۔ دُوسرے وہ خون جو وقتِ ذبح دھار کے ساتھ نکلے وہ حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ ہاں جو ذبح کے بعد جسم میں رہ جائے وہ نجس نہیں اور نہ حرام ہے کیونکہ اس کی گرمی نکل جاتی ہے۔ تیسرے سؤر نجس العین بھی ہے اور حرام گوشت بھی۔ قدرت نے اُن جانوروں کا گوشت حرام کیا ہے جو بدصورت اور ڈراؤنے ہیں یا جن کی غذا فُضلہ ہے۔ کیونکہ فُضلہ کے جراثیم ان کے اندر جاتے ہیں اور جو اُن کا گوشت کھاتا ہے اُس کے جسم میں داخل ہو کر مختلف قسم کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں جو مرغِ جلاّلہ ہو یعنی پاخانہ

کھاتا ہو حکم ہے کہ اُسے تین روز بند رکھ کر ذبح کریں۔ سؤر گندی جگہ میں رہتا ہے اور گندگی کھاتا ہے۔ اسی طرح جو پرندے پنجوں میں دبا کر گوشت کھاتے ہیں وہ بھی حرام قرار دے دیئے گئے ہیں۔ جو دانہ چُگتے ہیں وہ حلال ہیں۔ اسی طرح جو چوپائے گھاس کھاتے ہیں حلال ہیں جو گوشت کھاتے ہیں حرام ہیں۔ جو مچھلیاں پانی کے اندر کی نباتات کھاتی ہیں حلال ہیں جو مچھلیاں دریائی جانوروں کا گوشت کھاتی ہیں اور بدصورت ہیں وہ بھی حرام ہیں۔

جس خدا نے جانوروں کو پیدا کیا ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کا گوشت انسان کے لیے مُضر ہے اور کس کا فائدہ مند۔ انسان کو خود حرام و حلال قرار دینے کا کوئی حق نہیں۔ جو لوگ اپنی طرف سے حلال و حرام قرار دے کر اس کو خدا کی طرف منسُوب کرتے ہیں وُہ خدا پر بہتان باندھتے ہیں اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنے اُوپر اُونٹ کا گوشت خود بخود حرام کر لیا تھا حالانکہ توریت میں اس کی حرمت کا ذکر نہیں حضرت یعقوبؑ نے ایک بیماری کی وجہ سے کھانا ترک کیا تھا بنی اسرائیل نے اُسے اپنے اُوپر حرام کر لیا۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

۱۵ ع ۲

اور یہُودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دیں جو تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وُہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔ اے رسول جن لوگوں نے نادانستہ گناہ کیا اس کے بعد اخلاصِ دل سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک تمہارا رب بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

یہودیوں نے بہت سی چیزوں کو خود بخود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ خدا نے ان کی سرکشی کی سزا میں اُن پر حلال چیزیں بھی حرام کر دیں۔ یہ ظلم خود انہوں نے اپنے اوپر کیا ہے نہ خدا کے اختیارات میں دخل دیتے نہ اس عذاب میں گرفتار ہوتے۔ اللہ کی مہربانی دیکھو فرماتا ہے جو لوگ نادانستہ کوئی گناہ کر بیٹھیں اور پھر صدقِ دل سے توبہ کر لیں اور اپنی بُری عادت سے باز آجائیں تو اللہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اس میں شک نہیں ابراہیم خدا کے فرمانبردار بندے اور باطل سے کترا کر چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے ہرگز نہ تھے خدا کی نعمتوں کے شکرگزار تھے خدا نے انہیں منتخب کر لیا تھا اور اپنی سیدھی راہ کی انہیں ہدایت کی تھی انہیں دنیا میں ہر طرح کی بہتری عطا کی تھی اور وہ آخرت میں بھی نکوکاروں میں سے ہوں گے۔ اے رسول ہم نے تمہیں وحی کی کہ ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو جو باطل سے کترا کر چلتے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اے رسول ہفتہ کے دن کی تعظیم تو بس انہی لوگوں پر لازم کی گئی تھی (یہود و نصارٰی) جو اس کے بارہ میں اختلاف کرتے تھے۔ جس میں وہ اختلاف کرتے تھے تمہارا رب قیامت کے دن اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

یہاں اُمّت کا لفظ فردِ واحد کے لیے یعنی حضرت ابراہیمؑ کے لیے بولا گیا ہے پس خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جو دُعا حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی کہ امّتِ مسلمہ میں سے رسول کو مبعوث کرنا تو وہاں امّتِ مسلمہ کا وقتِ بعثت رسول موجود ہونا ضروری ہوا یعنی ایسے مسلمان کا جو خدا کے یہاں سے اسلام لیے ہوئے آیا ہو۔ چنانچہ بعثتِ رسول کے وقت اس امّتِ مسلمہ کا ایک فرد حضرت علیؑ موجود تھے اور سب سے پہلے رسالتِ رسولؐ کی تصدیق انہوں نے ہی کی۔ حضرت ابراہیمؑ پر امّت کا لفظ اس لیے بولا گیا کہ جب کوئی مسلمان نہ تھا تو وہ اکیلے تبلیغ دینِ برحق میں ایک پوری امّت کا کام کر رہے تھے۔

اس آیت میں کفارِ مکہ کو یہ بتایا گیا کہ ابراہیمؑ خدا کے سچے فرمانبردار بندے تھے تم کو یا یہودیوں کو ان سے کیا واسطہ۔ تم مشرک ہو۔ یہودی دینِ خدا سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ ان کے راستہ پر چلنے والے حضرت رسولِ خدا ہیں نہ کہ تم۔ یہود و نصارٰی کے درمیان جو جھگڑا اچل رہا ہے کہ یہودی کہتے ہیں' ابراہیمؑ یہودی تھے اور نصارٰی کہتے ہیں نصرانی تھے۔ خدا فرماتا ہے قیامت کے روز ہم اس اختلاف کا فیصلہ کر دیں گے۔ وہ نہ یہودی طریقہ پر عمل کرنے والے تھے نہ نصارٰی کے طریقہ پر بلکہ جو خدا کا صحیح راستہ ہے اس پر چلنے والے تھے۔

سبت یعنی ہفتہ کا دن یہودیوں کے لیے عبادت کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ اس کا ذکر سورۂ بقر میں آچکا ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ع ۱۶ / ۹ / ۲۲

اے رسول اللہ کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلاؤ اور بحث و مباحثہ بھی کرو، تو شائستہ طریقہ سے بے شک تمہارا رب اسے بھی جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا ہے اور ان کو بھی جو ہدایت یافتہ ہیں۔ مخالفین پر سختی کرو بھی تو اتنی ہی جتنی انہوں نے تمہارے ساتھ کی ہے اور اگر صبر سے کام لو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ اے رسول تم صبر ہی کرو اور خدا کی مدد کے بغیر تو تم صبر کر بھی نہیں سکتے اور ان لوگوں کے حال پر تم رنج نہ کرو اور جو مکّاریاں یہ لوگ کرتے ہیں تم اس سے دل تنگ نہ ہو۔ بے شک جو لوگ پرہیزگار اور نکوکار ہیں اللہ تو ان ہی کے ساتھ ہے۔

حکمت سے یہ مُراد ہے کہ لوگوں کی ذہنیت کا اندازہ کرکے بحث کی جائے۔ اندھا دھند نہ کی جائے۔ غیظ وغضب کو اور طعنہ زنی کو راہ نہ دی جائے کیونکہ اس سے سُننے والے کے جذباتِ مخالفت بھڑک اُٹھتے ہیں پھر وقت اور ماحول کے لحاظ سے بھی بحث کی جائے۔

موعظ حسنہ سے یہ مراد ہے کہ کسی کے دل کو دُکھانے والے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔ لوگوں کے جذبات کا لحاظ رکھا جائے۔ جو گفتگو ہو بعنوان شائستہ ہو۔ صرف دلیلوں ہی سے کام نہ لو بلکہ گفتگو ایسے دلکش پیرایہ میں ہو کہ مخالف کو اپنے عقیدہ سے نفرت اور تمہارے عقیدہ سے محبّت پیدا ہو۔ اگر اثنائے گفتگو میں مخالف کی طرف سے لب و لہجہ میں سختی پیدا ہو جائے اور سخت کلامی پر اُتر آئے۔ تم بھی صرف اتنی ہی سخت کلامی سے کام لو جتنی وُہ کر رہا ہے اس سے زیادہ نہیں بلکہ اس کی تُرش کلامی پر صبر ہی کر لو تو بہتر ہے کیونکہ اس کا نتیجہ تمہارے ہی حق میں اچھا ہو گا۔ مباحثہ کو دنگل نہ بناؤ بلکہ دوستانہ اور مہذبانہ انداز میں گفتگو ہو۔

○

(۱۷) سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّۃٌ (۵۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①

پاک ہے وُہ اللہ جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد الحرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصٰی (انتہائی مسجد) تک سیر کرائی جس کے ارد گرد کو ہم نے ہر قسم کی برکت مہیا کی ہے تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سب کچھ سُنتا اور دیکھتا ہے۔

۔ اس آیۂ مبارکہ میں بہت سی باتیں قابلِ ذکر ہیں:

(۱) یہ آیت حضور سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کے متعلق ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اس کا منکر کافر ہے۔

(۲) یہ واقعہ کب پیش آیا مفسرین کا اس پر تو اتفاق ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے مگر تاریخ میں اختلاف ہے۔ اختلاف حسبِ ذیل ہے:

۱۷ ربیع الاوّل، ۲۷ رجب، ۱۷ ماہِ رمضان، ۲۱ رمضان۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ کے حجرہ سے ہوئی یا خانۂ اُمّ ہانی خواہر حضرت علی علیہ السّلام سے۔

(۳) اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج رُوحانی تھی یا جسمانی۔ خواب میں ایسا دیکھا تھا یا جسمانی طور سے گئے تھے۔ جو لوگ روحانی معراج کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ خواب میں تو ایسی عجیب چیزیں ایک کافر کو بھی نظر آسکتی ہیں۔ رسولؐ کا کیا ذکر۔ دُوسرے اگر روحانی معراج ہوتی تو اس اہتمام سے اس کا ذکر نہ کیا جاتا۔ کہ شروع ہی میں سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ کہہ کر اپنی عظمت وجلالت کا اظہار کرتا ہے پھر لفظ عَبۡدِہٖ کا ذکر کرتا ہے۔ عبد کا اطلاق جسم و روح دونوں پر ہوتا ہے نہ صرف رُوح پر۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

عبدیت کا مرتبہ رسالت و نبوّت دونوں سے بلند ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کلمۂ طیّبہ میں رسالت کے پہلے عبدیت کی گواہی دی جاتی ہے۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔

(۴) معراج رات کو ہوئی، جس کا سبب یہ تھا کہ لوگوں کے ایمان کا اندازہ کیا جائے۔ چنانچہ جب حضورؐ نے معراج سے واپس آکر لوگوں سے یہ ذکر کیا تو کفّار و مشرکین نے بڑا مذاق اُڑایا۔ بلکہ بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہوگئے اور آپس میں کہنے لگے یہ سب جھوٹی داستان ہے۔ آخر آیت میں هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ کا یہی مطلب ہے کہ اللہ ان کی باتیں سُنتا اور ان کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

(۵) جب تک یونانیوں کا یہ فلسفہ انسانی دل و دماغ پر چھایا رہا کہ آسمان ٹھوس مادہ کے بنے ہوئے طبق در طبق ہیں معراج کے سلسلہ میں خرق و التیام کے جھگڑے میں لوگ پھنسے رہے لیکن اب کہ راکٹوں نے چاند وغیرہ پر جاکر یہ ثابت کر دیا کہ یونانیوں کے نظریات وہم و قیاس سے زیادہ نہ تھے لہٰذا اب حضرتؐ کی معراج کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

(۶) حضورؐ کے آسمانوں پر جانے کے متعلق مشہور روایت یہ ہے کہ جبریلِ امینؑ براق لے کر آئے جس کی شکل ایک گھوڑے کی سی تھی اس کے دو پر بھی تھے۔ سر سے پیر تک جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں بڑی روشن تھیں۔ وہ حضرت کو اپنے اوپر بٹھانے میں سرکشی کر رہا تھا۔ جبریلؑ نے کوڑا مار کر کہا، تو نہیں جانتا یہ کون ہیں یہ فخرِ اولین و آخرین سیّد الانبیاء والمرسلین حضرت محمّد مصطفٰے ہیں تب وہ رام ہوا بیان کرنے والے نے اس گھوڑے کے ایک ایک عضو کی سجاوٹ کا ذکر اس شان سے کیا ہے گویا وہ وہاں اس وقت موجود تھا۔ اور ایک ایک چیز کو خوب نظر جما کر دیکھ رہا تھا۔ اللہ ان مسلمانوں پر رحم کرے چونکہ مادیت میں گھرے ہوئے ہیں لہٰذا ان کو ہر شے مادی شکل میں نظر آتی ہے۔ کوئی ان سے پُوچھے جب حضرت عیسٰیؑ و ادریسؑ کا رفع ہوا تھا تب کون سا براق آیا تھا۔ دریاؤں سے لاکھوں من پانی سورج کی کرنیں اُٹھا کر آسمان پر لے جاتی ہیں کیا اسی طرح برقی قوت سے رسولؐ معراج میں نہیں جاسکتے تھے۔ اس برقی قوت کا نام اگر براق رکھا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے۔ انسان کے قبضہ میں جو برقی طاقت ہے وہ سمندر میں ڈوبے ہوئے لاکھوں من وزنی جہازوں کو سمندر سے نکال کر سطحِ زمین پر لے آتی ہے تو اللہ کی بھیجی ہوئی برقی قوت سے کیا رسولؐ اوپر نہیں جاسکتے تھے۔ حضورِ سرکارِ دوعالم خود مجسّم نور تھے ان کو ایسے وسائل کی کیا ضرورت تھی۔ صرف ارادۂ الٰہی ان کے لیے کافی تھا۔ معراج رات میں ہوئی تھی اس وقت براق کی شکل و صورت کو اس تفصیل سے دیکھنے والا کون تھا۔ سب پڑے سو رہے تھے کسی کو خبر نہ ہوئی کہ حضرتؐ کب گئے۔ جب صبح کو حضورؐ نے بیان کیا تب لوگوں کو پتہ چلا۔

(۷) مسجدِ اقصٰی کیا ہے۔ مسلمانوں کے ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہی مسجدِ اقصٰی ہے جو رُوئے زمین پر موجود ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں تک پہنچانے میں کیا اعجازی شان پیدا ہوئی اور کیا عجائباتِ قدرت دکھانے کو خدا نے وہاں تک پہنچایا۔ اس مسجدِ اقصٰی تک تو آئے دن لوگ آتے جاتے رہتے ہیں

اگر رسولؐ چلے گئے تو کیا کمال دکھایا۔

مسجدِ اقصٰی سے مراد ہے وہ مسجد جو انتہائی سجدہ کی جگہ ہے یعنی عالمِ امکان کی آخری حد۔ جس سے اوپر کوئی ممکن نہیں جاسکتا۔ کیونکہ اس سے بالاتر لامکاں ہے۔ یہی خدا کی سب سے بڑی آیت ہوسکتی ہے کہ خدا نے حضورؐ کو عالمِ امکان کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ جہاں مقرّب فرشتہ جبریلؑ تک بھی نہ جاسکا۔ کیونکہ جبریلؑ نے سدرۃ المنتہٰی تک جاکر ساتھ چھوڑ دیا تھا اور یہ کہہ کر علیحدہ ہوگئے تھے ؎

اگر یک سرِ مُوئے برتر پَرم فروغِ تجلّی بسوزد پَرم

یعنی لَوْدَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاَحْتَرَقْتُ (الحدیث) (اگر اب میں ایک انگلی کے برابر بھی آگے بڑھوں گا تو میرے پر جل جائیں گے)۔ جبریلؑ کو سدرہ پر چھوڑ کر آپ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (۹/۵۳) کے مقام تک پہنچے جس کا تفصیلی بیان ستائیسویں پارہ میں سورۂ والنجم میں آئے گا۔ سدرہ سے آگے بڑھنے میں راویوں نے کسی براق کا ذکر نہیں کیا۔ اور نہ واپسی کے وقت یہ بتایا کہ وہ بھی براق ہی کے ذریعہ سے ہوئی تھی یا کوئی اور صورت تھی۔

(۸) ایک روایت ہے کہ جب حضورؐ مکّہ سے روانہ ہوکر زمین والی مسجدِ اقصٰی پر پہنچے تو تمام انبیاءؑ وہاں جمع تھے۔ حضورؐ نے ان کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی۔ یعنی ان سب کے آگے کھڑے ہوکر نماز پڑھی۔ خوش خیالوں سے کوئی پوچھے کہ جب انبیاء علیہم السّلام اس دارالتکلیف سے آزاد ہوکر ایک دُوسری دُنیا میں چلے گئے تو پھر نماز کیسی۔ کیا انبیاء علیہم السّلام وہاں بھی نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔

(۹) ایک روایت ہے کہ جب حضورؐ بارگاہِ ایزدی میں پہنچے تو خدا نے ان کی دعوت کی اور شیر و برنج پلیٹ میں رکھ کر پیش کیا۔ اللہ اس مادیت میں پھنسی ہوئی ذہنیت پر رحم کرے عالمِ نور میں بھی دُودھ چاول ہی یاد آئے۔ خدا کی دعوت بھی ہم انسانوں ہی کی سی دعوت بنا دی گئی۔

(۱۰) سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کیا خدا وہاں بیٹھا تھا جس سے ملنے کو رسولؐ وہاں پہنچے۔ کیا رسولؐ نے خدا سے ملاقات کی اس سے ہاتھ ملایا۔ استغفراللہ، ایسا خیال اُنہی کے دل و دماغ میں گردش کرسکتا ہے جو خدا کے مجسّم ہونے کے قائل ہیں اور قیامت میں خدا کے دیدار کی آرزو رکھتے ہیں۔ خدا نے رسولؐ کو اس لیے نہیں بُلایا تھا کہ وہ رسولؐ سے ملاقات کرے۔ جو ذاتِ پاک رگِ گردن سے زیادہ قریب ہے اس کو وہاں ملاقات کے لیے بُلانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسی ملاقاتیں تو ہمارے مادی وجود میں ہی ہوتی ہیں۔ خدا تو جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے مبرّا و منزّہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالمِ امکان ہے ایک عالمِ نور ہے۔ رسولؐ عالمِ نور کی مخلوق تھے جہاں وقت جگہ اور جہات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا نے چاہا کہ اپنے حبیبؐ کو تمام عالمِ امکان کی سیر کرائے اور اس کی حدِ آخر دکھائے جو عالمِ نور سے ملی ہوئی ہے اور جہاں قدرتِ الٰہی کے کرشمے عالمِ امکان سے کہیں زیادہ ہیں وُہ خود فرماتا ہے تاکہ ہم اس کو اپنی آیات دکھا دیں نہ کہ اپنے کو دکھا دیں اور یہ بھی فرماتا ہے کہ ہم نے اُس

مسجدِ اقصیٰ کو اپنی برکات سے پُرنور بنا رکھا ہے۔

(۱۱) ایک اعتراض یہ ہے کہ خدا نے رسولؐ کو جنّت و دوزخ کی سیر کرائی اور ملائکہ کے مقامات دکھائے۔ تو گو یا کسی کو دوزخ میں جلتے اور کسی کو جنّت میں آرام کرتے دکھایا تو یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کیا رسولؐ نے دوزخ میں جاکر لوگوں کے عذاب کی صورت دیکھی تھی یہ تو بعید از عقل ہے۔ اسی طرح جنّت میں جاکر پھر باہر کیسے آئے حالانکہ اس کی صفت یہ ہے کہ جو جائے گا وہ ہمیشہ رہے گا۔ نیز یہ کہ جنّت اور دوزخ میں لوگوں کی حالت کیسے دکھائی جبکہ قیامت کے سوال وجواب سے پہلے نہ کوئی جنّت میں جا سکتا ہے نہ دوزخ میں۔

جواب یہ ہے کہ یہ سیر دُور سے بھی ہو سکتی ہے جنّت و دوزخ کوئی بند مقام نہ تھے کہ ان کے اندر ہی جاکر دیکھا جائے۔ ان کے متعلق بوقتِ سیر یہ بھی اشارہ سے بتایا جا سکتا ہے کہ یہ جنّت ہے یہ دوزخ ہے۔ اندرونی حالات سے فرشتہ آگاہ کر سکتا تھا۔ اب رہا جنّتیوں اور دوزخیوں کے حالات کا مشاہدہ، یہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ جنّتیوں اور دوزخیوں پر بعد قیامت جو کچھ گزرے گی وہ حضورؐ کو قرآن سے معلوم ہو چکا تھا۔ اس کے معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(۱۲) یہ کیسے ممکن ہے کہ حضورؐ اتنے جلد جاکر واپس آجائیں کہ بستر خواب گرم ہی رہے۔ مشکل یہ ہے کہ لوگ قدرتِ الٰہی کا اندازہ اپنی قوّت سے کرتے ہیں جس خدائے قادر وقیوّم نے انسان کی آنکھ میں یہ قوت دی ہے کہ وہ ایک سیکنڈ میں سارے آسمان کا مشاہدہ کر کے پلٹ آتی ہے۔ اور اسی قلیل مدّت میں چاند تارے سب کچھ دیکھ لیتی ہے اُس خدا نے اگر اپنی ایک خاص مخلوق کو اتنی جلد سیر کرا کر واپس کر دیا تو کیا تعجب کی بات ہے۔

جس خدا نے جناب ابراہیمؑ کو زمین پر ملکوت سماوات والارض کو پلک جھپکتے دکھا دیا تھا جس خدا نے آصف کو یہ قوت دی تھی کہ وہ پلک جھپکتے سینکڑوں میل دُور سے بلقیس کا تخت اٹھا لائیں اس کے لیے کیا دشوار تھا کہ تھوڑی سی مدّت میں اپنے محبوب کو تمام عالمِ امکان کی سیر کرا دے۔ اب تو یہ بات سمجھنے میں بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے انسان کا بنایا ہوا راکٹ ایک منٹ میں ہزارہا میل طے کر جاتا ہے تو خدا اپنے بندہ کو عالمِ امکاں کی سیر کرا کے اتنی جلد کیوں نہیں واپس لا سکتا۔ فرشتے کی طاقت کو دیکھو جب جناب ابراہیمؑ منجنیق سے جُدا ہو کر آتشِ نمرود کی طرف چلے تو جبرئیل نے آدھی راہ میں آسمان سے نزول کر کے انہیں آلیا۔ کیا یہ سرعت سمجھ میں آسکتی ہے۔ ہمارے رسولؐ جبرئیل سے برتر و افضل ہیں اگر ان کے لیے ایسا ہوا تو کیا تعجب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قدرت کے راز ہیں ان کو انسان سمجھ ہی نہیں سکتا۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ② ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا

شَكُوْرًا ③ وَقَضَیْنَآ اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَیْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا ⑥

ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی اور ہم نے اُسے بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنا کر (حکم دیا کہ) اے اُن لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اللہ کے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ بیشک نوح خدا کے شکرگزار بندے تھے اور ہم نے بنی اسرائیل سے اس کتاب میں صاف صاف بیان کر دیا تھا کہ تم روئے زمین پر دو بار فساد کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ جب دو فسادوں میں سے پہلے کا وقت آپہنچا تو ہم نے تم پر اپنے سخت لڑنے والے بندوں (بخت نصر) کو مسلط کر دیا وہ لوگ تمہارے گاؤں کے اندر گھس پڑے اور خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے تم کو دوبارہ اُن پر غلبہ دے کر تمہارے دن پھیرے اور تمہاری مدد کی مالوں سے اولاد سے اور تم کو بڑے جتھے والا بنا دیا۔

خدا نے بنی اسرائیل کے دو فسادوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے ایک ارمیا نبی کا حکم نہ ماننا اور اشعیا پیغمبر کا قتل کرنا دوسری بار حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو شہید کرنا اور حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کرنا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں کتاب سے مراد توریت نہیں ہے بلکہ صحف آسمانی کا مجموعہ ہے جس کے لیے قرآن میں اصطلاح کے طور پر لفظ الکتاب کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔

پہلے فساد کی سزا میں بخت نصر کا حملہ تھا جس میں اس نے قتل عام کیا تھا اور بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا تھا۔ دوسری بار حضرت ذکریاؑ و یحییٰؑ کی شہادت کے بعد ستر ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے تھے۔

اس سورہ کا آغاز آیۂ معراج سے ہوا ہے جس کے بعد ہی حضرت موسیٰؑ کا قصہ چھیڑ دیا گیا جو بظاہر بے ربط معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں کفارِ مکہ جو آنحضرتؐ ختمی مرتبت کو نفرت کی نظروں سے دیکھتے تھے ان پر واقعۂ معراج

سے حضرتؑ کی عظمت و جلالت کا اظہار کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ جس طرح بنی اسرائیل نے اپنے انبیاء کی تکذیب اور ان کی نافرمانی کر کے سخت سے سخت عذاب کے مزے چکھے اس طرح تم بھی ہمارے رسولؐ کی نافرمانی کر کے اور ان کے قتل کا منصوبہ بنا کر سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝٧ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝٨

وقف لازم

اگر تم نیکی کرتے ہو تو اپنے لیے اور اگر بُرائی کرتے ہو تو اپنے لیے۔ پس جب دوسرا وعدہ آیا (تو ہم نے طرطوس بادشاہ کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد بیت المقدس میں اس طرح گھس پڑیں جس طرح پہلے دشمن گھس پڑے تھے اور جو چیز ہاتھ لگے اُسے تباہ کر کے رکھ دیں (اگر تم نے شرارت چھوڑ دی تو ہو سکتا ہے کہ) تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر شرارت کی طرف عود کیا تو پھر ہم بھی پھر پڑیں گے اور ہم نے کافروں کے لیے جہنّم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔

بنی اسرائیل بڑے فسادی۔ بے ایمان اور جھگڑالو تھے۔ انبیاءؑ کو سب سے زیادہ ستانے والی یہی قوم تھی حد یہ ہے کہ ان کو قتل کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے تھے۔ دو بار جب ان کی شرارت حد سے زیادہ بڑھی، تو خدا نے پہلی بار بخت نصر کو مسلط کیا جس نے لاکھوں آدمی قتل کیے اور بیت المقدس کو ڈھا کر تباہ و برباد کر دیا۔ دوسری بار جب شرارت حد سے بڑھی تو طرطوس بادشاہ کو ان پر مسلط کیا گیا اس نے بھی بخت نصر کی طرح انہیں خوب قتل کیا خوب لوٹا اور ان کے گھروں میں گھس کر ان کی عورتوں کی بے عزّتی کی ان کے مکانوں میں آگ لگا دی۔ بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ پہلے بادشاہ سے مراد جالوت ہے اور دوسرے سے بخت نصر۔ باوجود ان سخت ترین عذابوں کے ان کی شرارتیں کم نہ ہوتی تھیں نسلیں تباہ ہوتی رہیں مگر انہیں ہوش نہ آیا۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝٩ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝١٠ وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا ۝١١ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝١٢

ع

بے شک یہ قرآن اُس راستہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے جو ایمان والے نیک کام کرتے ہیں اُن کو اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ عنداللہ اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔ آدمی (کبھی عاجز آکر) اپنے لیے بُرائی کی اس طرح دُعا کرتا ہے جیسے وُہ اپنے لیے بھلائی کی دُعا کرتا ہے۔ اور آدمی تو بڑا جلد باز ہے۔ ہم نے رات اور دن کو اپنی دو نشانیاں بنایا ہے۔ پھر ہم نے رات کی نشانی کو دُھندلا بنایا (یعنی چاند کو) اور دن کی نشانی (سورج کو) روشن بنایا تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل (روزی) تلاش کرتے پھرو اور اس لیے بھی کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جانو اور ہم نے ہر شئے کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

یہ قرآن جس راستہ پر لوگوں کو لے جانا چاہتا ہے وہ صحیح راستہ ہے اور جو ہدایت کرتا ہے وہ دین و دُنیا میں باعث فلاح و برکت ہے۔ نظامِ حیاتِ انسانی کو سنوارنے کے لیے ایک بہترین ضابطۂ حیات ہے۔
کفارِ مکّہ بار بار کہا کرتے تھے کہ جس عذاب سے آپؐ ہمیں ڈرایا کرتے ہیں اُسے لے کیوں نہیں آتے انہی کے

جواب میں خدا فرما رہا ہے کہ لوگوں کو جس طرح اچھی چیز کے ملنے میں جلدی کرنی چاہیئے یہ کفار بُری چیز یعنی عذاب کے لیے اتنی ہی جلدی کر رہے ہیں۔ انسان جلد باز ہے یعنی نتائج پر غور کیے بغیر ہر بات کو جلد پورا کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے رات و دن میری دو نشانیاں ہیں ایک جاتی ہے تو دوسری آتی ہے۔ کبھی رات کی تاریکی ہے تو کبھی دن کی روشنی۔ اگر ایک ہی حالت ہوتی تو دنیا میں جو چہل پہل نظر آتی ہے اور کاروبار میں گہما گہمی ہے سرد پڑ جاتی۔ ایک ہی حالت میں زندگی بسر کرنا مصیبت بن جاتا۔ یہی صورت انسان کی زندگی میں اختلاف حالات کی ہے کبھی تندرست ہے کبھی بیمار، کبھی محتاج ہے کبھی مالدار۔ اس تغیّر سے آدمی کو گھبرانا نہیں چاہیئے اگر ایک ہی حالت پر قیام ہوتا تو زندگی بے مزہ ہو جاتی۔

رات کو چاند نکلتا ہے دن کو سورج انہی کے حساب سے سال کے مہینے اور مہینے کے دن بنتے ہیں۔ کچھ اپنا حساب شمسی سال سے رکھتے ہیں کچھ قمری سال سے۔ ان سب کی تفصیل قرآن میں بتا دی گئی ہے۔ بلحاظ سال و ماہ و ایّام جو عبادتیں معیّن ہیں وہ بھی بتا دی گئی ہیں ان پر عمل کرنا صحیح راستہ پر چلنا ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ﴿۱۴﴾ؕ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًاۢ بَصِیْرًا ﴿۱۷﴾

ہم نے ہر آدمی کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے (کہ اس کی قسمت اس کے ساتھ ہے) قیامت کے دن ہم اس کے سامنے نکال کر رکھ دیں گے کہ وہ اس کو ایک کھلی ہوئی کتاب کی صورت میں اپنے سامنے

پائے گا اور ہم اس سے کہیں گے کہ اپنا نامۂ عمل پڑھ لے اور آج اپنا حساب لینے کے لیے تُو ہی کافی ہے جو صحیح راستہ پر چلتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے چلتا ہے اور جو گمراہ ہے اس نے گمراہ ہو کر اپنا ہی بگاڑا کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ اپنے سر نہیں لے گا ہم کسی پر عذاب نہیں کرتے جب تک رسول کو بھیج کر اتمام حجّت نہ کر لیں۔ جب ہمیں کسی بستی کو ویران کرنا منظور ہوتا ہے تو ہم نے وہاں کے خوش حال لوگوں کو (اطاعت کا) حکم دیا تو وہ لوگ اس میں نافرمانیاں کرنے لگے تب وہ بستی عذاب کی مستحق ہوگئی اور ہم نے اسے اچھی طرح تباہ کر دیا۔ نوح کے بعد سے اب تک ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا اور تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے۔

انسان جو کچھ عمل اس دُنیا میں کرتا ہے خدا کے معیّن کردہ فرشتے ہر ایک عمل کو چھوٹا ہو یا بڑا لکھے جاتے ہیں پس اپنی قسمت انسان گویا خود بناتا رہتا ہے آخرت میں اس کے انجام کی بھلائی یا بُرائی اس کے سیرت و کردار پر موقوف ہوگی۔ عذاب و ثواب کا ذمّہ دار وہ خود ہوگا۔ روزِ قیامت وہی اعمالنامہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور کہا جائے گا اسے پڑھ لے اور نیکی بدی کا حساب کر کے خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کر۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ اس دُنیا میں جو نیکی کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کرتا ہے اور جو گمراہ رہ کر بُرائیاں کرے گا اس کا نقصان اس کی ذات ہی کو پہنچے گا کسی کا کیا بگاڑے گا۔

ولید بن مغیرہ کفّار قریش سے کہا کرتا تھا تم اسلام قبول نہ کرو اور میری پیروی کرو تم سب کے گناہوں کا بوجھ میرے سر ہے اس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا بلکہ خود اسی کو اٹھانا ہوگا۔

سابقہ اُمّتوں پر وقتاً فوقتاً عذاب آتے رہے ان کے قصّے سُن کر کفّار کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کا خدا بڑا ظالم ہے اس نے بیشمار بے گناہوں پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیا۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے۔ ہم نے کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کیا جب تک ہدایت کے لیے ان کے پاس اپنے کسی رسول کو نہیں بھیجا۔ لیکن جب انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا۔ طرح طرح سے ستایا، یہاں تک کہ قتل سے بھی نہ چُوکے اور اپنی بدکرداری سے خلق اللہ کو گمراہ کرتے اور ان پر ظلم ڈھاتے رہے تب ہم نے ان پر عذاب نازل کیا۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

ہم کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ کسی بستی کو اس کے باشندوں کے اعمالِ بد کی بنا پر تباہ و برباد کریں تو یونہی یکایک برباد نہیں کرتے بلکہ پہلے ان کے مالدار لوگوں کے پاس جو سرکشی پر آمادہ رہتے ہیں اپنے رسول کے ذریعہ اپنے احکام بھیجتے ہیں جو ان کو بداعمالی کا انجام سمجھاتے ہیں۔ عذابِ خدا سے ڈراتے ہیں لیکن جب وہ نافرمانیوں سے

باز نہیں آتے تب ہم نظامِ عالم برقرار رکھنے کے لیے ان کو اچھی طرح تباہ و برباد کر دیتے ہیں پس ہم پر الزام لگانا غلط ہے۔ نوحؑ کے بعد ایسا ہی ہوتا رہا۔ قومیں اس زمین پر بستی رہیں ہماری نافرمانی کرتی رہیں اور ہلاک ہوتی رہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خدا اپنے بندوں کے گناہوں سے بے خبر رہتا ہے نہیں ہرگز نہیں وہ سب باتوں کو جانتا ہے۔ اگر انہیں سزا نہ دی جائے تو وہ لوگوں کو گمراہ کرتے رہیں اور انسانی تمدّن میں فتنہ و فساد کو ہر طرف پھیلاتے رہیں۔

ایک بار رکن الدولہ دیلمی نے جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ سے سوال کیا کہ جب خدا نے عذاب نازل کر کے قوموں کو ہلاک کر دیا تو پھر اُن کا جہنّم میں بھیجنا کیا معنی رکھتا ہے کیا دو دو بار وہ سزا پائیں گے یہ تو انصافِ الٰہی کے خلاف ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے فرمایا، گناہ دو قسم کے ہیں ایک خدا کی نافرمانی سے متعلق ہوتے ہیں ان کی سزا میں عذاب نازل ہوتا ہے دوسرے بندوں سے متعلق ہوتے ہیں جیسے رسول کو ستانا یا اپنے بنی نوع کی حق تلفی کرنا ان پر ظلم کرنا، اس کی سزا میں روزِ قیامت ان کو جہنّم رسید کیا جائے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

ع ۲/۱۲

جو شخص دُنیا کا خواہاں ہو تو ہم جسے چاہتے اور جو چاہتے ہیں اس دُنیا میں اُسے عطا کر دیتے ہیں۔ پھر ہم نے تو اس کے لیے جہنّم بنا ہی رکھا ہے کہ وہ اس میں بُری طرح سے ذلیل اور راندہ ہُوا داخل ہو گا۔ اور جو آخرت کا خواستگار ہے اور اس نے اس کے لیے اچھی خاصی کوشش بھی کی ہے اور

وہ ایماندار بھی ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہو گی اِن کو اور اُن کو (غرض سب کو) تمہارا پروردگار (اپنی) بخشش سے مدد دیتا ہے اور تمہارے رب کی بخشش (تو عام ہے) کسی پر بند نہیں۔ ذرا دیکھو تو کہ ہم نے بعض لوگوں کو بعض پر کیسی فضیلت دی ہے اور آخرت کے درجات تو یہاں کے درجات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود قرار نہ دو ورنہ تم بُرے حال میں ذلیل و رسوا ہو کر بیٹھے کے بیٹھے رہ جاؤ گے۔

بعض کو بعض پر فضیلت

دنیا میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک وُہ جو اپنے اعمال کا بدلہ اس دُنیا میں چاہتے ہیں، تاکہ راحت و آرام سے زندگی بسر کریں آخرت کی جزا سے اُنہیں کوئی واسطہ نہیں گویا وُہ اس پر ایمان نہیں رکھتے خُدا فرماتا ہے ہم جسے چاہیں گے اور جتنا چاہیں گے اسی دُنیا میں دے کر اُن کا پتہ پاک کر دیں گے۔ اس کے بعد قیامت میں اُن کے لیے جزا کا کوئی حصّہ نہ ہو گا وہ نہایت ذلّت و خواری کے ساتھ جہنّم میں ڈھکیل دیئے جائیں گے کہ اس کی آگ میں جلتے رہیں۔ دُوسرے وہ لوگ ہیں جنہیں اپنی آخرت سنوارنے کی فکر ہے وہ دنیا میں کوئی صلہ نہیں چاہتے وہ صاحب ایمان ہیں اور حسنات کے اکتساب میں پوری پوری کوشش کرتے ہیں خدا فرماتا ہے کہ ان کی کوششیں قابلِ شکریہ ہیں ان کو آخرت میں اچھی جزا ملے گی۔

دُنیا دار ہوں یا دین دار دونوں کو جو کچھ رزق مِل رہا ہے خدا ہی کی طرف سے مل رہا ہے۔ کوئی کسی کا رزق بند نہیں کر سکتا۔ اگر بندوں کا رزق بندوں کے ہاتھ میں ہوتا تو بے شمار خدا کی مخلوق فاقوں مرجاتی۔ چونکہ اچھے اور بُرے سب خدا ہی کی مخلوق ہیں اور اس نے سب کی رزق رسانی کا وعدہ کیا ہے لہٰذا وہ سب کو رزق دیتا ہے۔ رزق رسانی اس نے اعمال پر موقوف نہیں رکھی۔

دُنیا میں دو قسم کی فضیلتیں ہیں۔ ایک باعتبار مال و دولت، جاہ و اقتدار خدا کی بارگاہ میں اس کی پرسش نہیں ہاں ایسی صورت میں جبکہ مالدار لوگ حقوق اللہ اور حقوق الناس کا خیال رکھیں اور اپنی دولت میں اپنے محتاج بھائیوں کو شریک سمجھیں۔ دوسری فضیلتِ نفس تقوٰی و پرہیزگاری ہے۔ خدا کے نزدیک اس فضیلت کی بڑی قدر ہے۔ اگرچہ دُنیا والے اُن غریبوں کو صاحبِ فضل نہ سمجھیں مگر خدا تو سمجھتا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات ۴۹/۱۳) (جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے خدا کے نزدیک وہی زیادہ عزّت والا ہے) ایسے لوگوں کے لیے دُنیا میں بھی عزّت ہے اور آخرت میں تو ان کے درجات کا ٹھکانہ ہی نہیں ہے۔ آخر میں فرماتا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو اپنا معبود بنا کر اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔ وہاں جو ذلّت تم کو نصیب ہو گی اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا

تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ﴿۲۳﴾ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِىۡ نُفُوۡسِكُمۡ‌ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِيۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِيۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾

اور خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اگر ان میں ایک یا دونوں تمہارے سامنے بوڑھے ہوجائیں تو (خبردار) ان سے اُف تک نہ کہو اور کسی بات پر ان کو جھڑکو نہیں اور ان دونوں سے بہت ادب سے بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور خدا سے یہ دُعا کرو، اے پروردگار ان دونوں پر اسی طرح رحم کر جیسے انہوں نے ہمیں بچپن میں پالا ہے۔ تمہارے دل کی بات تمہارا رب خوب جانتا ہے اگر تم (واقعی) نیک ہو (اور بھولے سے ان کی خطا کی ہے) تو وہ تم کو بخش دے گا کیونکہ وہ تو توبہ کرنے والوں کا بڑا بخشنے والا ہے۔

یہاں سے اللہ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے حقوق کو بتانا شروع کیا ہے کیونکہ تمدّن و معاشرہ کی ساری فلاح و بہبود بنی نوع کی حقوق شناسی ہی پر موقوف ہے۔

سب سے پہلی بات یہ بتائی جارہی ہے کہ اللہ کا جو تمہارا ضامن اور روزی رساں ہے تم پر حق ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بناؤ ورنہ بصورتِ شرک نہ تم دُنیا کے رہو گے نہ دین کے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔ ہرگز ان کے سامنے زور سے بات نہ کرو اور انہیں جھڑکو نہیں ان سے نہایت ادب سے بات چیت کرو اور نہایت تواضع و انکساری کے ساتھ ان سے ملو۔ اور ان کے لیے دعائے خیر کرو۔

جو لوگ اپنے ماں باپ کا احترام نہیں کرتے وہ نوع انسانی کے بدترین انسان ہیں۔ ماں باپ جس شفقت اور محبت سے ان کو پالتے ہیں اولاد اس کا بدلہ دے نہیں سکتی۔ ماں باپ کی محبّت اولاد سے فطری ہوتی ہے ورنہ اولاد پرورش نہیں پاسکتی۔ اس نے ان کو اولاد کی محبت کا حکم نہیں دیا بلکہ اولاد کو ماں باپ کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے۔

کوئی شخص اپنے اُوپر دُوسرے کی فضیلت گوارا نہیں کرتا لیکن صرف ماں باپ ہی ایسے ہوتے ہیں جو اپنے اوپر اپنی اولاد کی فضیلت کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ اسی طرح دُنیا میں ایک کو دوسرے پر حسد ہوتا ہے لیکن ماں باپ کو اولاد کی برتری پر کبھی حسد نہیں ہوتا۔

اگر اولاد اپنے ماں باپ کا احترام کرتی ہے تو دوسرے لوگ بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ ماں باپ کی دُعا اولاد کے حق میں رَد نہیں ہوتی اگر کوئی خاص مصلحت مانع نہ ہو تو خدا اس کو ضرور قبول کرتا ہے۔

ایک شخص حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں چاہتا ہوں کہ اپنے ماں باپ کے حقوق سے سبکدوش ہو جاؤں مجھے اس کے لیے کیا کرنا چاہیئے۔ فرمایا اگر تُو روئے زمین کی تمام دولت بھی لُٹا دے تب بھی تُو ان کے حقوق سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

حدیث میں ہے کہ تیز نظر سے ان کی طرف نہ دیکھو ان کی آواز پر اپنی آواز ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بلند نہ کرو۔ ان سے آگے نہ چلو۔ ان کا نام لے کر نہ پکارو، ان کے آگے نہ بیٹھو۔ وہ کام نہ کرو جس سے کوئی ان کو گالی دے۔ اگر وہ آئیں اور تم بیٹھے ہو تو کھڑے ہو جاؤ، اگر مومن ہوں تو ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ اگر کافر ہوں تو ان کے لیے دُعائے ہدایت کرو

وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ‌ؕ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلْ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًۢا بَصِيۡرًا ﴿۳۰﴾

اور قرابت داروں محتاج اور پردیسی کو ان کا حق دے دو اور فضول خرچی مت کرو۔ فضول خرچی

کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کی بڑا ناشکری کرنے والا ہے اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل و کرم کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے (مجبوراً) ان غریبوں سے منہ موڑنا پڑے تو نرمی سے انہیں سمجھادو اور اپنے ہاتھ نہ تو گردن سے بندھے رکھو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سب کچھ دے ڈالو) کہ تم کو آخر میں ملامت زدہ حسرتناک بیٹھنا پڑے۔ بیشک تمہارا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وُہ اپنے بندوں کی حالت سے خبردار اور دیکھنے والا ہے۔

تفسیرِ صافی میں ہے کہ اَلْقُرْبٰی سے مراد قرابت جناب رسولِ خدا ہے اور یہ آیت جناب سیّدہ کی شان میں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت رسولِ خدا نے فدک کا علاقہ جناب سیّدہ کے لیے مخصوص کر دیا۔ اور مسکین سے مراد اولادِ فاطمہؑ اور مسافر سے مراد بھی وہی ہیں۔ تفسیر دُرِ منثور سیوطی میں مردویہ نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولِ خدا نے جناب سیّدہؑ کو بلایا اور فدک عطا فرمایا۔

مروی ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد جب اسیرانِ اہلبیتؑ کا قافلہ دمشق پہنچا اور ایک شامی نے حضرت علیؑ بن الحسینؑ سے پوچھا، آپ کون لوگ ہیں تو آپؑ نے فرمایا تُو نے سورۂ بنی اسرائیل میں یہ آیت نہیں پڑھی وَاٰتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّہٗ تو اس نے منہ پیٹ کر کہا کیا آپ ہی اس آیت کا مصداق ہیں۔

اکثر مفسّرینِ اسلام نے اس آیت کو جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کے متعلق تسلیم نہیں کیا بلکہ ذوی القربٰی سے مراد لوگوں کے رشتہ دار لیے ہیں۔ اگر وہ اس کو تسلیم کر لیتے تو پھر حقِ فاطمہؑ آیتِ قرآنی سے ثابت ہو جاتا۔ اس صورت میں اس کی تردید ایک یتیم الاسناد حدیث سے کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ سب کے حقوق کی نگہداشت تو علمائے اسلام نے منظور کی لیکن اولادِ رسولؐ کے متعلق ان کے نزدیک نگہداشت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ گویا اموالِ مسلمین میں ان کا کوئی حق نہیں۔

ع — بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی ست

خدا سب کے حقوق کی طرف توجہ دلاتا ہے پھر کیا وجہ کہ اولادِ رسولؐ کا حق مقرر نہ کرے۔ مسلمان مسکینوں اور مسافروں کے ساتھ سلوک کرنے کا ذکر تو قرآن میں کئی جگہ ہو چکا ہے۔ یہ آیت عام نہیں خاص ہے جس کا تعلق صرف جناب فاطمہ زہراؑ اور ان کی اولادؑ سے ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ فضول خرچی نہ کریں کیونکہ ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ جبکہ ہمارے اردگرد بے شمار حاجت مند پائے جاتے ہیں تو ہمارا فضول خرچی کرنا ان بیچاروں پر ظلم ہے۔ اس زمانہ میں فضول خرچی کی بہت سی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں جن میں بے شمار پیسہ لوگ خرچ کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں ایسے کاموں پر خرچ والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ پیسہ محنت سے کمایا جاتا ہے۔ اس کو

فضول خرچی اور بخل کی مذمت

سوچ سمجھ کر خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ آئے دن انسان حوادثِ ارضی و سماوی کی زد میں آتا رہتا ہے۔ اس کے لیے کسی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر خرچ ہی کرنا ہے تو ایسے کاموں میں کیوں نہ صرف کیا جائے جو خدا کی خوشنودی کا باعث ہو۔

فضول خرچی کی طرح بُخل کی بھی روک تھام کی گئی ہے۔ یہ بھی ایک مذموم عادت ہے۔ مقصد خدا کا یہ ہے کہ ہر انسان کو ایک اعتدالی صورت میں اپنی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ نہ تو اللّے تللّے ہی ہوں نہ یہ کہ پیسہ کو تُل تُل کر خرچ کیا جائے اور اہلِ حاجت کی طرف کوئی توجہ نہ ہو۔ معاشرہ کی فلاح و بہبود کے دشمن دونوں ہیں۔ فضول خرچ بھی اور بخیل بھی۔ بخیل آدمی کا کوئی دوست نہیں ہوتا حتّٰی کہ اس کے اہل و عیال بھی۔ اس کے متعلقین اس کے مرنے کی دعائیں مانگتے ہیں اس سے زیادہ ذلیل زندگی اور کیا ہو گی۔

رزق کا بڑھانا گھٹانا اللہ کے اختیار میں ہے۔ وقتِ ضرورت اسی سے لو لگانی چاہیئے۔ فضول خرچ سمجھتا ہے کہ خدا اُسے دیتا ہی جائے گا بخیل سمجھتا ہے کہ اگر خرچ ہو جائے گا تو پھر کون دے گا۔ بات کی تہ کو دونوں ہی نہیں پہنچے شیطان ان دونوں کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ معمولی معمولی چیزوں میں ہم فضول خرچ ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً بے ضرورت بجلی جلانا، بے ضرورت پانی کا نل کھلا رکھنا، بے ضرورت برقی پنکھا چلانا، بے ضرورت لباس بنانا، سامانِ آرائش خریدنا، شادیوں میں دل کھول کر پیسہ خرچ کرنا، زیور پر زیور بنوائے چلے جانا، یہ سب فضول خرچی نہیں تو اور کیا ہے۔ ضرورت کے لحاظ سے کھانا نہ پکوانا، لباس نہ بنوانا، مکان کی درستی نہ کرنا، محتاج بھائیوں کی خبر نہ لینا، بخل نہیں تو اور کیا ہے۔ جیساکہ حکمِ الٰہی ہے انسان کو اپنی زندگی اعتدالی حالت میں بسر کرنی چاہیئے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ

مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ
ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾

مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک اُن کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ بدکاری ہے اور بُرا راستہ ہے۔ اور جس کا قتل کرنا خدا نے حرام کر دیا ہے اُسے قتل مت کرو مگر جائز طریقہ سے۔ جو شخص مظلوم قتل کیا جائے گا، ہم نے اس کے وارث کو (قاتل پر قصاص کا) قابو دیا ہے پس اُسے چاہیئے کہ قتل (خون کا بدلہ لینے) میں زیادتی نہ کرے بے شک وہ مدد دیا جائے گا۔ اور مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر اچھے طریقہ سے جب تک وہ جوانی کو نہ پہنچے اور عہد کو پورا کرو عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا اور ناپ تول کر (کوئی چیز) دینا ہو تو پیمانہ کو پُورا بھرا کرو اور ٹھیک ترازو سے تولا کرو (ڈنڈی نہ مارا کرو) یہ طریقہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

کوئی معاشرہ بدنظمی اور پریشانی سے محفوظ نہیں رہ سکتا اگر لوگوں کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کا بندوبست نہ ہو۔ ان آیات میں چند باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی گئی ہے:

(۱) جب بستیوں میں قحط پڑتے ہیں اور بھوک مارنے کا کوئی سامان مہیا نہیں ہوتا تو لوگ اپنے بچوں کو قتل کر دیتے ہیں تاکہ انہیں بھوک سے تڑپتا نہ دیکھیں اور ان کی روزی کی فکر سے آزاد ہو جائیں۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے اس سے شقاوتِ قلبی کا اظہار ہوتا ہے اگر قحط کے زمانہ کو طول ہو جائے اور رزق یابی کی کوئی صورت نہ ہوگی تو وہ خود بھوک سے مر جائیں گے ورنہ خدا رازق ہے کہیں نہ کہیں سے ان کی روزی کا بندوبست کر دے گا۔

(۲) زناکاری سے روکا گیا ہے کسی کو حق نہیں ہے کہ ناجائز طریقہ سے کسی کی آبرو ریزی کرے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی ایسے کھیت میں تخم ریزی کرنا جس کا مالک کوئی اور ہے۔ اگر عورت و مرد دونوں راضی بھی ہوں تب بھی شرعی عقد سے پہلے ایسا کرنا دونوں کے لیے رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔ اور معاشرہ میں بدکاری کی رسم جاری ہو کر فتنہ و فساد کا باعث بنتی ہے۔

(۳) بے جرم و قصور کسی کو قتل کرنا گناہِ عظیم ہے۔ خواہ غیر کا قتل ہو یا اپنا ہی قتل ہو یعنی خودکشی۔ سوائے خدا کے کسی کی جان کا کوئی مالک نہیں ایسے شخص کے لیے کھلی سزا جہنم ہے۔ جس تمدن میں بے محابا لوگ بے جرم و قصور قتل کر دیئے جاتے ہوں وہاں کوئی فرد بھی سکون و اطمینان کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ خدائی قانون

یہ ہے کہ مقتول کے وارث کو وہ قاتل کے اوپر غلبہ دیتا ہے لیکن بدلہ لینے کی یہ صورت ہونی چاہیئے کہ صرف قاتل ہی کو قتل کیا جائے۔ ایسا نہ ہو جیسا زمانۂ جاہلیت میں کیا جاتا تھا کہ ایک جان کا بدلہ قاتل کے پُورے قبیلہ سے لیا جاتا تھا اور برسوں جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

(۴) مالِ یتیم کی حفاظت بھی فرائضِ انسانیت میں داخل ہے جن کی پرورش میں یتیم ہو ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ بغیر جائز حق کے اس کے مال کو کھا پی کر برابر کر دیں۔ یتیم کے بالغ ہونے تک اس کے مال کی حفاظت کریں۔ اور بالغ و راشد ہونے پر اس کے سپرد کر دیں۔

(۵) قومِ شعیب علیہ السّلام کی یہ عادت تھی کہ جب غیروں سے مال لیتے تو ناپ سے ہوتا یا تول سے زیادہ لے لیتے اور جب اپنی چیز دیتے تو کم ناپتے اور کم تولتے۔ قومِ شعیب ہی پہ کیا موقوف ہے بے ایمان تاجر اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

غور کیجیئے جس بستی کے باشندوں میں یہ خراب عادتیں نہ ہوں ان کی زندگی کیسی پُرسکون و پُرامن ہوگی۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے افعالِ بد سے محفوظ رہ کر اپنے فرائضِ زندگی انجام دیں اور زندگی کی تھوڑی سی مدت باایمان رہ کر گزار دیں۔

(۶) عہد پورا کرنا اور وعدہ وفا کرنا ایک باایمان اور نیک انسان کا فرض ہے کیونکہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی سے لوگوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اور بعض اوقات بہت بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔ روزِ قیامت ہر عہد شکن سے پُوچھ گچھ ہوگی۔ لہٰذا ایک مسلمان کو وعدہ خلافی سے ڈرنا چاہیئے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

جس چیز کا تمہیں علم نہیں خواہ مخواہ اس کے پیچھے نہ پڑا کرو۔ بیشک کان آنکھ اور دل ان سب سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلا کرو۔ تم ایسے دھما کی چال سے نہ تو زمین کو پھاڑ ڈالو گے اور نہ تن تن کر چلنے میں پہاڑوں سے اُونچے ہو جاؤ گے۔ اے رسول ان سب باتوں میں سے جو بات بُری ہے وہ تمہارے پروردگار کو ناپسند ہے۔ یہ بات تو حکمت کی ان باتوں میں سے ہے جو تمہارے پروردگار نے تمہارے پاس وحی بھیجی ہے اور خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ ورنہ ملامت زدہ راندہ ہو کر جہنّم میں جھونک دئیے جاؤ گے۔ کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں چُن چُن کر بیٹے دئیے ہیں اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنایا ہے۔ اس میں شک نہیں تم بڑی سخت بات کہتے ہو ہم نے تو اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کر دیا تاکہ لوگ سمجھیں مگر اس سے تو ان کی نفرت ہی بڑھتی گئی۔

یعنی جب تک کسی چیز کے متعلق پورا علم حاصل نہ ہو محض گمان و قیاس سے کام لے کر کسی پر الزام نہ لگاؤ اگر تم کسی بات کے متعلق غلط بیانی کرو گے تو خدا کے یہاں روزِ قیامت پوچھ گچھ ہو گی۔ اگر وہ بات غلط ثابت ہوئی تو سزا پاؤ گے۔

کان۔ آنکھ اور دل واقعات کی تحقیق کے لیے یہ ذرائع تم کو دئیے گئے ہیں ان سے کام لو اور جب تک کوئی واقعہ پوری طرح تحقیق نہ ہو جائے اپنی کوئی رائے قائم نہ کرو کیونکہ ہر اٹکل پچّو بات کے متعلق تم سے روزِ قیامت سوال کیا جائے گا۔

اکڑ اکڑ کر اور سینہ تان کر مت چلو۔ یہ چال خدا کو پسند نہیں۔ اکڑتے کس بات پر ہو تمہاری ابتدا نُطفۂ گندیدہ ہے اور انتہائی سڑا ہوا مردہ اس کے بیچ کی جو زندگی ہے وہ ہزار بلاؤں میں گرفتار، تمہیں اپنی احتیاجوں میں کس کس کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے سب کو جانے دو یہ ریشمی کپڑا جو تم پہن کر اکڑتے ہو ایک چھوٹے سے ذلیل کیڑے کے منہ سے نکلی ہوئی رال ہے۔ یہ شہد جسے تم کھا کر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہو ایک چھوٹی سی مکھی کی قے ہے۔ تم کو شرم آنی چاہیئے۔

افسوس ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے پتھروں کو اپنا معبود بناتے ہو۔ تمہاری عقل کیسے گوارا کرتی ہے کہ جو تمہاری مخلوق ہے وہی تمہاری خالق ہے۔

تم کس قدر احمق ہو کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بناتے ہو اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور بیٹیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہو اور خدا کے لیے ان کو تجویز کرتے ہو۔ خدا تو نہ بیٹے رکھتا ہے نہ بیٹیاں۔ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ خدا کے لیے تم کتنی سخت بات کہتے ہو کیا ایسی گستاخیوں کی تم سے باز پرس نہ ہو گی۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

اے رسول تم کہدو کہ جیسا تم لوگ کہتے ہو اگر خدا کے سوا کچھ اور معبود بھی ہوتے تو ضرور وہ صاحب عرش خدا تک پہنچنے کا راستہ نکالتے۔ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، خدا کی ذات اس سے پاک اور بہت بلند و برتر ہے ساتوں آسمان اور زمین اور جو مخلوق بھی ان کے اندر ہے سب خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ کوئی شے ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ خدا کی حمد کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں۔ بے شک وہ بڑا بُردبار اور خطاؤں کا بخشنے والا ہے۔

خداوندِ عالم نے اپنی وحدانیت کا جابجا قرآن میں ذکر کیا ہے منجملہ ان کے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر خدا کے سوا کچھ اور بھی خدا ہوتے تو خدا تک پہنچتے اور اس سے جھگڑا کرنے کے لیے کوئی راستہ ضرور نکالتے لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو ان کا وجود بھی ثابت نہیں۔ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ جب دو بادشاہ ایک ملک میں حکومت نہیں کر سکتے تو بھلا کئی خدا کیسے خدائی کر سکتے ہیں۔ اگر کئی خدا ہوتے تو ان کے بھیجے ہوئے انبیاء و مرسلین بھی اسی طرح دنیا والوں کے پاس آتے جس طرح خدائے وحدہٗ لاشریک کے بھیجے ہوئے برابر آتے رہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان ہے ان کا جو نظام ہے وہ ازل سے ابتک ایک ہی سا چلا آرہا ہے۔ اگر کئی خدا ہوتے تو ان کا نظام اس نظام کے ضرور برخلاف ہوتا۔ مگر جب ایسا نہیں تو کیسے مان لیا جائے کہ خدا کے شریک کچھ اور خدا بھی ہیں۔ ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں۔ ہر ایک کی تسبیح

جُداگانہ ہے اور حمد کا طریقہ بھی الگ ہے۔ ان کی زبان پر تالا پڑا ہوا ہے۔ اگر ان کو خدا کی طرف سے بولنے کی اجازت مل جائے تو بولنے بھی لگتے ہیں۔ جیسے حضرت رسولِ خدا کے ہاتھ پر سنگریزوں نے کلمہ پڑھا یا حجرِ اسود نے حضرت امام زین العابدینؑ کی امامت کی گواہی دی۔ یا حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح کرتے تھے۔ جو لوگ خدا کو نہیں مانتے خدا ان کی گردن مروڑ سکتا ہے ان کو ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن وُہ حلیم ہے اور خطاؤں کا بخشنے والا ہے۔ نافرمانیاں دیکھتا ہے اور حلم سے کام لیتا ہے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

جب تم قرآن پڑھتے ہو تو تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم ایک گہرا پردہ ڈال دیتے ہیں اور ہم خود ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیتے ہیں تاکہ یہ اُسے سمجھیں ہی نہیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں اور جب تم قرآن میں اپنے رب کی توحید کا ذکر کرتے ہو تو وہ اُلٹے پاؤں تمہارے پاس سے نفرت کر کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں جب یہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ یہ کیا کان لگا کر سنتے ہیں اور جب یہ آپس میں کانا پھوسی کرتے ہیں تو یہ ظالم (ایمانداروں سے) کہتے ہیں تم تو بس ایک دیوانے آدمی کے پیچھے پڑے ہو۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جب قرآن میں اس کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے کانوں اور تمہاری آواز کے درمیان ایسے دبیز پردے پڑ جاتے ہیں کہ تمہاری کوئی آواز ان کے کان تک نہیں پہنچتی چونکہ وہ خود اس کے

مُقِر تھے کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں لہٰذا قدرت نے اسی کو دُہرا دیا ہے۔ خدا نے اس کو اپنی طرف نسبت دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف سے یہ قانونِ فطرت ہے کہ جب کوئی بات کسی کی سُننا ہی نہیں چاہتا تو وہ گراں گوش بن جاتا ہے اور اس کا دل اس کے سُننے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ یہ تو عام طور پر مشاہدہ میں آنے کی چیز ہے۔

جب تم قرآن میں صرف خدا کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہو اور ان کے معبودوں کا حال نہیں پڑھتے تو وہ بیزار ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ وہ خدا کا وحدہٗ لاشریک ہونا پسند ہی نہیں کرتے۔ وہ کان لگا کر یہ سننا چاہتے ہیں کہ ان کے معبودوں کی تعریف بھی قرآن میں ہے یا نہیں جب نہیں سنتے تو پھر تمہارے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور چپکے چپکے ایمانداروں سے کہتے ہیں یہ شخص تو معاذ اللہ دیوانہ ہے تم اس کی پیروی کیوں کرتے ہیں۔

خدا نے تو قرآن کو اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگ اُسے سُنیں اور سمجھیں لیکن جب ان مشرکین نے اپنے دلوں میں یہ ٹھان لی ہے کہ یہ سب جھُوٹی باتیں ہیں آخرت کوئی چیز نہیں تو پھر ان کے کان بہرے نہ ہوں گے تو اور کیا ہوگا انہیں اس ذکر سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ وہ کسی بات کو دل میں جگہ دینی ہی نہیں چاہتے پھر خدا زبردستی ان کے کانوں کی یہ گرانی کیوں دُور کرے اور ان کے قلوب کو جبراً ایسا کیوں بنا دے کہ وہ قبول کر لیں۔ اس نے تو کان سننے کے لیے بنائے ہیں اور دل سمجھنے کے لیے، یہ فطری قانون ہے لیکن جو اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر اچھی بات کو سننا اور سمجھنا چاہتا ہی نہیں۔ خدا کی توفیق اس کا ساتھ کیوں دے۔ وہ بہرے ہیں نہ اندھے نہ بے عقل ہیں انہوں نے خود کو ایسا بنا لیا ہے۔ اس میں خدا پر کیا الزام۔

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا ﴿۵۱﴾ یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۵۲﴾

(اے رسول) دیکھو تو (یہ کمبخت) تمہارے اوپر کیسی کیسی پھبتیاں کستے ہیں۔ یہ گمراہ ہوگئے یہ راہِ حق کو کسی طرح پا ہی نہیں سکتے۔ یہ کہتے ہیں کیا ہم جب (مرنے کے بعد گل سڑ کر) ہڈیاں رہ جائیں گے اور ان کا بھی چورا چورا ہو جائے گا تو کیا پھر از سرِ نو ہم کو پیدا کرکے اُٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ ان سے تم کہہ دو کہ مرنے کے بعد چاہے تم پتھر بنو یا لوہا یا اور کوئی چیز جو تمہارے خیال میں اس سے زیادہ سخت ہو (وہ ضرور زندہ ہوگی) وہ عنقریب تم سے پوچھیں گے ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا تو تم ان سے کہہ دو جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے (وہی دوبارہ زندہ کرے گا) اس پر یہ لوگ تمہارے سامنے سر مٹکائیں گے اور کہیں گے ایسا کب ہوگا تم کہہ دو عنقریب ہی ہوگا جس دن خدا تمہیں بُلائے گا تو تم اس کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اس کی تعمیل کرو گے اور خیال کرو گے (مرنے کے بعد قبروں میں) بہت ہی کم ٹھہرے۔

کفّار و مشرکین حضورؐ کی خدمت میں آکر مختلف قسم کے سوال کرتے تھے اور جب حضورؐ جواب دیتے تھے تو اس کو صحیح نہ مان کر مسخرہ پن سے سر مٹکاتے تھے۔ منجملہ اور سوالوں کے ایک سوال یہ تھا کہ جب بدن یہاں گل سڑ کر رہ جائے گا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو پھر ہمارا نئے سرے سے زندہ ہونا کیا معنی۔ خدا فرماتا ہے، اے رسولؐ تم ان سے کہہ دو کہ ہڈیوں کا کیا ذکر اگر تمہارے بدن پتھر یا لوہے یا اس بھی زیادہ سخت چیز کے ہوں تب بھی وہ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

اب انہوں نے دوبارہ سوال کیا کہ ہمیں دوبارہ کون زندہ کرے گا؟ اس کا جواب خدا کی طرف سے دیا گیا کہ وہی زندہ کرے گا جس نے تمہیں اوّل بار پیدا کیا تھا۔ اس پر تم نے کیوں نہیں تعجب کیا۔ آخر یہ گوشت پوست اور ہڈیاں کہاں سے آگئے۔ جو خدا تمہیں عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں نہیں قدرت رکھتا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ایسا کب ہوگا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بہت جلد ہوگا تم اس دنیا کی عمر کا حساب اپنے معیّن کردہ سالوں سے لگاتے ہو لیکن قدرت کے یہاں ایک دوسرا حساب ہے۔ تمہارے ہزار سال قدرت کے کیلنڈر میں ایک دن کے برابر ہیں۔ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (پ۱۷ ع۱۲) اس لحاظ سے ابھی تم کو دنیا میں بسے ہوئے کے دن ہوئے ہیں۔ خدائی حساب سے وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے۔

جب تم قبروں سے اٹھائے جاؤ گے تو خدا کی حمد کرتے اٹھو گے۔ دُنیا میں تم نے فطرت کو مسل مسل کر رکھا تھا اور خدا کے وجود سے انکار کرتے رہے تھے مگر وہاں فطرت اپنے اصلی رنگ میں ہوگی اور اپنے خالق و معبود کی حمد کرتی ہوئی اُٹھے گی۔ وہاں اس پر تمہارا زور نہ چلے گا۔ اس وقت تم کو یہ خبر بھی نہ ہوگی کہ تم کتنی مدّت قبر میں رہے ہو

اس قسم کے سوالات کفّار و مشرکین کے دلوں میں اس لیے پیدا ہوتے تھے کہ تقریباً چھ سو برس تک انبیاءؑ کا آنا بند رہا تھا۔ اس کو زمانۂ فترت کہتے ہیں۔ اس مدّت میں جہالت کا ایسا شدید دَور دورہ تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ فطرت کے قوانین سے لوگ قطعاً بے خبر ہوگئے تھے۔ آخرت کا خیال دلانے والا کوئی نہ تھا۔ ان کے عقیدہ میں سب کچھ یہ دُنیا ہی تھی۔ آنحضورؐ کے ظہور کے بعد جب یہ سینکڑوں برس کا بھولا ہوا سبق ان کے سامنے رکھا گیا تو وہ بوکھلا گئے۔ قیامت کے ذکر سے انہیں وحشت ہونے لگی پرسشِ اعمال کا جن کے دلوں میں دھڑکا ہی نہ تھا دوبارہ زندہ ہونے کا خدشہ ہی نہ تھا اب جو یہ اذکار اُن کے کانوں میں پڑے تو دینِ اسلام سے انہیں نفرت پیدا ہوگئی۔ کیونکہ ہر عمل پر احتیاط کا پہرہ دار بیٹھا دیکھ کر ان کو زندگی کا مزہ کرکرا ہوتا دکھائی دینے لگا۔ اور آخرت کا تصوّر وبالِ جان سمجھا جانے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گھبرا گھبرا کر مختلف قسم کے سوالات آنحضرتؐ سے کرتے تھے۔ اور کسی جواب سے انہیں تسکین نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ ان کی آزادی احتیاط کے کسی جال میں پھنسنا نہیں چاہتی تھی۔ بت پرستی میں انہیں ہر قسم کی آزادی نصیب تھی۔ ایمان لانے کے بعد چونکہ وہ سَلب ہو جاتی اس لیے بھی وہ ایمان لانے سے گریز کرتے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ اگر رسولؐ کی رسالت کی تکذیب ہو جائے تو ان کے سر سے ایک بڑا بار اُتر جائے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

(اے رسول) میرے بندوں (مؤمنوں) سے کہدو (کہ کافروں سے) بہ نرمی سے بات کریں کیونکہ شیطان تو ایسی ہی باتوں سے فساد ڈلواتا ہے بیشک شیطان انسان کا کھُلا دشمن ہے اللہ تمہارے حال سے خُوب واقف ہے اگر چاہے گا تو تم پر رحم کرے گا اور اگر چاہے گا تو تم پر عذاب کرے گا۔ اے رسول ہم نے تمہیں ان کا (ان کے اعمال کا) ذمّہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا رب جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اس کا جاننے والا ہے اور بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (اے رسول مشرکوں سے) کہدو کہ خدا کے سوا جن کو تم (اپنا معبود سمجھ کر) پکارتے ہو (پکار دیکھو) وہ تو نہ تمہاری کسی تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔ یہ مشرک جن کی عبادت کرتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے پھرتے ہیں کہ (دیکھیں ان میں سے) کون زیادہ قربت رکھتا ہے اور خدا کی رحمت کی امّید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تمہارے ربّ کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ جب مشرکین سے مسلمانوں کا مباحثہ ہوتا تھا تو مسلمان ان کی توہین آمیز باتوں پر مشتعل ہو جاتے تھے اور سخت کلامی کرنے لگتے تھے خدا ان کو ہدایت کرتا ہے کہ ایسا نہ کرو۔ اس طریقہ سے ہدایت کا کام رُک جائے گا اور شیطان کا جو منشا ہے وہ پُورا ہو جائے گا۔ وہ تمہارا پکّا دشمن ہے وہ تو یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح ہدایت کے کام میں رخنہ پڑ جائے۔ تم کسی سے یہ بھی نہ کہو کہ تُو دوزخی ہے اور میں جنّتی ہوں۔ تمہارے کہنے سے کوئی دوزخی یا جنّتی نہیں بن جائے گا یہ کام تو خدا کے اختیار میں ہے جس پر چاہے رحم کرے اور جس پر چاہے عذاب کرے۔ جنّت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے تم نہیں ہو۔ ہم نے رسولؐ کو بھی اس کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہو رہا ہے خدا وہ سب کچھ جانتا ہے لہٰذا وہ اپنے علم کے مطابق جیسا فیصلہ چاہے گا کرے گا۔

مشرکین آنحضرتؐ کو ذلیل نگاہوں سے دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ انبیاءؑ پہلے گزر چکے ہیں فضیلت ان ہی کے لیے تھی۔ تم بی بی بچّوں والے آدمی ہو۔ دُنیا کے معاملات میں پھنسے ہوئے تم کو نہ ہم پر فضیلت ہے نہ تم رسول اللہ بننے کے قابل ہو۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم کیا جانو کہ انبیاءؑ کے درمیان فضیلت کو ہم نے کس بنا پر قائم کیا ہے۔ داؤدؑ سلطنت کے مالک تھے بال بچّوں والے بھی تھے مگر اس سے ان کے ایمان میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا اور ہم نے ان کو اپنا رسول بنایا اور زبُور جیسی کتاب بھی دی پس تم ہمارے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حقارت کی نظر سے کیوں دیکھتے ہو۔ ہمارے تمام انبیاء صاحبِ اہل و عیال ہوئے ہیں لیکن اس نہ کارِ رسالت میں رکاوٹ پیدا ہوئی نہ ان کی فضیلت میں فرق آیا۔ بلکہ اہل و عیال کے ساتھ رہ کر تو ان کی پاکیزگی نفس کا

اور زیادہ ثبوت مِلا۔

تم مشرکین سے کہو جن کو تم خدا سمجھتے ہو ذرا وقتِ مصیبت پُکار کر دیکھو تو سہی۔ دیکھیں تو وہ تمہاری مصیبت میں کیا کام آتے ہیں۔ کیا خاک کام میں آئیں گے نہ کسی تکلیف کو تم سے دُور کر سکیں گے نہ زیادہ تکلیف کو کم تکلیف سے بدل سکیں گے۔ وہ تو خود خدا کی قربت کا وسیلہ تلاش کرنے والے ہیں تاکہ خدا سے زیادہ قریب ہو جائیں۔ اور جب وہ خود محتاجِ امداد ہیں تو بھلا تمہاری کیا مدد کر سکیں گے۔ یعنی یہ بُت جن بڑے لوگوں کی یاد میں تم نے بنا رکھے ہیں وہ بھی ہماری مخلوق تھے اور ہماری امداد کے محتاج اور ہم سے ڈرنے والے تھے۔ جب وہی تمہارے کام نہیں آسکتے تو بھلا ان کے مجسّمے جو تم نے بنا رکھے ہیں کیا کام آئیں۔ یہ تو بے حس و بے جان ہیں۔ اپنے منہ پر آئی مکھی نہیں اُڑا سکتے۔

جو لوگ حضرت عیسیٰؑ یا حضرت مریمؑ یا فرشتوں کو خدا مانتے ہیں اُن سے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے یہ معبود تو خود خدا کے تقرب کے خواہاں ہیں اگر یہ سچ مچ خدا ہوتے تو پھر خدا سے دُعا کیوں کرتے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع

کوئی بستی ایسی نہیں ہے مگر قیامت سے پہلے ہم اُس کے رہنے والوں کو ہلاک کر دیں گے (یا نافرمانی کی وجہ سے) اُن پر سخت عذاب نازل کریں گے۔ یہ کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہُوا ہے۔ ہمیں

معجزات کے بھیجنے میں اور کوئی شے مانع نہیں ہوتی مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے انہیں جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو (معجزہ سے) اونٹنی عطا کی جو ہماری قدرت کو دکھانے والی تھی۔ ان لوگوں نے اس پر ظلم کیا (مار ڈالا) ہم تو معجزات صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں۔ (اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے کہا کہ تمہارے پروردگار نے ہر طرف سے لوگوں کو گھیر رکھا ہے (کہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے) اور ہم نے جو خواب تمہیں دکھایا تھا تو ہم نے اُسے لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا تھا اور اس طرح وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (باعثِ آزمائش ہے) ہم نے باوجودیکہ لوگوں کو طرح طرح سے ڈرایا مگر ان کی سرکشی بڑھتی ہی چلی گئی۔

پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس دُنیا میں کوئی ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا۔ ہر بستی کے باشندے قیامت سے پہلے ایک نہ ایک دن یا تو طبعی موت سے مر جائیں گے یا پھر عذابِ خدا سے ہلاک ہوں گے۔ یہ کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا جا چکا ہے اُسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ معجزات کا سلسلہ ہم نے اس لیے بند کر دیا کہ لوگ انبیاء کو جھٹلاتے تھے اور کوئی فائدہ ان سے حاصل نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ بہت سے انبیاء کو ہم نے بغیر معجزہ ہی کے ہدایت کا حکم دیا۔

ہم نے صالح کی قوم کی خواہش پہ پہاڑ سے اونٹنی نکالی جو ہماری قدرت کی ایک روشن نشانی تھی لیکن ان ظالموں نے اس کی کوئی قدر نہ کی اور اُسے مار ہی ڈالا۔ ہم آیات کو ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں مگر اس پر بھی لوگ نہیں ڈرتے۔

جس خواب کا ذکر ہے یہ وہ خواب ہے جو حضرت رسولؐ خدا نے دیکھا تھا کہ بنی امیہ حضرت کے منبر پہ بندروں کی طرح اُچھک رہے تھے۔ اس خواب کے دیکھتے ہی حضرت رسولؐ خدا رنجیدہ ہوئے کہ پھر عمر بھر نہ ہنسے اور جس درخت پر لعنت کی گئی ہے اس سے مراد مروان بن حکم اور اس کی اولاد ہے جو حضرت عثمانؓ کا وزیر تھا اور جس کو حضرت رسولؐ خدا نے اس کی شرارت کی وجہ سے مدینہ سے نکلوا دیا تھا اور اس کو لوگ طریدِ رسول کہا کرتے تھے۔

(تفسیر درِ منثور جلد ۴ صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ مصر)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ انہوں نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہ کیا اُس نے کہا کیا میں اُسے سجدہ کروں جسے تُو نے مٹی سے پیدا کیا ہے اور (شوخی سے) بولا بھلا دیکھو تو سہی یہی وہ شخص ہے جس کو تُو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تُو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں (دعویٰ سے کہتا ہوں) تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی نسل کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا چل دُور ہو ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو (یاد رہے) سب کی سزا جہنّم ہوگی۔ وہ بھی پوری پوری سزا ان میں سے جن پر (چکنی چُپڑی) باتوں سے قابو پا سکے بہکا اور اپنے چیلوں کے (لشکر) سوار اور پیادے سب سے چڑھائی کر اور مال و اولاد میں ان سے شرکت کر لے اور خوب وعدے کر (یہ سب بیکار ہوگا) اور شیطان تو ان سے جو وعدے بھی کرتا ہے دھوکہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا زور نہیں چل سکتا اور کارسازی کے لیے تیرا پروردگار کافی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا بھی ایک لشکر ہے۔ مفسرین نے اس کے دو معنی لکھے ہیں ایک یہ کہ جب کسی شخص کے بچّہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی ایک بچّہ شیطان کے بھی پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ شیطان نے جو فوج بنائی ہے وہ بنی آدم ہی سے بنائی ہے وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر ان کے ذریعہ سے دوسروں کو بہکاتا ہے۔ یعنی آدمی کا شیطان آدمی ہی بن جاتا ہے۔ یہی صحیح ہے۔

مال و اولاد میں شرکت کا یہ مطلب ہے کہ جو اولاد زنا سے پیدا ہوتی ہے چونکہ وہ شیطانی کام ہے لہٰذا وہ اُسی کی اولاد ہوئی اور مال میں شرکت کا یہ مطلب ہے کہ حرام مال انسان شیطانی وسوسہ سے حاصل کرتا ہے۔ جو لوگ

شیطانی وسوسہ کا شکار نہیں ہوتے وہی خدا کے خالص بندے ہیں۔

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًاۙ ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾

تمہارا پروردگار وُہ ہے جو سمندروں میں جہازوں کو چلاتا ہے تاکہ تم اپنی معاش تلاش کرو۔ بیشک وہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔ جب تمہیں سمندر کے سفر میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وُہ سب غائب ہو جاتے ہیں لیکن جب خدا نے تمہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیا تو تم اس سے منہ موڑ بیٹھے اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے تو کیا اس کا اطمینان ہو گیا کہ وہ تمہیں خشکی کی طرف لے جا کر (قارُون کی طرح) زمین میں نہ دھنسا دے گا یا تم پر (قومِ لوط کی طرح) پتھروں کا مینہ نہ برسا دے گا اس وقت تم کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ گے یا تمہیں اس طرف سے اطمینان ہو گیا ہے کہ تم کو دوبارہ اسی سمندر میں لے جائے اور ہوا کا ایسا جھونکا لے آئے کہ (جہاز کے) پرخچے اُڑ جائیں اور پھر تمہیں (کفر کی سزا میں) ڈبو کر ہلاک کر دے اور تم کو کوئی ایسا حمایتی نہ ملے جو ہمارا پیچھا کر کے تمہیں ہمارے عذاب سے بچا لے۔

خدا اپنے احسانات کا ذکر کر رہا ہے۔ یہ خدا ہی کا تو فضل ہے کہ تم تلاطم خیز سمندروں میں جہازوں کو لیے پھرتے ہو اور مُلکوں مُلکوں سے تجارت کر کے اپنی روزی بہم پہنچاتے ہو۔ اگر جہاز طوفان میں آ جائے تو اس وقت خدا کے سوا تمہیں کون بچاتا ہے جن جھوٹے معبُودوں کی تم عبادت کرتے ہو جب انہیں مدد کے لیے پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں وہ تو سب غائب ہو جاتے ہیں خدا ہی طوفان سے بچا کر لاتا ہے۔ خشکی میں بھی اگر چاہتا تو زمین میں دھنسا دیتا یا پتھر برسا کر ہلاک کر دیتا۔ غرض کہ ہر طرح تمہاری زندگی اور موت پر اُسے اختیار ہے تم اس خدا کو چھوڑ کر ایسوں کو خدا مانتے ہو جنہیں کوئی قوت حاصل نہیں۔

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۠ ﴿۷۰﴾ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۱﴾

ہم نے اولادِ آدم کو عزّت دی اور خشکی اور تری میں (حیوانوں اور کشتیوں کے ذریعہ سے) ہم ان کو لیے پھرے اور ہم نے ان کو پاک چیزوں کا رزق دیا اور ہم نے ان کو اپنی کثیر مخلوق پر ترجیح دی۔ اُس دن کو یاد کرو جب ہم ہر گروہ کو اُس کے امام کے ساتھ بُلائیں گے پس جس کے داہنے ہاتھ میں اُس کی کتاب دی جائے گی وہ (خوشی سے) اپنی کتاب پڑھیں گے اور اُن پر ذرا سا ظلم بھی نہ کیا جائے گا۔

انسان پر یہ اللہ تعالےٰ کا لطف و کرم ہے کہ اپنی تمام مخلوقات پر اس کو اشرفیت عطا کی اور ان پر اس کو قابو عطا فرمایا۔ وہ خشکی میں جانوروں کی پشت پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتا ہے اور تری میں کشتیوں اور جہازوں پر جہاں چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ پھر گندی چیزوں کے رزق سے اس کو بچایا۔ پاک صاف رزق اس کو عطا کیا اور اپنی کثیر مخلوق پر اس کو فضیلت دی۔ ہر مخلوق اس کے سامنے اپنا سرِ نیاز خم کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد دیکھنا ہے کہ وُہ کیا کرتا ہے قیامت کے دن ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بُلایا جائے گا۔ جنہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے ان کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ خوش ہو کر اس کو پڑھیں گے

ہر گروہ کو امام کے ساتھ اس لیے بُلایا جائے گا کہ وہ لوگوں کے اعمال کی گواہی دے۔ امام دو قسم کے ہوتے ہیں ایک امام ہدایت کرنے والا ہو گا دوسرا گمراہ کرنے والا۔ جو گمراہ کرنے والا ہو گا اُسے بھی اُس کے پیروؤں کے ساتھ سزا دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام معصوم کا ہونا ضروری ہے جو ان کو ہدایت کرے ہر انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنی فضیلت کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے۔ بد اعمال انسان کی فضیلت خدا کی کوئی مخلوق تسلیم نہیں کرے گی۔ جو شخص خدا کو چھوڑ کر پتھروں، درختوں اور حیوانوں کو اپنا معبود بناتا ہے اور ان کے سامنے اپنا سر نیاز خم کرتا ہے وہ کیوں اس کی فضیلت کو تسلیم کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر ہوں یا درخت یا حیوان، گنہگار انسانوں کی بات کا نہ جواب دیتے ہیں نہ ان کا حکم بجا لاتے ہیں لیکن جو معصوم ہستیاں ہوتی ہیں ان کے مطیع و فرمانبردار بن جاتے ہیں۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿٧٤﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾

جو شخص اس دُنیا میں (جان بُوجھ کر) اندھا بنا رہا وُہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا اور نجات کے راستہ سے بھٹکا ہوُا۔ اے رسول لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کمی نہیں کی کہ جو قرآن ہم نے تمہارے پاس بذریعہ وحی بھیجا ہے اس سے بہکائیں تاکہ تم قرآن کے علاوہ دُوسری باتوں کا افترا باندھو اگر تم یہ کر گزرتے تب لوگ تمہیں اپنا سچا دوست بنا لیتے اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو تم بھی ضرور ذرا جھکنے لگتے اور اگر تم ایسا کرتے تو ہم اس وقت تم کو زندگی میں بھی اور مرنے پر بھی دوہرے دوہرے عذاب کا مزہ چکھا دیتے اور پھر تم کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ ملتا۔

پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس دنیا میں سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتا اور اپنے ہادی و رہنما کو نہیں پہچانتا باوجود آنکھیں ہونے کے اندھا بنا ہوُا ہے تو آخرت میں بھی اندھا ہی بنا رہے گا۔

مشرکین مکہ کی بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح حضورؐ اپنی تبلیغ سے رُک جائیں اس بارہ میں جو کچھ کر سکتے تھے وہ سب کیا۔ شاعر کہا۔ مجنون کہا۔ طرح طرح ستایا بھی۔ بڑے بڑے لالچ بھی دیئے۔ فریب سے بھی کام لیا لیکن جب کسی طرح مطلب برآری نہ ہوئی تو آخر میں مصالحت پر اُتر آئے یعنی آنحضرتؐ اُن کے بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں۔ اس کے عوض وہ ان کو اپنا سردار تسلیم کر لیں گے۔ ان کے سامنے دولت کے ڈھیر لگا دیں گے۔ مگر آنحضرتؐ ان کی کسی بھی پیشکش پر راضی نہ ہوئے۔

سورۂ النجم کی شرح کے سلسلہ میں بعض مفسرین نے یہ غضب ڈھایا ہے کہ جب مشرکین نے آنحضرتؐ کی خوشامد درآمد کی تو آپؐ اخلاقاً کچھ نرم پڑ گئے۔ چنانچہ جب سورۂ النجم نازل ہوئی اور آپؐ مشرکین کو سُنانے لگے تو جب اس آیت پر پہنچے اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۙ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى "۵۳/۱۹،۲۰" (بھلا تم نے لات و عزّیٰ اور تیسرے پچھلے منات کو دیکھا) تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْاُوْلٰى اِنَّ شَفَاعَتُهُنَّ لَتُرْتَجٰى (یہ بڑی گرانقدر ہستیاں ہیں ان کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے) یہ سنتے ہی مشرکین خوشی سے اچھل پڑے اور کہنے لگے بس اب بات بن گئی۔ (استغفر اللہ) "ایسے مفسّر کی تفسیر ضبط کر کے جلا دینی چاہیئے" (کاتب)

بعض نے یہ وجہ لکھی ہے کہ فتح مکّہ کے بعد جب آنحضرتؐ نے خانہ کعبہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ جا کر بُت شکنی شروع کی تو مشرکین بلجاجت کہتے تھے صرف ایک بُت کو جو کوہِ مروہ پر ہے چھوڑ دیجئے۔ حضرتؐ اس پر راضی ہو گئے لیکن بعد میں آپ نے اس کے بھی ٹکڑے کرا دیئے۔

بھلا غور کیجئے ایک نبی اور وہ بھی خاتم الانبیاءؐ جس کا مشن ہی بتوں کو تہس نہس کرنا تھا اس طرف کیسے مائل ہو سکتا تھا۔ مذکورہ بالا آیت میں جو کچھ تاکیداً کہا گیا ہے وہ فرضی طور پر رسولؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔ بعض مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ اوروں کا کیا ذکر اگر ہمارا نبی بھی بُت پرستی کی طرف ذرا سا رجحان ظاہر کرے اور بُت پرستوں سے میل جول کی طرف مائل ہو تو ہم اس پر بھی دُونا عذاب نازل کر دیں گے لہٰذا تم کو بُت پرستوں کی چکنی چُپڑی باتوں میں آ کر ان کی دوستی کی طرف مائل نہ ہونا چاہیئے اور بتوں کی مذمت سے نہ رُکنا چاہیئے۔ اپنے دین پر مضبوط ارادہ کے ساتھ ثابت قدم رہو اور ذرا سا بھی ان کی طرف مائل نہ ہو۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾ ع

یہ لوگ تمہیں سرزمین (مکّہ) سے دل برداشتہ کرنے لگے تاکہ وہاں سے (شام کی طرف) نکال باہر کریں لیکن اگر ایسا کرتے تو تمہارے جانے کے بعد یہ لوگ چند روز کے سوا یہاں ٹھہر ہی نہ پاتے تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ان سے ہمارا یہی طریقہ رہا اور ہمارے طریقہ میں تم کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

شانِ نزول یہ ہے کہ یہودیوں کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا تمام انبیاء ملکِ شام میں قیام پذیر رہے۔ ان کے خلاف آپؐ نے اپنا مسکن مکّہ کو بنایا یہ سنّتِ انبیاءؑ کے خلاف ہے لہٰذا اگر آپؐ یہاں سے منتقل ہو کر شام چلے جائیں تو ہم آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرتؐ کی طبیعت کا میلان کچھ اس طرف ہوا مگر خدا نے منع کر دیا۔ اور یہ بتا دیا کہ آپؐ سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان کے ساتھ بھی ہمارا یہی دستور رہا کہ لوگوں نے جس سرزمین سے ان کو نکالا وہ خود بھی چند روز سے زیادہ وہاں نہ رہ سکے اور ذلّت کے ساتھ نکال دیئے گئے۔ پس خدا کے اس دستور کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

یہودیوں کا یہ ایک فریب تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مدینہ میں چونکہ آنحضرتؐ کی جماعت زیادہ ہو گئی ہے لہٰذا کسی صورت سے اُسے توڑا جائے۔ جب حضرتؐ یہاں سے چلے جائیں تو تھوڑے سے مسلمان آپؐ کے ساتھ جا سکیں گے باقی جو رہ جائیں گے ان کو ہم آزار پہنچا کر یا لالچ دے کر اپنے میں شامل کر لیں گے۔

مشرکینِ مکّہ نے اسی خیال سے آنحضرتؐ کو مکّہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا کہ غیر وطن میں جا کر انہیں کامیابی نہ ہو گی اور اہلِ مکّہ ان کے زیرِ اثر آنے سے بچ جائیں گے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز بعد ہی ان پر مصیبت نازل ہو گئی۔ فتحِ مکّہ کے بعد وہ آنحضرتؐ کے قدموں پر سر رکھے ہوئے جان کی امان چاہ رہے تھے اور بہت سے لوگ ترکِ وطن کر کے نکل بھاگے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

نماز پڑھو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (نمازِ ظہر و عصر و مغرب و عشاء) اور نمازِ صبح بھی کیونکہ نمازِ صبح پر (دن رات دونوں کے فرشتوں کی) گواہی ہو گی اور رات کے خاص حصّہ میں نمازِ تہجّد پڑھا کرو یہ سنّت تمہاری (خاص) فضیلت ہے قریب ہے کہ (قیامت کے دن) خدا تم کو مقامِ محمود تک پہنچائے اور یہ دُعا مانگا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں پہنچا اچھی طرح پہنچا اور مجھے جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور مجھے خاص اپنی بارگاہ سے ایک صاحبِ قوّت مددگار عطا فرما جس سے ہر قسم کی مدد پہنچے اے رسول کہہ دو کہ (دین) حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ باطل مٹنے والا ہی تھا۔ ہم تو قرآن میں وہی چیز نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے مگر (خدا) نافرمانوں کے لیے تو گھاٹے کے سوا کچھ بڑھاتا ہی نہیں۔

صبح کی نماز پڑھنا چونکہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے دشوار ہوتا ہے اس لیے اس کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے نمازِ تہجّد میں رسولؐ کے لیے خاص فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی نمازِ تہجّد کبھی قضا نہ ہوتی تھی۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ ابنِ عباس سے مروی ہے کہ جب حضرتؐ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے چلے تو دُعا کرنے کے لیے خدا کا حکم پہنچا۔ آپؐ نے دُعا کی جسے خدا نے قبول فرمایا۔ اور یوں سچ کر دکھایا کہ جب مکّہ فتح ہوا تو آپؐ خانۂ کعبہ میں تشریف لائے اور اُسے بتوں سے پاک کیا۔ اس واقعہ کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں جابر بن عبداللہ انصاری سے یوں بیان کیا ہے کہ جب ہم مکّہ میں رسولؐ اللہ کے ساتھ داخل ہوئے تو خانۂ کعبہ میں آئے وہاں تین سو ساٹھ بُت خانہ کعبہ کے گرد عرب کے مختلف قبیلوں کے پُوجنے کے واسطے نصب تھے حضرت رسولِ خداؐ نے ان کے گرانے کا حکم دیا چنانچہ وہ سب بُت گرا دیئے گئے۔ آخر ایک بہت بڑا بُت جس کا نام ہُبَل تھا اور اوپر نصب تھا باقی رہ گیا جب اس کو آپؐ نے دیکھا تو حضرت علیؑ سے فرمایا تم میرے شانوں پر چڑھو یا میں تمہارے شانوں پر چڑھوں اور اس کو گرا دیں۔ حضرت علیؑ نے عرض کی، آپؐ میرے شانوں پر سوار ہوں۔ غرض حضرت رسولِ خداؐ ان کے شانوں پر چڑھے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا مجھے اس وقت نبوّت کا بار بہت گراں گزرا مجھ سے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اپنے کو حرکت دے سکوں۔ تب آپؐ اُتر گئے اور مجھے اپنے شانوں پر سوار کیا۔ غرض جب میں سوار ہوا تو خدا کی قسم میں نے اپنے کو

اس قدر بلند پایا کہ اگر چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا۔ سچ ہے ؎

علیؑ بر دوشِ احمدؐ چشم بد دور عیاں شد معنیٔ نورٌ علیٰ نور

آپؐ نے ہبل کو اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا تب حضرت رسولؐ نے فرمایا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا۔ (منقول از ترجمہ قرآن مولانا فرمان علی صاحب)

صاحب روضۃ الاحباب نے لکھا ہے جب حضرت علیؑ شانۂ رسولؐ پر سوار ہوئے تو حضرت رسولؐ نے فرمایا:

(مرحبا تم پر کہ کارِ حق کر رہے ہو اور مرحبا مجھ پر کہ بارِ حق اٹھا رہا ہوں۔)

اِس قول کے مطابق حضرت علیؑ مجسّم حق تھے۔

....وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۸۰ سے یہ مراد ہے کہ میرے لیے اپنی طرف سے ایک صاحبِ قوت کو مددگار قرار دے۔ چنانچہ حضرتؐ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپؐ کو علیؑ جیسا مددگار عطا فرمایا۔ امرِ تبلیغ میں صرف زبانی ہدایت سے کام نہیں چلتا بلکہ قوت سے بھی باطل کا زور توڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جب تک حضورؐ مکہ میں رہے باطل پرستوں کو ہدایت فرماتے رہے لیکن جب ہدایت کسی طرح مؤثر نہ ہوئی تو پھر قوت سے اُن کا زور توڑنے کی ضرورت ہوئی اس لیے آپؐ نے یہ دُعا کی تھی۔

قرآن کریم مؤمنوں کے لیے شفائے امراض صدور ہے جو لوگ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں ان کے قلوب امراضِ نفسانی سے پاک ہو جاتے ہیں اور جو خدا کے نافرمان بندے اس کو نہیں مانتے ان کے لیے آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ جسمانی امراض میں بھی قرآن کی تلاوت شفابخش ہوتی ہے بشرطیکہ پڑھنے والا صاحبِ ایمان ہو اور قدرتِ خدا پر پورا پورا یقین رکھتا ہو۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً

ع ۹ ۹

مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

جب ہم نے انسان کو کوئی نعمت عطا فرمائی (تو بجائے شکریہ کے) اُلٹا ہم سے منہ پھیرا اور پہلو تہی کرنے لگا اور جب اُسے کوئی تکلیف چھو بھی گئی تو مایوس بن بیٹھا (اے رسول) تم ان سے کہہ دو کہ ہر ایک اپنے اپنے طریقہ پہ کارگزاری کرتا ہے پھر تم میں سے جو شخص صحیح راستہ پر ہے تمہارا پروردگار اُس سے خوب واقف ہے۔ اے رسول تم سے لوگ رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں، تم ان سے کہو کہ رُوح بھی میرے پروردگار کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور اس کے متعلق تم کو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے (اس کی حقیقت کا علم تم کو بہت کم دیا گیا ہے) اے رسول اگر ہم چاہیں تو جو قرآن ہم نے تمہارے پاس بھیجا ہے اُسے اُٹھا لے جائیں۔ پھر تم اپنے لیے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ مگر یہ صرف تمہارے پروردگار کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسا نہ کیا) اس میں شک نہیں کہ اس کا تم پر بڑا فضل و کرم ہے۔

پہلی آیت میں انسان کی ایک عادت کو بیان کیا گیا ہے یعنی جب اُسے کوئی آرام کی صورت نظر آتی ہے تو اللہ کو یاد ہی نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب میری کوششوں کا نتیجہ ہے اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو کر اور منہ بنا کر رہ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سب مصیبتیں خدا نے ڈالی ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ بھگتتا ہے جو صحیح راستہ پر چلتا ہے خدا اس سے واقف ہے۔

کسی نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ رُوح کیا ہے؟ چونکہ اس کی حقیقت کا سمجھنا انسان کی طاقت سے باہر تھا لہٰذا ایک مجمل جواب دے دیا گیا کہ یہ حکم خدا ہے جس کے متعلق تمہیں تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

رُوح کو خدا نے عالمِ امر سے بیان فرمایا ہے۔ عالم دو ہیں۔ ایک عالمِ خلق دوسرا عالمِ امر۔ عالمِ خلق سے وہ عالم مراد ہے جس میں ہر شے اسباب و وسائل کے بغیر پیدا نہیں ہوتی، جیسے دنیا کی ہر شے اپنی خلقت میں محتاجِ وسائل ہے۔ دوسرا عالمِ امر ہے جس میں اسباب و وسائل سے تعلق نہیں ہوتا۔ بس خدا کہتا ہے ہو جا تو وہ شے ہو جاتی ہے۔ جیسے آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا کر دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو بے باپ کے۔ رُوح بھی عالمِ امر ہی سے ہے چونکہ اسباب و وسائل سے اس کا کوئی واسطہ نہیں لہٰذا اس کی حقیقت کا سمجھنا انسان کے لیے ناممکن ہے۔ صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے یعنی اس کے عمل کا جو بدن پر ہوتا ہے اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ رُوح کوئی چیز ہے وہ نہ دیکھنے میں آتی ہے نہ مَس کی جا سکتی ہے نہ اس کی کوئی جگہ بتائی جا سکتی ہے۔ جب رُوح کا دیکھنا یا چھونا کسی وقت ممکن نہیں تو خالقِ رُوح کے دیکھنے کی اُمید عبث ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ روح سے مُراد جان نہیں بلکہ وحی یا وحی کا لانے والا ہے کیونکہ مشرکین کا سوال رسولؐ سے یہ تھا کہ قرآن تم کہاں سے لاتے ہو۔ پس خدا نے فرمایا، اے محمدؐ لوگ تم سے قرآن یا ذریعہ حصولِ قرآن کے متعلق سوال کرتے ہیں لہٰذا تم کہدو کہ روح یعنی وحی میرے رب کے حکم سے آتی ہے مگر تم لوگوں کو اتنا کم علم ہے کہ تم انسانی ساخت کے کلام اور وحیٔ ربانی سے نازل ہونے والے کلام کا فرق نہیں سمجھ سکتے۔ آگے کی آیت اس کا ثبوت ہے کہ روح سے مراد وحی ہے اگر جان مراد لی جائے تو کلام بے ربط ہو جائے گا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مُراد روحِ نبوّتی ہے۔ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انبیاءؑ کے اندر روحِ نبوّتی کیا کام کرتی ہے۔ عام انسانوں میں جو روح ہے اُس کو روحِ نبوّتی سے علیٰحدہ رکھا گیا ہے۔

بعض نے لکھا ہے روح وُہ قوّت ہے جو نظام بدن کو قائم رکھتی ہے۔ چونکہ وہ ایک قوّت ہے لہٰذا اس کی حقیقت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ بدن پر اس طرح چھائی ہوئی ہے جیسے پھُول پر خوشبُو جو نہ دیکھنے میں آتی ہے نہ مَس کی جا سکتی ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

اے رسول تم (منکرانِ قرآن سے) کہدو کہ اگر تمام انسان اور جن جمع ہو کر یہ چاہیں کہ قرآن جیسی کتاب بنا کر لا سکیں تو اس کی مثل لانا ان سے ہرگز ممکن نہ ہوگا چاہے ایک دوسرے کے مددگار بن کر ہی ایسا کرنا چاہیں ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں اَدل بَدل کر لوگوں کو سمجھانے کے لیے بیان کر دی ہیں اس پر بھی لوگ بغیر ناشکری کے نہیں رہتے۔

اس سے پہلے سورتوں میں مطالبہ کیا گیا دس سورتوں کا پھر ایک سورہ کا اور اب پورے قرآن کا مطالبہ ہے یہ بے ترتیب بات قرار پاتی ہے۔ پورے قرآن کا مطالبہ سب سے پہلے ہونا چاہیئے۔ پھر لوگوں کی عاجزی پر نظر رکھ کر دس کا ہوتا پھر ایک سورہ کا ہوتا۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ جامع قرآن نے اس کا خیال نہیں رکھا اور کہیں کی آیات کو کہیں رکھ دیا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤی اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

(اے رسول تم سے کفارِ مکّہ نے) کہا جب تک تم زمین سے ایک چشمہ بہتا ہُوا نہ نکالو گے ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے (اگر یہ نہیں تو) کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اس میں تم بیچ بیچ میں نہریں جاری کر کے دکھا دو یا ہم پر آسمان ہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو اپنے قول کی تصدیق میں ہمارے سامنے گواہی میں لا کھڑا کرو۔ یا تمہارے رہنے کے لیے کوئی طلائی محل سرائے ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم ہم پر خدا کے یہاں کی کتاب نازل نہ کراؤ گے کہ ہم اُسے خود بھی پڑھ لیں اس وقت تک ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے کے قایل نہ ہوں گے۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو، سبحان اللہ میں ایک آدمی رسول کے سوا اور کیا ہوں۔ ہدایت آنے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے سے کسی اور چیز نے سوائے اس کے نہیں روکا کہ وہ کہنے لگے کیا خدا نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

آنحضرتؐ سے کفار و مشرکین نے جو بار بار معجزات طلب کیے ان کا سیدھا سادا جواب خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو یہ بتایا کہ تم ان سے کہو میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میں خدا ہوں اور دنیا کی ساری چیزیں میرے اختیار میں ہیں۔ میں تو خدا کا ایک رسول ہوں اس کا پیغام لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ یا تو اس پر ایمان لاؤ یا اس پیغام میں غلطی ہو تو اُسے ثابت کرو، یہ احمقانہ کج بحثی چھوڑو۔ اگر ایک بشر خدا کا رسول بن کر آیا ہے تو بتاؤ اس کو رسول نہ ماننے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔ کیا تمہاری طرح اس کا چلنا پھرنا، کھانا پینا، صاحبِ عیال ہونا پیغام رسانی میں کوئی سقم پیدا کرتا ہے۔ کیا مجھ سے پہلے جو پیغمبر آتے تھے وہ یہ سب باتیں نہیں کرتے تھے۔ تمہاری ہدایت کے لیے تم ہی جیسا آدمی آنا چاہیئے تاکہ تم اس سے مانوس ہو سکو اور اس کی بات کان دھر کر سنو اگر کوئی جن یا فرشتہ آتا تو کیا تم اس سے مانوس ہو جاتے۔ تم اس سے بھی یہی کہتے کہ اس کا ثبوت پیش کرو کہ تم خدا کے رسول ہو، چونکہ تم ہماری جنس کے نہیں لہٰذا ہماری ضرورتوں کو تم سمجھ ہی نہیں سکتے، لہٰذا واپس جاؤ۔

اگر کوئی رسول امت کے کہنے پر معجزات دکھاتا رہے تو وہ اسی کا ہو جائے۔ ایک کہے یوں کر کے دکھاؤ، دوسرا کہے یوں دکھاؤ، تیسرا کہے یوں دکھاؤ اور دیکھنے کے بعد ایمان نہ لائیں بلکہ یہ کہہ دیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

اے رسول کہہ دو اگر روئے زمین پر فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان کے لیے آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ اے رسول کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو اللہ کافی ہے، بیشک وہ اپنے بندوں کے حالات سے خبردار اور دیکھنے والا ہے اور جس کو اللہ ہدایت کرے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو خدا کے سوا کسی کو اس کا ولی نہ پاؤ گے۔ روز قیامت ہم ان لوگوں کو منہ کے بل اندھا، گونگا اور بہرا اٹھائیں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا جب اس کی آگ بجھنے لگے گی تو ہم اُسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ یہ اس کا بدلہ ہوگا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا بن جائیں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے اُٹھائے جائیں گے۔

مشرکوں کا یہ کہنا کیونکر قابل پذیرائی ہو سکتا ہے کہ خدا نے ہماری ہدایت کے لیے فرشتہ کیوں نہ بھیجا۔ خدا نے جواب دیا کہ اگر روئے زمین پر فرشتے بسے ہوئے ہوتے تو ہم ان کی ہدایت کے لیے بھی کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ تاکہ ہدایت کا حق ادا ہو سے

دل پر کرتا ہے اثر ہم جنس کا کہنا ضرور ہم بھی مانیں گے نصیحت پر کوئی ہم سا بنے

آدمی کی عادتوں اور خصلتوں کو آدمی ہی سمجھ سکتا ہے۔ ان کے جذبات و احساسات سے انسان ہی واقف ہو سکتا ہے۔ ان کے معاشرے اور ان کے ماحول کی پیچیدگیوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان ہی جیسا ہو۔ فرشتہ بیچارہ انسانی زندگی کے اُلٹ پھیر کو کیا جانے وہ تو صرف اتنا ہی کر سکتا ہے کہ جو پیغام اس کو دیا گیا ہے وہ خدا کے بندوں تک پہنچا دے وہ خود عملی صورتوں میں ان باتوں کو پیش نہیں کر سکتا جن سے ان کی ہدایت کا تعلق ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہادی کا ہم جنس ہونا ضروری ہے تو کیا وجہ کہ حضرت رسولِ خداؐ کو قومِ جنّ کا ہادی بنایا گیا۔ جبکہ جنّ کی نوع انسان کی نوع سے مختلف ہے۔ جواب یہ ہے کہ جنّات حضورؐ کی اُمّت میں داخل نہیں ہیں۔ فروعِ دینِ اسلام کے بجا لانے پر جنّات مُکلّف نہیں تھے۔ حضرت رسولِ خداؐ کی ہدایت ان سے اگر متعلق تھی تو خدا کی توحید اور اپنی نبوّت سے تھی نہ کہ احکامِ شریعت سے۔ اگر قومِ جنّ کا ایک گروہ قرآن کے کلامِ خدا ہونے پر ایمان لے آیا اور بعض جنّات نے اظہارِ طاعت و محبّت کیا تو اس سے حضرت کی اُمّت میں ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ حضورؐ کی رسالت کا جہاں تک تعلق ہے وہ صرف انسانوں ہی سے ہے۔ جنّات کا تابع ہونا جیسے کہ حضرت سلیمانؑ کے تابع تھے اور بات ہے اور داخلِ اُمّت ہونا اور بات ہے۔

چونکہ جنّات ارضی ساکنوں میں سے ہیں لہٰذا قدرت نے انسان کے ساتھ شامل کر کے ان کا ذکر کیا ہے جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں ہے يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا" الرحمٰن ۳۳؎ ۵۵ " (اے جِنّ و انس اگر تم میں قدرت ہے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل کر (موت کے عذاب سے) بھاگ سکو تو نکل جاؤ (نہیں نکل سکتے)) یا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ "سورہ رحمٰن ۵۵" میں دونوں کو شریک کر لیا ہے۔ کیونکہ نعماتِ الٰہی سے دونوں ہی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بہر حال رسولؐ کی تسخیر میں ہونے سے رسولؐ کی امت میں ہونا لازم نہیں آتا۔ چونکہ جنات ہماری طرح مکلّف نہیں لہٰذا حضورؐ صرف نوعِ انسانی ہی کے لیے مبعوث برسالت ہوئے تھے۔

مشرکین کے محشور ہونے کے بارہ میں فرماتا ہے کہ ان کو اندھا گونگا یا بہرا محشور کیا جائے گا کیونکہ انہوں نے زندگانیٔ دنیا میں اُن احکام سے انکار کیا تھا جو رسولؐ کی معرفت ان تک بھیجے گئے تھے اور نہ آنکھوں سے آثارِ قدرت کو دیکھ کر نہ رسولؐ کی باتیں سن کر ایمان لائے تھے اور نہ حق بات کہنے کے لیے زبانیں کھولی تھیں لہٰذا قیامت میں یہ قوتیں ان سے چھین لی جائیں گی کیونکہ دنیا میں انہوں نے ان کو بیکار بنا کر رکھا تھا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

کیا یہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ان کی مثل اور پیدا کر دے اور اس نے ان کی موت کی میعاد مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اس پر یہ ظالم انکار کیے بغیر نہ رہے۔ اے رسول تم ان سے کہو اگر تم میرے رب کی رحمت کے تمام خزانوں کے مالک بھی ہو جاتے تب بھی مفلسی کے خوف سے ان کو بند رکھتے اور انسان تو ہے ہی سنگدل۔

کفارِ مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ باوجود خدا کی بیشمار نشانیاں دیکھنے کے پھر بھی تم ایسے تنگدل واقع ہوئے ہو کہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ تمہاری تنگدلی کا یہ عالم ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے خزانے تمہارے قبضہ میں دے دیئے جائیں تب بھی تم افلاس کے خوف سے خرچ کرنے پر آمادہ نہ ہو گے۔ اگر تم میں کشادہ دلی ہوتی تو کوئی

وجہ نہ تھی کہ خدا کے معبود ہونے سے انکار کرتے۔ تمہارے تنگ دلوں میں اس کی خدائی کو تسلیم کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔

کفارِ مکہ میں بہت سے لوگ مالدار بھی تھے مگر ایسے بخیل کہ کسی کو دینا جانتے ہی نہ تھے۔ غرض ان میں دونوں طرح کی تنگدلی پائی جاتی تھی۔ نہ مال خرچ کرنا چاہتے تھے نہ نبوت پر ایمان لانا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ؕ ﴿۱۰۴﴾

ہم نے موسیٰ کو ۹ معجزے دیئے تھے جو صریحی دکھائی دے رہے تھے تو (اے رسول) تم بنی اسرائیل سے پوچھو کہ جب موسیٰ ان کے پاس آئے تھے تو فرعون نے یہی کہا تھا کہ اے موسیٰ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ کسی نے تم پر جادو کر کے دیوانہ بنا دیا ہے۔ موسیٰ نے کہا تم یہ ضرور جانتے ہو کہ معجزے سارے آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے نازل کیے ہیں۔ (اور وہ بھی لوگوں کے لیے) سوجھ بوجھ کی باتیں ہیں۔ اے فرعون میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ تیری شامت آئی ہے۔ فرعون نے یہ ٹھان لیا تھا کہ بنی اسرائیل کو ملک مصر سے نکال باہر کرے ہم نے اُسے اور جو اُس کے ساتھی تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا، اب تم اس ملک میں آرام سے رہو۔ جب آخرت کا

کا وعدہ آپہنچے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کرلے آئیں گے۔

جو نو معجزے حضرت موسیٰؑ کو دیئے گئے وُہ یہ تھے۔ عصا[1]، یدِ بیضا[2]، قحط[3]، طوفان[4]، ٹڈیوں کا عذاب[5]، جُوں کا عذاب[6]، مینڈک کا عذاب[7]، پانی کے خون بن جانے کا عذاب[8]، میووں کی کمی[9]۔ (اس کا مفصل ذکر سورۂ اعراف میں آچکا ہے)۔

مشرکینِ مکّہ سے کہا جارہا ہے کہ جس طرح فرعون نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم دیوانے ہوگئے ہو کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے اسی طرح اب تم ہمارے اس رسولؐ کے متعلق لوگوں سے کہہ رہے ہو، اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا "بنی اسرائیل ۱۷/۴۷" (تم تو ایک دیوانے کے پیچھے چلے جارہے ہو)۔ پس سمجھ لو جو فرعون کا حشر ہوا تھا وُہی تمہارا ہونے والا ہے۔

فرعون کا حضرت موسیٰؑ سے یہ کہنا کہ تم پر جادو کا اثر ہے اور کفارِ مکّہ کا آنحضرتؐ کے متعلق یہ کہنا کہ یہ مسحور ہیں یعنی جادو کا ان پر اثر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پر جادو کا اثر ہو جاتا ہے لیکن اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلا ظاہری بدن پر اثر دوسرے قوائے عقلیہ پر اثر۔ ظاہرا اثر تو ہو سکتا ہے جیسے فرعون کے ساحروں نے جب جادو دکھایا تو فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی۔ "طٰہٰ ۲۰/۶۷" (موسیٰ اپنے دل میں خوفزدہ ہوئے۔) چونکہ وہ جسم پر اثر کرنے والی ایک چیز تھی لہٰذا اس کا اثر ہوا۔ لیکن قوائے عقلیہ پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے متعلق کفارِ مکّہ جو غلط بیانی کر رہے تھے اس کی بھی یہی صورت تھی حضورؐ سے کبھی کوئی بات ایسی سرزد نہیں ہوئی جو خلافِ عقل و فہم ہو یا منافی ہدایت ہو۔ برخلاف اس کے جن پر جادو کا اثر ہوتا ہے ان کی عقل ماری جاتی ہے اور اُن کی ظاہری قوتیں بھی اپنا کام انجام دینے سے باز رہتی ہیں۔ انبیاءؑ کے لیے ایسا بھی نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰؑ پر ایک وقتی کیفیت تھی جو تھوڑی دیر بعد زائل ہوگئی۔ مسحور انسان کے لیے ایسا نہیں ہوتا، بلکہ جب تک جادو کا اثر نہ ہو وہ اپنی ظاہری و باطنی قوتوں کو کھوئے ہوئے رہتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ فرعون کا اور کفارِ مکّہ کا کہنا از راہِ عداوت تھا جس کا حقیقت سے تعلق نہ تھا۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ

وقف لازم

رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدة

ہم نے قرآن کو ٹھیک ٹھیک نازل کیا ہے اور بالکل ٹھیک ہی ہے۔ ہم نے تم کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے حسبِ ضرورت (مہلت دے کر) پڑھتے رہو۔ اسی وجہ سے اُسے وقفہ وقفہ سے نازل کیا۔ تم ان سے کہدو کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (تمہیں اختیار ہے) بے شک اس سے قبل جن لوگوں کو (آسمانی کتابوں کا) علم عطا کیا گیا اُن کے سامنے جب پڑھا جاتا تو ٹھوڑیوں سے (منہ کے بل) سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب ہر عیب سے پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہوتا ہے اور یہ لوگ سجدہ کے لیے منہ کے بل گرتے ہیں اور روتے جاتے ہیں اور یہ قرآن ان کی خاکساری کو بڑھاتا جاتا ہے۔

کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ بار بار یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ کتب آسمانی اور صحائف سماوی کے خلاف قرآن کے نزول کا یہ کیا ڈھنگ ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہو رہا ہے ایک بار ہی کیوں نہ نازل ہو گیا۔ کیا خدا سوچ سوچ کر نازل کرتا ہے۔ اسی کا جواب دیا گیا یہ اس لیے ہے کہ لوگوں کو ایک ایک حصہ پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا رہے اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اُسے رسولؐ سے پوچھتے رہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مختلف اوقات میں لوگ مختلف باتوں کا جواب چاہا کرتے تھے۔ لہٰذا ان کو موقع موقع کے لحاظ سے جواب دیئے جاتے تھے۔ جو لوگ قرآن سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کا علم رکھتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اندازِ کلامِ الٰہی کو سمجھتے ہوئے قرآن کے من اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اور سجدہ میں جا کر زار زار روتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

السجدة ۳
ع ۱۲

اے رسول لوگوں سے کہدو تم اُسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر (تمہیں اختیار ہے) جس نام میں پکارو اللہ کے تو سب نام اچھے ہی ہیں۔ (اے رسول) نہ تو اپنی نماز بہت چلا کر پڑھو نہ بالکل چپکے سے بلکہ ان کے درمیان ایک اوسط طریقہ اختیار کر لو اور کہو حمد ہے اس خدا کے لیے جو نہ تو کوئی اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے نہ اس میں کوئی کمزوری ہے کہ اس کا کوئی سرپرست ہو۔ اے رسول تم اس کی بڑائی اچھی طرح کرتے رہو۔

یہ جواب ہے کفار کے اس اعتراض کا جو کہتے تھے اللہ نام تو ہم نے سُنا ہے مگر یہ رحمٰن نام آپ نے کہاں سے نکال لیا۔ خدا کے سب نام اچھے ہیں جس نام کی چاہو تسبیح کرو۔ مگر یاد کرو دل سے یہ نہیں کہ زبان سے تو سب کچھ کہے جاؤ مگر دل اس کی طرف رجوع نہ ہو۔

---

⑱ سُورَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ⑲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ① قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ② مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ③ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ④ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا

الْحَدِيْثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ⑧

سزاوار حمد ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کمی نہ رکھی اور ہر طرح سے ٹھیک ہے تاکہ جو سخت عذاب خدا کی طرف سے کافروں پر نازل ہونے والا ہے اس سے ڈرائے اور ان مؤمنوں کو جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں یہ بشارت دے دے کہ ان کے لیے (خدا کے یہاں) اچھا اجر ہے جس میں وُہ ہمیشہ (اطمینان سے) رہیں گے اور ان لوگوں کو عذاب سے ڈرایا جائے جو کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ نہ تو انہیں اس کی خبر ہے نہ ان کے باپ دادوں کو تھی۔ یہ بہت سخت کلمہ ہے جو ان کے منہ سے نکلتا ہے۔ یہ لوگ جھوٹ کے سوا بولتے ہی نہیں۔ اے رسول اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو شاید تم مارے افسوس کے ان کے پیچھے اپنی جان ہی دے ڈالو گے۔ جو کچھ رُوئے زمین پر ہے ہم نے اُسے زینت قرار دیا تاکہ ہم آزمائیں کہ ان میں از رُوئے عمل کون اچھا ہے اور پھر ہم ایک دن جو کچھ اس (زمین) پر ہے چٹیل میدان بنا دیں گے۔

رسولؐ خدا چاہتے تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس بارہ میں آپؐ سخت پریشان رہتے تھے۔ خدا حضرتؐ کو تسکین دیتا ہے کہ تم ایسے لوگوں کے لیے کیوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہو جو ایمان لانے والے نہیں۔ یہ دُنیا کی چیزوں کی زینت پر مٹے ہوئے ہیں انہیں یہ خبر ہی نہیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ ہم اس ساری زمین کو چٹیل میدان بنا دیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا

ع ۱۲/۱۲ ۱۳

اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡیَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًی ﴿۱۳﴾ ۖۚ وَّرَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰـهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اصحابِ کہف اور رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے۔ جبکہ یکبارگی کچھ جوان غار میں آپہنچے اور دُعا کرنے لگے، اے ہمارے پروردگار اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے کام میں کامیابی عطا کر۔ تب ہم نے کئی برس تک ان کے کانوں پر پردے ڈال دیئے (انہیں سُلا دیا) پھر ہم نے انہیں چونکایا تاکہ ہم دیکھیں کہ دو گروہوں میں سے کس کو (غار میں) ٹھہرنے کی مدّت خوب یاد ہے۔ اب ہم ان کا حال تم سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی سوچ سمجھ اور زیادہ کر دی اور ان کے دلوں پر صبر سے استقلال کی گرہ لگا دی (مضبوط دل بنا دیا) جب وہ اُٹھ کھڑے ہوئے (بادشاہ کے کفر پر مجبُور کرنے کی وجہ سے) اور کہنے لگے ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو اپنا معبود نہیں بنائیں گے اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم نے عقل سے دُور بات کہی۔

یہ قصّہ مکّی سورہ کا ایک جزو ہے جو اُن بیکس و مجبُور مسلمانوں کی تسلّی و تشفی کے لیے بیان کیا گیا ہے، جنہیں مشرکینِ مکّہ بے حد ستاتے تھے۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ تم سے پہلے بھی خدا پرست لوگوں پر بڑے بڑے ظلم ہو چکے ہیں لہٰذا جیسے انہوں نے صبر و استقلال سے مصائب کو جھیلا تم بھی جھیلو۔

اصحابِ کہف ان کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ اپنی بستی سے نکل کر ایک غار میں روپوش ہو گئے تھے۔ کہف کے معنی چونکہ غار کے ہیں اس لیے اصحابِ کہف کہلاتے ہیں۔ دوسرے ان کو اصحابِ رقیم بھی کہا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حالات ایک تختی پر لکھ کر غار کے دہانہ پر لگا دیئے گئے تھے۔

جس زمانہ میں یہ لوگ تھے وہ (دقیانوس) بادشاہِ روم کی سلطنت کا زمانہ تھا جو ۲۲۹ء سے ۲۵۱ء تک بادشاہت کرتا رہا۔ یہ بُت پرست تھا۔ عیسائیوں پر اس نے بڑے ظلم کیے۔ جس شہر کا یہ واقعہ ہے اس کا نام

مؤرخین نے "افسوس" لکھا ہے۔ بہت بڑا شہر تھا۔

دقیانوس لوگوں کو بُت پرستی پر مجبُور کرتا تھا۔ جو بُت پرست نہ بنتا تھا اُسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس بستی کے چند لوگ جو خدا پرست تھے بُت پرستی پر راضی نہ ہو کر بستی سے نکل گئے۔ ان چھ کے نام یہ تھے، مسلمینا، سارنیولس، تملیخا، مرطوس، ہنیتونس، ڈلش۔ شہر کے ہر دروازہ پر دربان معین تھے کہ جو شہر سے باہر نکلے، وہ پہلے بُتوں کو سجدہ کرے۔ یہ لوگ دربان کو کسی طرح دھوکا دے کر شہر سے باہر نکل گئے۔ کچھ دُور جا کر ایک چرواہے پر نظر پڑی ان لوگوں نے ہدایت کر کے اُسے اپنے ساتھ لینا چاہا مگر وہ راضی نہ ہُوا۔ یہ لوگ اُسے چھوڑ کر آگے بڑھے۔ چرواہے کا کُتا جس کا نام قطمیر تھا ان کے ساتھ ہو لیا۔ انہوں نے ہر چند بھگانا چاہا مگر اُس نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جب یہ لوگ کچھ دُور نکل بھاگے تو دقیانوس بادشاہ کو ان کے جانے کی خبر لگی اور وجہ معلوم ہوئی کہ وہ لوگ بُت پرستی سے انکاری ہیں۔ بادشاہ نے چند سواروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ جب ان لوگوں نے سواروں کو دیکھا، تو پہاڑ کی ایک کھوہ میں جا چھپے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ - ۳/۱۷۳ اُن کا غار میں جانا تھا کہ خدا نے نیند کو ان پر غالب کر دیا اور سب کے سب سو گئے۔ کتّا غار کے باہر آگے کے دونوں پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ جب دقیانوس غار کے پاس پہنچا تو اپنے وزیر سے جس کا نام داریوس تھا اور بباطن با ایمان تھا، کہنے لگا تُو غار کے اندر جا اور ان کا حال معلوم کر۔ داریوس نے اندر جا کر ہر چند لوگوں کو پکارا مگر آواز نہ آئی۔ اس کو بھی چونکہ ان کی نجات مقصود تھی باہر جا کر کہنے لگا یہ لوگ سب کے سب تیرے خوف سے مر گئے۔ یہ سُن کر دقیانوس خوش ہو گیا اور حکم دیا غار کے دروازہ کو بند کر دو۔ داریوس نے ایک تختی پر ان کے نام اور نسب اور بھاگنے کی وجہ لکھ کر یہ تختی غار کے دروازہ پر لٹکا دی۔

یہ لوگ غار میں ایسے سوئے کہ تین سَو نو ۳۰۹ برس تک سوتے ہی رہے۔ اس اثنا میں دقیانوس مر گیا اور اس کے بعد کئی اور بادشاہ ہوئے اور بُت پرستی ختم ہو کر عیسائیت کا دَور شروع ہُوا۔ جب یہ لوگ اُٹھے تو دروازہ بند پایا۔ سب نے مل کر خدا سے دُعا کی تو دروازہ کھل گیا۔ اس کے بعد باہم مشورہ کیا کہ ایک شخص شہر میں جا کر کچھ کھانے کو لائے مگر اس طرح چھُپ چھُپا کر جائے کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ وُہ اس خیال میں تھے کہ ایک دن یا اس سے بھی کم سوئے ہیں۔ غرض تملیخا دس درہم لے کر شہر میں آئے۔ شہر کو دیکھا تو کچھ اور ہی تھا۔ وہ تعجب کرنے لگے اللہ اللہ ایک دن میں اس شہر کا حال اس قدر متغیّر ہو گیا۔ تملیخا جب بازار میں آئے تو نہ یہ کسی کو پہچانتے تھے نہ کوئی ان کو۔ جب نانبائی کی دکان پر پہنچے تو کھانے کے بدلے اُسے دقیانوسی درہم دئیے۔ نانبائی نے کہا تم نے خزانہ کہاں سے پایا؟ وہ بولے کہیں سے نہیں یہ سُن کر کچھ لوگ جمع ہو گئے اور ان کو قاضی کے پاس لے گئے۔ قاضی نے درہموں کا حال پوچھا انہوں نے کہا میں اپنے باپ کے گھر سے فلاں روز لے گیا تھا۔ یہ سُن کر وہ متحیّر ہُوا۔ آخر لوگ ان کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے چلے تو یہ رو کر کہنے لگے، مجھے دقیانوس کے پاس نہ لے جاؤ وُہ مجھے مار ڈالے گا۔ لوگوں نے پوچھا دقیانوس کون ہے؟ کہنے لگے، شہر کا بادشاہ۔ لوگوں نے کہا تُو دیوانہ ہُوا ہے اُس کو تو مدّت ہُوئی واصلِ جہنم

ہوا اب تو فلاں شخص بادشاہ ہے جو دیندار اور حضرت عیسیٰؑ کے دین کا پابند ہے۔ غرض ان کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ وہاں انہوں نے اپنا پورا قصہ بیان کیا۔ بادشاہ نے علماء کو بلایا اور تملیخا کے ساتھ غار کے پاس آیا تو تختی پر ان لوگوں کے نام دیکھے۔ تملیخا اندر گیا اور اپنے ساتھیوں سے اپنا حال بیان کیا، ان لوگوں نے یہ سُن کر سجدہ میں یہ دُعا کی، خداوندا پھر ہم پر نیند کو غالب کر۔ غرض وُہ لوگ پھر سو رہے۔ بادشاہ کچھ دیر بعد اندر گیا تو ان کو سوتا پایا۔ بادشاہ کے ساتھیوں نے ان کی تعداد میں اختلاف کیا۔ جس نے جو دیکھا وہ بیان کیا۔ الغرض وہ سوئے تو پھر حضرت رسولِ خدا کے زمانہ میں چونکے اور پھر سو رہے۔ اب امام آخر الزمانؑ کے ظہور فرمانے پر جاگیں گے اور حضرتؑ کا ساتھ دیں گے۔ (منقول از حاشیہ مترجم قرآن مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)۔

~ ~ ~

اصحابِ کہف کے متعلق دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ تین سو نو برس تک سوتے رہے لیکن حشرات الارض میں سے کسی نے ان کے جسم کو کوئی اذیت نہ دی۔ حالانکہ وہ نہ کوئی نبی تھے نہ رسول۔ دوسرے اتنی طویل مدت تک بھوک نے اُن پر کوئی اثر نہ کیا۔ حالانکہ خالی پیٹ میں نیند نہیں آتی۔ تیسرے اتنی مدتِ دراز تک سوتے رہنا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اُس وقت سے اِس وقت تک کسی نے ان کے غار کے اندر جا کر ان کی حالت معلوم نہ کی۔ حسبِ صراحتِ قرآن وہ زندہ ہیں اور وُہ غار بھی موجود ہے، لوگ وہاں تک جاتے بھی ہیں لیکن کیا وجہ کہ کسی سلطنت میں کسی نے وہاں جانے کی کوشش نہیں کی۔ بڑی بڑی لمبی تاریک سرنگوں کے اندر لوگ چلے جاتے ہیں مگر اس غار میں کوئی نہیں جاتا اور ان کے حال کا سُراغ نہیں لگاتا۔ مسلمان یہ تو مانتے ہیں کہ تقریباً سترہ سو سال سے وہ زندہ ہیں۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ غار بھی موجود ہے۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ ان تک کوئی نہیں گیا لیکن جب حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کا ذکر آتا ہے تو نہ ان کی طولانی عمر مانتے ہیں اور نہ ان کا زندہ رہنا۔ کہتے ہیں دُنیا کے سیاحوں نے اِس زمین کا چپہ چپہ دیکھ مارا اگر کسی خطۂ زمین پر یا کسی جزیرہ میں ہوتے تو کبھی تو کسی کو نظر آتے۔

~ ~ ~

خدا کی شان دیکھو کہ چند اولیائے خدا کی اس عجیب و غریب زندگی میں ایک کتا بھی شریک ہے۔ معلوم ہوا، کہ ایمانی قوت کا مظاہرہ جانور بھی کرتے ہیں۔ یہ کتا دروازہ کے پاس ڈٹا بیٹھا ہے۔ نہ تو بھونکتا ہے نہ روتا چلاتا ہے نہ غار کی تاریکی سے گھبراتا ہے، جانتا ہے کہ میرے ساتھ چند خاصانِ خدا ہیں مجھے کیسے تکلیف پہنچ سکتی ہے دوسرا جانور بلعم باعور کا گدھا ہے، وہ بھی اتنا صاحبِ عقل تھا کہ یہ پتہ چلا کر کہ بلعم حضرت موسیٰؑ کے لیے بد دعا کرنے کو مجھ پر سوار ہو کر اپنی خانقاہ میں جا رہا ہے تو پٹتے پٹتے مر گیا مگر اس نے قدم نہ اُٹھایا۔ ایسا ہی کنعان کا بھیڑیا تھا کہ جب حضرت یعقوبؑ نے بُلایا تو نبی کی آواز پہچان کر دوڑا چلا آیا۔ اور جب یعقوبؑ نے پوچھا کیا تُو نے میرے یُوسف کو کھایا ہے۔ تو اُس نے کہا یا نبی اللہ، انبیاءؑ اور اولادِ انبیاءؑ کا گوشت ہم پر حرام ہے قدرتِ الٰہیہ

سے ان کرشموں کو کون سمجھ سکتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی کام لاٴ آف نیچر کے خلاف نہیں ہوتا وہ ان تمام واقعات سے سبق لیں۔

اصحابِ کہف کے اس الہامی ایمان کا بھی اندازہ کیجئے۔ وُہ کیسے سخت کفر پرست دَور میں تھے جہاں خدا پرستی کا نام ونشان نہ تھا، جہاں بُتوں کو سجدہ نہ کرنے پر آدمی جان سے مار دیا جاتا تھا۔ جہاں کوئی رسول بھی ان تک نہیں پہنچا تھا۔ ان کی ہدایت کا ذریعہ صرف رحمتِ الٰہی تھی۔ ایمان تھا اور کیسا پختہ ایمان کہ اپنی جانوں پر کھیل گئے مگر ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ایسے ہی کامل الایمان تھے کہ خدا نے ان کے وجود کو اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے قرار دیا۔

جس طرح قدرت نے ہمارے بارہویں امام علیہ السلام کو نظرِ خلائق سے چُھپا کر رکھا ہے اسی طرح حضرتؑ کے کامل الایمان معاونوں کو بھی چُھپا دیا ہے۔ وقتِ ظہور جو تین سو تیرہ امام مہدی علیہ السلام کے مددگار ہوں گے ان میں یہ لوگ بھی شامل ہوں گے۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولِ خدا کے عہدِ مبارک میں صرف حضرت علی علیہ السلام نے اصحابِ کہفؓ سے ملاقات کی ہے۔

هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡ لَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَـكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيُهَيِّئۡ لَـكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَاِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمۡ فِىۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرۡشِدًا ﴿۱۷﴾ ع

(وُہ آپس میں کہنے لگے) افسوس یہ ہماری قوم ہے جس نے خدا کو چھوڑ کر اپنے لیے بہت سے معبود

بنا لیے ہیں۔ یہ لوگ ان کے معبود ہونے کی کوئی صریح دلیل کیوں نہیں پیش کرتے۔ جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ پس جب تم نے اُن لوگوں سے اور ان سے بھی جن کی عبادت یہ خدا کے سوا کرتے ہیں کنارہ کشی اختیار کر لی تو چلو (فلاں) غار میں چل بیٹھیں۔ تمہارا پروردگار اپنی رحمت تم پر وسیع کر دے گا اور تمہارے کام میں تمہارے لیے آسانی مہیّا کر دے گا۔ (غرض وہ غار میں جا پہنچے) تو دیکھے گا کہ جب سورج طلوع کرتا ہے تو ان کے غار سے داہنی طرف جھک کے نکل جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے۔ وہ لوگ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں لیٹے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جسے خدا ہدایت کرے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو تم اس کا سرپرست رہنما ہرگز نہ پاؤ گے۔

یہ غار کچھ ایسے زاویہ پر واقع تھا کہ سورج کی روشنی کسی وقت بھی اس کے دہانہ پر نہیں پڑتی تھی۔ اس لیے لوگ غار کے باہر سے ان کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ⑱ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَاۗءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ

مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ⑳ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ڄ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ㉑

تم انہیں جاگتا گمان کرتے ہو حالانکہ وہ سو رہے ہیں ہم انہیں کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف کروٹیں بدلوا دیتے ہیں۔ ان کا کتّا دونوں پاؤں پھیلائے چوکھٹ پر ڈٹا بیٹھا ہے اگر تو ان کو جھانک کر دیکھے تو اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو تیرے دل میں دہشت سما جائے (جس طرح) اپنی قدرت سے ان کو سُلایا (اپنی قدرت سے) ان کو (جگا کر) اُٹھایا تاکہ آپس میں کچھ پُوچھ گچھ کریں۔ ان میں سے ایک نے کہا (بھلا) اس غار میں تم کتنی مدّت ٹھہرے۔ کہنے لگے، ایک دن یا اس سے بھی کم (اس کے بعد) کہنے لگے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی مدّت ٹھہرے (خیر) اب اپنے میں سے کسی کو اپنا روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو تو وُہ جا کر دیکھ بھال لے کہ کونسا کھانا اچھا ہے اس میں سے (بقدر ضرورت) تمہارے لیے کھانا لے آئے اور چاہیئے کہ ذرا ہوشیاری سے کام کرے ایسا نہ ہو کہ کسی کو تمہاری خبر ہو جائے۔ اگر ان لوگوں کو تمہاری اطلاع ہو گئی تو یا تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا پھر تم کو اپنے دین کی طرف پھیر لے جائیں گے تو پھر تم کبھی کامیاب نہ ہو گے (غرض) ہم نے یوں ان کی قوم کے لوگوں کو ان کی اطلاع کرائی تاکہ وُہ دیکھ لیں کہ خدا کا وعدہ یقیناً سچّا ہے اور قیامت کے آنے میں کچھ بھی شُبہ نہیں (اطلاع ہونے کے بعد قوم کے لوگ) ان کے بارہ میں جھگڑنے لگے۔ ان کی رائے یہ ہوئی کہ (بطور یادگار) یہاں کوئی عمارت بنوا دو۔ ان کا پروردگار ان کے حال سے خوب واقف ہے۔ جن مؤمنین کی رائے ان کی رائے پر غالب آئی انہوں نے کہا ہم تو یہاں پہ (غار کے پاس) ایک مسجد بنائیں گے۔

کروٹیں بدلنے کی وجہ سے لوگوں کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ وُہ جاگ نہیں رہے

بلکہ سو رہے ہیں۔ ہم اپنی قدرت سے ان کو کروٹیں بدلوا دیتے ہیں تاکہ دورانِ خون کا سلسلہ جاری رہے۔

حسبِ تصریح قرآنی تین سو سال کے بعد جب وہ بیدار ہوئے تو جس وقت وہ سوئے تھے اور جس وقت وہ بیدار ہوئے تھے اس کے لحاظ سے انہوں نے ایک دن یا اس سے زیادہ وقت بتایا۔ اس سے قبل یہ واقعہ ہو چکا ہے کہ حضرت عزیر کو سو برس مُردہ رکھنے کے بعد خدا نے اٹھا کھڑا کیا تھا اس کے ید قدرت میں سب کچھ ہے۔

شہر افسس میں اُس وقت دو گروہ تھے۔ ایک بت پرستوں کا دوسرے عیسائیوں کا۔ بُت پرستوں کی تجویز یہ تھی کہ بطور یادگار ایک مقبرہ بنا دیا جائے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ لوگ کس عقیدہ کے تھے اور کس ارادہ سے یہاں آئے تھے۔ عیسائی گروہ نے کہا یہاں مسجد کیوں نہ بنا دی جائے یعنی گرجا جہاں لوگ خدا کی عبادت کیا کریں۔

عیسائی مؤرخین نے لکھا ہے کہ اصحابِ کہف دو سو برس بعد جاگے تھے لیکن قرآن تین سو نو برس بیان کرتا ہے لہٰذا عیسائیوں کا کہنا غلط ہے کیونکہ خدا سے بہتر ان کے حالات وہ نہیں جانتے تھے وہ جو کچھ کہتے تھے سُنی سُنائی باتیں تھیں۔

اصحابِ کہف کے سلسلہ میں جن لوگوں کی رائے غار پر مقبرہ بنانے کی تھی، مولانا مودودی صاحب نے تفہیم القرآن جلد۳ ص۱۸ پر قبور صلحا پر عمارت یا مسجد بنانا جائز قرار نہیں دیا اور گمراہی قرار دیا ہے اور زیارتِ قبور کرنے والوں پر احادیث سے ممانعت ثابت کی ہے۔ اس سلسلہ میں چار حدیثیں بھی لکھی ہیں۔ بہرحال وہ جانیں ان کا عقیدہ جانے۔ ہمارے ائمہ کی احادیث سے نہ قبروں پر عمارت بنوانا ممنوع ہے نہ زیارتِ قبور۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ قَالَ اِنَّھُمْ یَاْنَسُوْنَ بِکُمْ فَاِذَا غِبْتُمْ عَنْھُمْ اسْتَوْحَشُوْا (فروع کافی جلد ۲)

فرمایا امام جعفر صادق علیہ السّلام نے زیارتِ قبور کے متعلق کہ مُردے تم سے مانوس ہوتے ہیں۔ جب تم ان سے الگ ہوتے ہو تو گھبراتے ہیں۔

اس قسم کی بہت سی احادیث ہماری کتب احادیث میں موجود ہیں جن کو طوالت کے خیال سے ترک کیا جاتا ہے۔ قبور بنانا یا ان پر مقبرہ تعمیر کرانا درحقیقت اپنے عزیزوں، بزرگوں یا دینی رہنماؤں کی یادگار کے طور پر ہوتا ہے۔ ان کی زیارت کرنا یا فاتحہ پڑھنا داخلِ شرک کیوں ہے۔ اگر خدا سمجھ کر کوئی زیارت کرتا تو بے شک شرک ہوتا۔ رہا مسجد بنانا تو کوئی مقبرہ کو مسجد نہیں بناتا اور نہ سمجھتا ہے۔ مسجد علیحدہ سے بنائی جاتی ہے۔ ہاں ان مشاہد مقدسہ میں خدا کی عبادت کرنا کیوں شرک بن جائے گا۔ شرک کو سستا سودا سمجھ کر لُٹانے والے ذرا اس پر غور نہیں کرتے کہ شرک کا اطلاق کس صورت میں ہوتا ہے۔ مسجدِ نبویؐ میں جہاں قبر مبارک رسولؐ ہے وہیں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اگر یہ شرک ہے تو وہاں ایسا کرنے کی کیوں اجازت دی جاتی ہے۔ شرک تو اس صورت میں ہوگا جبکہ خدا کا شریک سمجھ کر کسی کی عبادت کی جائے۔ قبرِ رسولؐ کی زیارت کرنے والے کیا مشرک کہے جائیں گے۔ کیا حضرت رسولِ خدا جنت البقیع میں قبور کی زیارت کے لیے نہیں تشریف لے جاتے تھے۔ کیا حضرت حمزہؓ کی قبر کی زیارت کے لیے نہیں جاتے تھے فَاعْتَبِرُوْا

یَا اُولِی الْاَبْصَار۔ جنّت البقیع کے مقابر متبرکہ کو مسمار کرنے والوں میں طاقت ہے کہ خاکم بدہن روضۂ رسولؐ کو ٹیڑھی نظر سے دیکھ سکیں۔ قانون تو ایک ہی ہونا چاہیئے، مگر شیعوں کی عداوت میں اور حنفیوں سے بغض رکھنے میں لوگوں نے امرِ حق کو ترک کر دیا ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۥ قف

عنقریب کچھ لوگ (نصارٰی) کہیں گے وہ تین نہیں ہیں چوتھا ان کا کتّا ہے اور دُوسرے (یہودی) کہیں گے وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتّا ہے۔ یہ سب اٹکل کی باتیں ہیں۔ کچھ لوگ کہیں گے سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتّا ہے۔ اے رسولؐ تم کہہ دو، میرا رب اُن کے شمار کو خوب جانتا ہے اور ان کی گنتی تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں۔

بعض مفسّرین کا کہنا ہے کہ چونکہ سات کے بعد خدا نے کوئی قول ذکر نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی تعداد صحیح ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قصہ یہودیوں نے آنحضرتؐ سے اس لیے پوچھا تھا کہ آپؐ نہ جانتے ہوں گے تو ہم آپؐ کی کتب سماوی سے بے خبری ثابت کریں گے۔ تعداد بتانے سے خدا نے اس لیے گریز کی کہ اگر صحیح تعداد بتائی جائے گی تو یہودی از راہِ عناد آنحضرتؐ کو جھوٹا کہنے لگیں گے اور جھگڑے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس بارہ میں خموشی ہی بہتر ہے البتہ رسولوں کو آگاہ کر دیا گیا یہی مطلب ہے مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ کا۔

فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ لا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ

ع ۳ ۱۵

وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ج

اے رسول تم ان لوگوں سے اصحاب کہف کے بارہ میں سرسری گفتگو کے سوا زیادہ جھگڑا نہ کرو اور اُن کے بارہ میں کسی سے کچھ پوچھو بھی نہیں اور کسی کام کی نسبت نہ کہا کرو کہ میں اس کو کل کروں گا مگر انشاءاللہ کہہ کر۔ اگر (انشاء اللہ) کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے اپنے پروردگار کو یاد کرلو (انشأ اللہ کہہ لو) اور کہو امّید ہے کہ میرا رب ایسی بات کی ہدایت فرمائے جو رہنمائی میں اس سے بھی زیادہ قریب ہو اصحاب کہف اپنے غار میں نو اُوپر تین سو برس رہے تم کہدو خدا ان کے ٹھہرنے کی مدّت سے خوب واقف ہے۔

یعنی اصحاب کہف کے بارہ میں یہودیوں سے جھگڑا نہ کرو اور اس معاملہ میں ان کی رائے بھی نہ لو ان کی تعداد کا معلوم کرنا یا کیسے رہے کب تک رہے کتا کیسا تھا۔ کوئی بات نہیں جس کے لیے جھگڑا ہو اصل تو وہ سبق ہے جو اس واقعہ سے ملتا ہے۔

یہودیوں نے جب حضرتؐ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے حالات پوچھے تھے تو آپؐ نے فرمایا تھا میں کل بتاؤں گا لیکن انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے۔ لہٰذا وحی ایک آن کے لیے رُک گئی۔ پھر بتایا گیا کہ جس وقت یاد آجایا کرے کہہ دیا کرو۔ اصحاب کہف غار میں تین سو نو سال رہے اس کے بعد فرماتا ہے' اللہ بہتر جانتا ہے کتنے دن رہے۔ پہلے تعداد بتانا پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تین سو نو کی تعداد لوگوں کی بیان کی ہوئی ہے۔ اصلی تعداد خدا ہی جانتا ہے۔

ان کے رہنے کی مدت کو اور اُن کی تعداد دونوں کو خدا نے ظاہر کرنا مصلحت نہیں سمجھا۔ کیونکہ اگر ظاہر کیا جاتا تو یہودی حضرتؐ کو جھٹلانے لگتے اور جھگڑے کی بنیاد پڑ جاتی۔ تعداد کے معلوم نہ ہونے سے ایمان میں کیا فرق پڑتا ہے اور جو سبق اس واقعہ سے ملتا ہے اس میں کیا سقم پیدا ہوتا ہے سبق تو یہ دینا تھا کہ جو لوگ حیات بعد الموت کے قائل نہیں وہ سمجھ لیں کہ جیسے ان لوگوں کو تین سو نو برس سُلا کر اُٹھا کھڑا کیا ایسے ہی قبر سے مُردوں کو نکال کھڑا کرے گا۔ یہاں زبان کی نسبت رسولؐ کی طرف دی گئی ہے جو ہمارے عقیدہ کے خلاف ہے۔ دراصل یہ رسولؐ کو مخاطب کرکے اُمت کو تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ قرآن میں اور بھی کئی جگہ ایسا ہے۔ رسول کی ذات سہو و نسیان سے مبرّا ہوتی ہے۔

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ط مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ز وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ

مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ج لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ قف وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کا وہ جاننے والا ہے۔ کیا کہنا اس کے دیکھنے کا کیا کہنا اس کے سننے کا، لوگوں کے لیے اس کے سوا کوئی سرپرست نہیں اور وہ اپنے کام میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔ اے رسول جو کتاب تمہارے رب کی طرف سے بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے اُسے پڑھا کرو۔ اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا اور تم اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ بھی نہ پاؤ گے جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں، اور اس کی خوشنودی کے خواہاں ہیں ان کے ساتھ تم خود بھی اپنے نفس پر صبر کرو اور اُن کی طرف سے اپنی نظر کو نہ پھیرو کہ تم دنیا کی زندگی کی آرائش کو چاہنے لگو اور جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اس کی بات نہ ماننا۔ اس کا کام سراسر زیادتی ہے۔

مشرکین مکہ آنحضرتؐ سے بار بار کہا کرتے تھے کہ آپؐ ہمارے معاملہ میں روز بروز سخت ہوتے جارہے ہیں ہمارے آباؤ اجداد کو جاہل بتاتے ہیں اور ہمارے بُتوں کی توہین کرتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ آپؐ اپنے رویّہ میں تبدیلی کریں۔ کچھ ہم آپؐ کی مان لیں کچھ آپؐ ہماری مان لیجئے تاکہ قوم میں پھوٹ نہ پڑے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ کلام خدا میں کوئی کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ رسولؐ صرف ہمارا کلام پہنچانے کے ذمّہ دار ہیں ان کو تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں۔

جو مالدار لوگ تھے وہ غریب مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور رسولؐ کے پاس ان کا بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ جو رسولؐ کے بڑے مقرّب صحابی تھے اور زہد و فقر کا یہ عالم تھا کہ ایک اُونی چادر پُرانی ان کے پاس تھی۔ ساری ضروریات لباس اسی سے پُوری کرتے تھے۔ گرمی کا

موسم تھا اس کو اوڑھے ہوئے خدمتِ رسولؐ میں آئے اور آپؐ کے پاس بیٹھے۔ اتنے میں عینہ ابن حصین یہودی آپؐ سے ملنے آیا تو اُسے حضرت سلمانؓ کی چادر کی بُو بُری معلوم ہوئی کہنے لگا جب میں آیا کروں تو ان لوگوں کو ہٹا دیا کیجئے۔ اس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور رسولؐ کو ایسے لوگوں کی بات ماننے سے منع کیا گیا کیونکہ یہ دُنیا کی زینت کے خواہاں تھے اور ہمارے ذکر سے غافل۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اے رسول کہدو تمہارے رب کی طرف سے جو آیا ہے وہ حق ہے پس جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہی بنا رہے۔ ہم نے ظالموں کے لیے (دوزخ کی) آگ تیار رکھی ہے جس کی قناتیں (دیواریں) اسے گھیر لیں گی اگر وُہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہُوئے تانبے کی طرح ہو گا وُہ منہ کو بھُون ڈالے گا۔ کیا بُرا پانی ہے اور جہنّم کیا بُرا ٹھکانہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

ع ۴
۱۶

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے تو ہم کسی اچھے کام کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتے ایسے ہی لوگوں کے لیے جنّتیں ہیں۔ ان لوگوں کے (قدموں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان کو وہاں سونے کے کنگنوں سے آراستہ کیا جائے گا اور ان کو باریک ریشم اور دبیز ریشم کے (اعلیٰ قسم کے ریشم سے بنے ہوئے) سبز لباس پہنائے جائیں گے اور تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کیسا اچھا ثواب اور کیسی اچھی جگہ ہے۔

بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ کنگن عورتوں کا زیور ہے نہ کہ مردوں کا۔ جواب یہ ہے کہ کسی مُلک کے رسم و رواج کا قیاس تمام دُنیا کے رسم و رواج پر نہیں کیا جاتا۔ ایک زمانہ میں بادشاہ لوگ سونے کے کنگن پہنتے تھے۔ پس مقصود یہاں شاہانہ شان سے رہنا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن نیک بندوں نے راہِ خدا میں مظلوم بن کر لوہے کی ہتھکڑیاں پہنی ہوں گی قیامت میں ان کے ہاتھوں میں سونے کے کڑے ڈالے جائیں گے اور اس طرح ان کی امتیازی شان ظاہر کی جائے گی۔ اور جن لوگوں نے ظالموں کے ہاتھوں میں مقیّد ہو کر بوسیدہ لباس ہو جانے پر صبر کیا ہو گا ان کو حریر و دیبا کے لباس پہنائے جائیں گے۔ یہ دونوں چیزیں اظہارِ شان و علوِّ مرتبت کے بیان میں ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْــــًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ

يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

ان لوگوں سے اُن دو شخصوں کی مثال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دے رکھے ہیں اور ان کے چاروں طرف خرمے کے درخت لگا دیئے ہیں اور ان کے درمیان کھیتی بھی لگا دی ہے ۔ یہ دونوں باغ خوب پھل لائے اور پھل لانے میں کچھ کمی نہیں کی۔ ان کے درمیان نہر بھی جاری کر دی ہے ۔ جب اس میں پھل لگے تو اپنے ساتھی سے جو اس سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے میں بھی بڑھا ہُوا ہوں (یہ باتیں کرتا ہُوا) اپنے باغ میں جا پہنچا (اس کی حالت یہ تھی) کہ (کفر کی وجہ سے) اپنے اوپر ظلم کر رہا تھا (غرض) وہ کہہ بیٹھا کہ مجھے تو اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ کبھی یہ باغ اُجڑ جائے گا اور میں یہ قیاس بھی نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی (اور بالفرض اگر ہوئی بھی تو) جب میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جاؤں گا تو اس سے کہیں اچھی جگہ پاؤں گا۔ اس کے ساتھی نے جو اس سے باتیں کر رہا تھا کہا کیا تُو اُس پروردگار کا منکر ہے جس نے پہلے تجھے مٹّی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر بالکل ٹھیک مرد بنا دیا لیکن ہم (تو یہ کہتے ہیں کہ) وہی خدا میرا پروردگار ہے اور میں تو اپنے پروردگار کا کسی کو ساتھی نہیں بناتا ۔

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ ۭ

جب تُو اپنے باغ میں آیا تو یہ کیوں نہ کہا کہ یہ سب خدا ہی کے چاہنے سے ہُوا ہے کیونکہ بغیر خدا کی مدد کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر مال و اولاد کے لحاظ سے تُو مجھے کم سمجھتا ہے تو عنقریب ہی میرا پروردگار مجھے وہ باغ عطا فرمائے گا جو تیرے باغ سے کہیں بہتر ہوگا اور تیرے باغ پر کوئی ایسی آفت نازل کرے گا کہ (خاک سیاہ ہو کر) چٹیل چکنا صفا چٹ میدان ہو جائے گا یا اس کا پانی نیچے اُتر کر اسے خشک بنا دے تو پھر تُو کسی طرح اُسے نہ پا سکے گا (چنانچہ عذاب نازل ہُوا) اور اس کے باغ کے پھل (آفت میں) گھر گئے تو وہ اُس مال پر جو اس باغ کی تیاری میں صرف کیا تھا کفِ افسوس ملنے لگا۔ باغ (کی یہ حالت تھی کہ) اپنی ٹہنیوں پر اوندھا گرا ہُوا تھا۔ وہ کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کا کسی کو شریک نہ بناتا اور خدا کے سوا کوئی گروہ نہ تھا کہ اس کی مدد کرتا اور نہ اس کی مدد کی گئی ۔

اس واقعہ سے یہ سبق ملا کہ انسان کو اپنی دولت اور اپنی جماعت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے ۔ خدا کو کسی کی حالت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت اس سے طالبِ امداد رہے ۔ دُنیا میں جو کچھ ہے وہ سب خدا ہی کا ہے ۔ تکبّر اور غرور خدا کو پسند نہیں ۔ ایسا کرنا درحقیقت خدا کی عظمت و کبریائی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اور اس کی خدائی کا انکار کرنا ہے ۔ مغرور کا سر ایک دن نیچا ہو کر ہی رہتا ہے ۔ اس کے ید قدرت میں سب کچھ ہے ۔ وہ دم بھر میں مالدار کو غریب اور غریب کو امیر بنا سکتا ہے ۔ عزیز کو ذلیل اور ذلیل کو عزیز کر سکتا ہے ۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى

كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

یہیں سے معلوم ہوا کہ کارسازی خدائے برحق کے لیے ہے جو انعام ہیں دے دے وہی بہتر ہے اور جو انجام وہ دکھائے وہی سب سے اچھا ہے۔ اے رسول ان لوگوں سے زندگانیِ دُنیا کی مثال بیان کرو جو اس پانی کی مانند ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا پس اس سے نباتات پھوٹ نکلی پھر وہ بھس بن کر رہ گئی جسے ہواؤں نے اُڑا دیا اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ مال اور اولاد زندگانیِ دُنیا کی زینت ہیں، اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے رب کے نزدیک ثواب ہیں اس سے کہیں زیادہ اچھی ہیں اور آرزو کی راہ سے بھی (بہتر ہیں)۔

دُنیا میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں اوّل وہ جن کو مال جمع کرنے کی طرف کوئی رغبت نہیں ہوتی صرف جان بچانے کے لیے تھوڑا سا کھا لیتے ہیں۔ بوریا ان کا فرش ہوتا ہے اور ایک پھٹی پُرانی چادر ان کا لباس۔ یہ خدا کے نیک بندے ہیں جو زینتِ دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتے صرف آخرت کی بہتری پر اُن کی نظر رہتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو مال جمع تو کرتے ہیں مگر حلال طریقہ سے۔ راہِ خدا میں خرچ بھی کرتے ہیں۔ روزِ قیامت ان سے حساب کتاب ہوگا۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر مال جمع کیے جاتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے کھُلا جہنّم ہے۔

خدا نے زندگانیِ دُنیا کی ایک مثال دی ہے وہ بارش کے پانی کی مانند ہے کہ اس کی وجہ سے کھیتیاں لہلہا اُٹھتی ہیں لیکن یہ چند روز کی بہار ہوتی ہے۔ سبز ہونے کے بعد وہ پیلی پڑنے لگتی ہیں پھر ہواؤں کے جھونکوں سے ٹوٹ کر زمین پر گر پڑتی ہیں پھر بھُس بن کر ہوا میں اُڑ جاتی ہیں۔ ایسے ہی آدمی پیدا ہوتا ہے رفتہ رفتہ جوان ہوتا ہے آخر ایک روز مر کر قبر میں جا پہنچتا ہے اور جو مال و متاع جمع کیا تھا سب چھوڑ جاتا ہے۔

بے شک مال اور اولاد زندگانیِ دُنیا کی زینت ہیں لیکن اگر مال کو حکمِ خدا کے مطابق صرف نہ کیا جائے اور اولاد کی صحیح طریقہ سے تربیت نہ کی جائے تو یہی دونوں بلائے جان بن جاتی ہیں۔ انسان مال کے جمع و خرچ میں ہزار گناہ کا بوجھ اپنے سر پر لے لیتا ہے اور نالائق اولاد اُس کی نجاتِ آخرت میں خلل ڈالنے والی ہو جاتی ہے۔ خدا کے یہاں بہترین اجر ان نیکیوں کا ملے گا جو دُنیا میں باقی رہنے والی ہیں جیسے اچھی کتابیں تصنیف کرنا۔ کنواں کھدوانا۔ دینی درسگاہیں قائم کرنا۔ مسجدیں بنوانا۔ غریبوں کی مدد کرنا وغیرہ۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

ع ۵ / ۱۸

قیامت کے روز ہم پہاڑوں کو (بادل کی طرح) چلائیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ کھُلی پڑی ہوگی (کہیں نام کو نباتات نہ ہوگی) اور ہم ان کو جمع کریں گے کسی ایک کو (بغیر بُلائے) نہ چھوڑیں گے۔ وہ سب کے سب تمہارے رب کے سامنے قطار در قطار پیش کیے جائیں گے (اس وقت ہم یاد دلائیں گے کہ) جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح (آج کے دن) تم کو ہمارے پاس آنا پڑا۔ تم سمجھتے تھے کہ ہم نے تمہارے لیے کوئی وعدہ کا وقت مقرر ہی نہیں کیا۔ لوگوں کے اعمال کی کتاب سامنے رکھی جائے گی۔ اس وقت تم مجرموں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے دیکھ دیکھ کر سہمے جاتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے ہائے ہائے (ہماری کم بختی) یہ کیسی کتاب ہے جس میں نہ ہمارا کوئی چھوٹا سا عمل چھوڑا گیا ہے نہ بڑا سب ہی کو تو درج کر لیا ہے جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا سب اُن کے سامنے موجود ہوگا۔ تمہارا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

جو لوگ قیامت کو بھُولے پڑے ہیں اور اس خیال میں مست ہیں کہ مرنے کے بعد کچھ نہ ہوگا۔ ان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ بچّہ سے لے کر بوڑھے تک سب ہی کو بُلایا جائے گا اور اوّل روز سے آخر تک جو کچھ کسی نے کیا ہوگا اس کی آنکھوں کے سامنے رکھا جائے گا۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ انبیاء نے جو قیامت کی خبر

دی تھی وہ بالکل سچّی تھی۔ دیکھو خدا کا وعدہ پورا ہوگیا۔ آج کا دن ہے جس کے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اب بتاؤ بچ کر کہاں جاؤ گے۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ جو سزا تم کو ملے گی وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت ملے گی۔

ع کردنی خویش آمدنی پیش

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ﴿٥٠﴾ مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ﴿٥١﴾

وُہ وقت یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ وُہ قومِ جِنّ سے تھا پس حکم خدا سے نکل بھاگا تو (اے بنی آدم) کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا سرپرست بنالوگے حالانکہ وُہ تمہارا پکّا دشمن ہے اور (ہمارے یہاں) ظالموں کے لیے بُرا بدلہ ہے میں نے نہ تو ان کو آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت مدد کو بُلایا تھا نہ ان کے نفسوں کی خلقت میں ان کو شریک کیا تھا۔ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بنایا کرتا۔

ابلیس کا قصہ

قیامت کا ذکر کرنے کے بعد اب پھر آدمؑ اور شیطان کی نافرمانی کا قصہ چھیڑا ہے تاکہ لوگ آگاہ ہوں کہ نافرمانی کرنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ وہ سمجھ لیں کہ شیطان اُن کے پیچھے لگا ہُوا ہے اور وہ ان کا کھُلا دشمن ہے۔ اس نے آدم سے اپنی دشمنی کا اظہار اُسی وقت کردیا تھا جب ہم نے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح تمام ظالموں کو بُرا بدلہ ملے گا۔ جو لوگ شیاطین کے پُجاری ہیں وہ دامِ فریب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ ذرا یہ سمجھیں کہ شیاطین کو سرپرستی کا کیا حق ہے۔ وہ خدا کی مخلوق ہیں خالق نہیں ہیں۔ وہ نہ آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت موجود تھے کہ اللہ اُن سے مدد لیتا اور نہ خود اپنی تخلیق کے وقت ان کا وجود تھا کہ ان کے کہنے کے مطابق ان کو بنایا جاتا۔ پس ایسی صورت میں خدا کو چھوڑ کر مخلوق کو اپنا سرپرست بنالینا کونسی دانائی ہے۔ یہاں یہ سوال

شیطان کو سرپرست نہ بناؤ

پیدا ہوتا ہے کہ اگر آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت شیاطین موجود نہ تھے تو اور کون موجود تھا۔ جیسے اور کوئی نہ تھا وُہ بھی نہ تھے۔ پھر اس کا ذکر کیوں کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ (اے رسول اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا) سے یہ پتہ چلتا ہے کہ افلاک و زمین کی پیدائش کے وقت وجودِ محمدیؐ بجسمِ نوری موجود تھا۔ وہ اپنے وجودِ مادی کی خلقت کے وقت بھی موجود تھے۔

ایک مجرم ایک مُضِل ایک خدا کی نافرمان مخلوق کب اس قابل ہوسکتی ہے کہ اُسے کوئی اپنا ولی و سرپرست بنائے۔ آتش پرستوں نے شیطان کو شریکِ خدا بنا کر اس کی پرستش کی اور اب تک کررہے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں دو خدا ہیں، ایک یزداں دوسرے اہرمن یعنی شیطان ہے۔ وہ خدا سے زیادہ شیطان سے ڈرتے ہیں، کہتے ہیں کہ نیکی کی دُنیا کا مالک خدا ہے اور بدی کی دُنیا کا شیطان ہے۔ اگر ہم شیطان کی عبادت نہ کریں گے تو وہ ہم کو بدی کے سمندر میں ڈبو دے گا۔ جب شیطان و خدا کے درمیان کشتی ہوتی ہے تو شیطان غالب آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں بدی زیادہ ہے نیکی کم ہے۔ انسان کی حماقت کی یہ حدِ آخر ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر شیطان خدا کی مخلوق ہے تو خدا نے اس مایۂ فساد کو پیدا ہی کیوں کیا۔ نہ اسے پیدا کرتا نہ دُنیا میں گمراہی پھیلتی۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے شیطان کو شیطان بنا کر پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود شیطان بنا۔ اگر شیطان ہی پیدا کرتا تو خلقتِ آدم سے لاکھوں برس پہلے وہ خدا کی عبادت کیوں کرتا۔ وجودِ آدم سے حسد کرنے اور سجدہ کے حکم سے نافرمانی کرنے پر وہ شیطان بن گیا۔ رہا یہ کہ اُسے مہلت کیوں دی گئی تو یہ اُس کی سابقہ عبادت کا اجر تھا۔ اگر نہ دیا جاتا تو حسبِ اصحابِ انصاف قرار نہ پاتا۔

دُوسرے انسان کی نیکی اُس وقت تک نیکی ہے جب تک وہ شیطانی وسوسوں کا مقابلہ کرکے بدی سے بچتا ہے۔ اگر بدی نہ ہوتی تو پھر نیکی قابلِ اجر قرار نہ پاتی۔ جب نیکی کرنے سے کوئی چیز مانع ہی نہ ہو تو پھر نیکی کرنا اختیاری نہ ہوگا بلکہ مجبوراً ہوگا۔

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ

ع ۹

وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾

(ڈرو اس دن سے) جب خدا فرمائے گا کہ جن لوگوں کو تم میرا شریک بنائے ہوئے تھے اب ان کو پکارو وہ لوگ پکاریں گے وہ کوئی جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان دونوں کے درمیان ایک مہلک آڑ بنا دیں گے اور گنہگار لوگ آگ کو دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ وہ اس میں جھونکے جائیں گے اور اس سے بچنے کا کوئی راستہ انہیں نہ ملے گا۔ ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اس قرآن میں ہیر پھیر کر مثالیں بیان کر دی ہیں لیکن انسان تو تمام مخلوق سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ جب ان کے سامنے ہدایت آچکی تو اسے ماننے اور اپنے رب کے سامنے معافی چاہنے سے کس چیز نے روک دیا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہو جو پہلی قوموں کے ساتھ ہوا ہے یا وہ عذاب کو سامنے آتا دیکھ لیں۔

قرآن میں ہدایت کا کوئی گوشہ چھوڑا نہیں گیا۔ روشن دلائل اور واضح براہین بیان کی گئیں۔ پہلی قوموں کے واقعات سامنے رکھے گئے۔ طرح طرح سے مثالیں دے کر سمجھایا گیا۔ اس کے بعد امرِ حق سے رُوگردانی کرنے کا کیا موقع تھا مگر نہیں انسان تو بات بات پر جھگڑا کرتا ہے۔ وہ تو اس عذاب کا منتظر ہے جو پہلے لوگوں پر آچکا ہے

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۖ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٥٧﴾ وَرَبُّكَ

الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع

ہم نے مرسلین کو نہیں بھیجا مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر کافر لوگ جھوٹی باتوں کا سہارا پکڑ کے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے سے حق کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں۔ انہوں نے ہماری آیات کو اور جس سے وہ ڈرائے گئے تھے مذاق قرار دیا۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جسے جب خدا کی آیتیں یاد دلائی جائیں تو وہ ان سے منہ پھیر لے اور جو کام اس کے ہاتھوں نے کیے ہیں انہیں بھول جائے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ حق بات کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بہراپن پیدا کر دیا ہے۔ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ ہرگز ہدایت قبول کرنے والے نہیں اور (اے رسول) تیرا رب بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر اُن کے گناہوں کی سزا میں دھر پکڑتا تو فوراً ان پر عذاب نازل ہو جاتا لیکن ان کے لیے ایک وعدہ کا وقت مقرر ہے وہ (اس سے بچنے کے لیے) کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔ یہ بستیاں (جو تم دیکھتے ہو) ان کے سرکش باشندوں کو ہم نے ہلاک کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کا وقت مقرر کر دیا ہے

ہمارے انبیاء و مرسلین جب کافروں کے سامنے دلائل و براہین کو پیش کرتے ہیں تو اپنی جہالت کی بنا پر بجائے ان کو تسلیم کرنے کے لڑائی جھگڑے پر اُتر آتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اس شور و شغب میں حق کو دبالیں۔ وہ آیاتِ الٰہی کا مذاق اُڑانے لگتے ہیں تاکہ لوگ ان آیات کی طرف توجہ نہ کریں۔ جب حق بات کسی طرح مانتے ہی نہیں تو گویا یوں سمجھو کہ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں کو بہرا کر دیا یعنی اپنی توفیقات ان سے سلب کر لیں۔ اب وہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں تو ڈالیں، ہمارا فرض ہے کہ رسولوں کو بھیج کر انہیں سمجھائیں بجھائیں۔ رسولوں کا کام یہ ہے کہ ہمارے پیغام اُن تک پہنچائیں۔ ہم زبردستی کسی کی گردن پکڑ کر اپنی بات منوانا نہیں چاہتے۔ وہ کیونکہ نہیں عقل سے کام لیتے۔ ہم عذاب میں جلدی اس لیے نہیں کرتے کہ شاید سمجھ جائیں ورنہ ان کے عذاب کا جو وقت ہے اس پر تو وہ آکر ہی رہے گا اور پھر اُن کو کہیں پناہ نہ ملے گی۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ

حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ ۚ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

جب موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے کہا جب تک میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر نہ پہنچ جاؤں چلنے سے باز نہ آؤں گا (درصورت ملاقات نہ ہونے کے) چاہے برسوں یوں ہی چلنا پڑے۔ جب یہ دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے تو اپنی (بھُنی ہوئی) مچھلی چھوڑ چلے تو اُس نے دریا میں اپنا راستہ بنا کر راہ لی۔ جب دونوں کچھ اور آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ، اس سفر سے ہمیں بڑی تھکن ہوگئی ہے۔ جوان نے کہا آپ نے اس پر غور نہیں کیا جب ہم دریا کے کنارے اس پتھر پر بیٹھے تھے تو میں مچھلی وہیں بھُول گیا اور اس کا ذکر کرنا آپ سے مجھے شیطان ہی نے بھلادیا اور عجب طرح سے اُس نے دریا میں جانے کی راہ نکال لی۔ فرمایا یہی وُہ جگہ ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ پھر دونوں اپنے نشانِ قدم دیکھتے ہُوئے لوٹے۔

یہاں سے حضرت موسیٰؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ خدا سے باتیں کرنے اور توریت کے ملنے کے بعد حضرت موسیٰؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوُا کہ خدا نے مجھ پر بڑا فضل کیا ہے اب مجھ سے زیادہ کوئی عالم نہیں۔ اتنی سی بات گرفت میں آگئی کہ نبی ہو کر تم نے ایسا گمان کیوں کیا۔ دوسرا ہوتا تو کچھ بھی پوچھ گچھ نہ ہوتی مگر ع جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ غرور کا ہلکا سا شائبہ بھی دل میں کیوں آیا۔ ایسی ہی باتوں کو ترکِ اولیٰ کہتے ہیں۔ فوراً جبریلؑ آموجود ہُوئے اور خدا کا یہ پیغام پہنچایا کہ تم سفر کرو اور جہاں روم و فارس کی حدوں پر

دو دریا ملتے ہیں وہاں ایک عالم سے ملاقات ہوگی اس سے مل کر علم سیکھو۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مقام وہ تھا جہاں موجودہ شہر خرطوم کے قریب دریائے نیل کی دو شاخیں البحر الابیض اور البحر الازرق آکر ملتی ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ جوان جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھا کون تھا۔ اکثر مفسرین شیعہ و سنّی نے اس کا نام یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف لکھا ہے جو نبی تھے لیکن عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاءؑ پر شیطان کا تسلّط نہیں ہوتا لیکن یہاں تو شیطان کا تسلّط ظاہر ہو رہا ہے جیسا کہ جوان کے اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہیں بھلایا اس کو مگر شیطان نے۔

بہت جستجو کے بعد مولانا سیّد علی حائری صاحب مرحوم کی تفسیر لوامع التنزیل کے دیکھنے کے بعد یہ مشکل حل ہوئی۔ انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ جوان حضرت موسیٰؑ نے بطور ایک راہنما کے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ جب مجمع البحرین کا پتہ چل گیا تو اُسے رخصت کر دیا۔ اگر حضرت یوشع بن نون ہوتے تو حضرت موسیٰؑ انہیں رخصت نہ کرتے۔ اور آخر تک اپنے ساتھ رکھتے۔

دوسری بات یہ قابلِ غور ہے کہ جو ناشتہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھا اس میں بھُنی ہوئی مچھلی شامل تھی۔ دریا کے کنارہ کے پتھر پر یہ دونوں صاحب بیٹھے تھے وہیں ناشتہ رکھا تھا۔ جب گردِ سفر دُور کرنے کے لیے منہ ہاتھ دھویا ہوگا تو پانی کی چھینٹیں مچھلی پر پڑی ہوں گی اور وہ زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی ہوگی۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ پھر یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہ تھی کہ یہ آبِ حیات ہے لیکن نہ تو جنابِ موسیٰؑ نے بیان نہ ہی ان کے ساتھی نے۔ اس کی کوئی وجہ مفسرین نے نہیں لکھی۔ ایک صاحب نے یہ وجہ لکھی ہے کہ جب لوٹے تو راستہ بھول گئے اور وہ جگہ نظروں سے غائب ہوگئی۔ چونکہ حضرت خضرؑ سے ملنے کی جگہ کا پتہ چل گیا تھا لہٰذا زیادہ جستجو اُس جگہ کے ملنے کی نہ کی گئی بلکہ ذہن حضرت خضرؑ کی ملاقات کی طرف متوجہ رہا۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

حضرت خضرؑ کے متعلق تفسیر البُرہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ان کا اصلی نام تالیا بن عامر بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ فریدوں بادشاہ کے زمانہ میں تھے۔ ان کا معجزہ یہ تھا کہ خشک لکڑی ہاتھ میں لیتے تو سبز ہو جاتی اور بے گیاہ زمین پر چلتے تو سبزہ لہلہانے لگتا۔ ان کا قصہ قرآن میں صرف ایک ہی جگہ ملتا ہے۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس قوم پر مبعوث تھے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ

مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾

وہاں دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی اور اپنی بارگاہ سے علم بخشا تھا۔ خضر سے موسٰی نے کہا کیا (آپ کی اجازت ہے کہ) میں اس غرض سے آپ کے ساتھ رہوں کہ جو رہنمائی کا علم خدا کی طرف سے آپ کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجئے۔ خضر نے کہا تم میرے ساتھ رہ کر صبر کی طاقت نہیں رکھتے (اور سچ یہ ہے کہ) جو بات آپ کے علمی احاطہ سے باہر ہے اس پر آپ صبر کیسے کر سکیں گے۔ موسٰی نے کہا آپ اِنْ شَآءَ اللّٰہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی امر میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضرت خضرؑ نے یہ کیسے جان لیا کہ حضرت موسٰیؑ صبر نہ کر سکیں گے ابھی تو کوئی معاملہ سامنے آیا ہی نہ تھا قبل از وقت کسی پہ بالخصوص نبی پر الزام لگانا کہاں تک درست تھا۔ بات یہ تھی کہ حضرت خضرؑ کو اللہ تعالےٰ نے علمِ باطنی عطا فرمایا تھا لہٰذا انہوں نے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی ان کی طبیعت کا اندازہ کر لیا تھا۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ صبر کے معنی یہاں کیا ہیں۔ عام طور پر کسی مصیبت کے برداشت کرنے کو صبر کہتے ہیں لیکن یہاں کونسی مصیبت نازل ہوئی تھی جس کے متعلق حضرت خضرؑ نے کہا کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے۔ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا کہ صبر کے معنی فعل فاعل پر اعتراض نہ کرنے کے ہیں اور بے صبری کے معنی ہوئے اعتراض کرنے کے۔ اگر کسی عزیز یا پیشوائے دین کے مرنے پر رو دیا جائے تو اُسے بے صبری نہیں کہتے۔ لہٰذا غمِ حسین علیہ السلام پر اعتراض کرنا عصبیت نہیں تو اور کیا ہے۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ ع فَانْطَلَقَا وقفہ حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا

ع ۹ ۱۱ ۲۱

نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا وقفہ حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

خضر نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا ہی چاہتے ہیں تو آپ کسی چیز کے متعلق مجھ سے سوال نہ کریں جب تک میں آپ سے خود نہ بیان کروں۔ غرض دونوں چل دیئے۔ یہاں تک کہ دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو (پار اُترنے کے بعد) خضر نے اس میں سوراخ کر دیا۔ موسٰی نے کہا، یہ کیا عجیب بات آپ نے کی۔ خضر نے کہا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کر سکو گے۔ موسٰی نے کہا جس امر کو میں بھول گیا ہوں اس کے بارہ میں مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور مجھ پر اس معاملہ میں اتنی سختی نہ کی جائے (جو ہو گیا اسے جانے دیجئے) غرض پھر دونوں چلے یہاں تک ایک لڑکے سے ملے خضر نے اُسے قتل کر دیا۔ موسٰی نے کہا (کیا خوب) کیا آپ نے ایک بے گناہ کو قتل کر ڈالا جس نے کسی کو قتل بھی نہیں کیا یہ آپ نے بُرا کام کیا۔

پہلی بار حضرت خضرؑ نے اَلَمْ اَقُلْ کہا یعنی میں نے نہیں کہا تھا اس کے بعد آگے چل کر اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ فرمایا یعنی کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا۔ "تم سے" کہہ کر مخاطب پر تاکید کرنا مقصود تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ موسٰی علیہ السّلام باوجودیکہ اولو العزم انبیاء میں سے تھے مگر پھر بھی انہوں نے تین بار وعدہ خلافی کی اور جھوٹ بولا۔ وعدہ خلافی تو عام لوگوں کے لیے بھی قابلِ مذمّت ہے اور نبی تو پیغمبر نبی ہے۔ جواب یہ ہے کہ شریعتِ ظاہری کی رُو سے حضرت موسٰی علیہ السلام کو یہی کہنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حضرت خضرؑ نے ایک بار نہیں تین بار وہ کام کیا جس سے ایک دیندار آدمی کے جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں۔ جب کوئی خلافِ شرع امر ایک مقدس انسان کی طرف سے دیکھا جاتا ہے تو بے اختیار دیکھنے والے کے منہ سے ایسا ہی نکلتا ہے جیسا کہ حضرت موسٰیؑ کی زبان سے نکلا۔ لہٰذا یہ امر قابلِ مؤاخذہ نہیں ہو سکتا۔ اب رہا حضرت خضرؑ نے ایسا کیوں کیا، اس کی وجہ آگے آئے گی۔

علم دو قسم کے ہیں۔ ایک علمِ ظاہری دوسرے علمِ باطنی۔ شریعت کا تعلق علمِ ظاہری سے ہوتا ہے یعنی جب تک کوئی عمل وقوع میں نہ آئے شریعت اس پر کوئی حکم نہیں لگاتی۔ جناب امیر کے زخمی ہونے کے بعد کسی نے عرض کیا جب آپؑ جانتے تھے کہ ابن مُلجم آپ کا قاتل ہے تو آپؑ نے اُسے قتل کیوں نہ کر دیا۔ فرمایا صدورِ جرم سے پہلے سزا دینا شریعت میں نہیں۔ علمِ باطنی رکھنے والا اظہارِ عمل سے پہلے ہی جان لیتا ہے کہ فلاں

شخص پر عمل کرنے والا ہے لہٰذا وہ اس کے انسداد کے لیے اپنا حکم جاری کرتا ہے۔ جناب موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے علم میں یہی فرق تھا۔ یہی علم سیکھنے کے لیے حضرت موسیٰؑ کو خضرؑ کے پاس بھیجا گیا تھا جس سے یہ تعلیم دینا مقصود تھا کہ اے موسیٰ تم کو علم ظاہری دیا گیا ہے اس کے علاوہ ایک اور علم بھی ہے جس کے تم عالم نہیں اُسے جاکر علم باطنی رکھنے والے عالم سے حاصل کرو۔ یہ علم ہر نبی کو نہیں دیا گیا تھا۔ حضور سرورِ کائناتؐ دونوں طرح کا علم رکھتے تھے۔ لیکن آپؐ کو شریعتِ ظاہری پر عمل کرنے کا حکم تھا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ علم باطنی کی تعلیم کا نمونہ دکھانے کے لیے صرف ایک ہی واقعہ قرآنِ کریم کے اندر ہے۔

حضرت خضرؑ شریعتِ ظاہری کے مبلغ نہیں تھے نہ ان کی کوئی اُمت تھی۔ صرف حضرت موسیٰؑ کی آگاہی کے لیے یہ تمام واقعہ پیش آیا۔ اگر یہ واقعات پیش نہ آتے تو جناب موسیٰؑ کو کیسے پتہ چلتا کہ علم باطنی کی کیا صورت ہوتی ہے یہاں ایک امر یہ بھی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ یہاں جنابِ موسیٰؑ نے نسیان کو اپنی طرف نسبت دی ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں نسیان کا تعلق انبیاءؑ سے دکھایا گیا ہے اس سے مراد وہ نسیان نہیں جو باغوائے شیطان ہوتا ہے بلکہ کسی بات کا اثنائے کلام میں رہ جانا مراد ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان سے بعض باتوں کا ذکر رہ جاتا ہے یعنی حضرت موسیٰؑ کا یہ کہنا ہے کہ اس امر پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے جو میرے خیال میں رہ گیا ہے۔ اگر شیطانی غلبہ سے ہوتا تو یہ فرماتے کہ جیسے شیطان نے مجھے بھُلا دیا جو امر مقتضائے عادتِ انسانی ہوتا ہے اس پر گرفت نہیں کی جاتی۔ اسے زیادہ سے زیادہ ترکِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

(حضرت) موسیٰ نے کہا خضر نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے اگر اس کے بعد میں آپ سے پوچھوں تو پھر مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ آپ میری طرف سے معذرت کی حد کو پہنچ گئے پھر وہاں سے چل پڑے یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کو اپنا مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ اس بستی میں انہوں نے ایک دیوار کو دیکھا جو گرا چاہتی تھی۔ خضر نے (پیٹھ لگاکر) اُسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ (سے ضبط نہ ہو سکا) کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو (ان بخیلوں اور کج خلقوں سے) اس کے سیدھا کرنے کی مزدوری لے سکتے تھے۔ یہ سُن کر خضر نے کہا بس اب میرے اور آپ کے درمیان جُدائی کا وقت آگیا۔ میں اب ان چیزوں کی تاویل آپ کو بتائے دیتا ہوں جن پر آپ کو صبر نہ ہو سکا۔

حضرت خضرؑ کو حضرت موسیٰؑ کا بار بار ٹوکنا ناگوار گزرا۔ ممکن ہے اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہتا لیکن حضرت موسیٰؑ کی ناقابلِ برداشت قوت نے آخر اُسے بند ہی کرا دیا۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۭ ﴿۸۲﴾ ع

(اچھا جن باتوں پر آپ صبر نہ کر سکے اُن کی وجہ سُنئے) یہ کشتی کچھ غریبوں کی تھی جسے دریا میں چلایا کرتے تھے میں نے اُسے اس لیے عیب دار بنا دیا کہ ان کے پیچھے (ایک ظالم) بادشاہ آرہا تھا جو ہر کشتی کو بیگار میں پکڑ لیتا تھا۔ رہا لڑکے کا معاملہ تو اس کے والدین مؤمن تھے (اور وہ کافر تھا) ہمیں خوف ہوا کہ یہ ان کو بھی اپنی سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔ پس ہم نے چاہا کہ اس کو مار ڈالیں اور ان کا پروردگار اس کے بدلہ میں ایسا فرزند عطا فرمائے جو اس سے پاک نفسی اور پاک قرابت میں بہتر ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی (جسے میں نے سیدھا کیا) وہ ترکے میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے باپ کا چھوڑا ہوا خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ مردِ صالح تھا تمہارے پروردگار نے چاہا کہ جب دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں تو تمہارے پروردگار کی مہربانی سے اپنا خزانہ نکال لیں اور میں نے جو کچھ کیا اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ حکمِ خدا سے کیا ہے، یہ ہے حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ کو صبر نہ ہو سکا۔

اس قصہ میں بہت سی باتیں قابلِ بیان ہیں :

(۱) حضرت موسیٰؑ کو حضرت خضرؑ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا سوال یہ ہے کہ ان تینوں واقعات سے حضرت موسیٰؑ کے علم میں کتنا اضافہ ہوا۔ کوئی خاص تعلیم سمجھ میں نہیں آتی۔ جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جو شریعتِ ظاہری کا علم دیا گیا تھا وہ سمجھے پورا پورا علم یہی ہے اس لیے وہ دل میں اپنے کو سب سے بڑا عالم سمجھے۔

لہٰذا انہیں بتانا تھا کہ اس کے علاوہ ایک اور علم بھی ہے جس کو علمِ باطنی کہا جاتا ہے یعنی وقوعِ واقعہ سے قبل کسی بات کا علم ہو جانا۔ اس کی تعلیم خدا نے خاص نور سے حضرت خضرؑ کو عطا کی تھی۔ پس حضرت موسیٰؑ کو یہ بتایا گیا کہ علمِ ظاہر سے علمِ باطن کا درجہ زیادہ ہے اس کو سمجھانے کے لیے پے در پے یہ تین واقعات سامنے لائے گئے۔

(۲) سوال یہ ہے کہ حضرت خضرؑ کو یہ حق کہاں سے حاصل ہوا کہ وہ شریعتِ ظاہری پر عمل ترک کر دیں۔ ہر نبی شریعتِ ظاہری پر عامل ہوتا ہے پھر خضرؑ اس سے کیوں مستثنیٰ ہوئے۔ اوّل اور تیسرے واقعہ کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ عمل بالاحتیاط تھا اور کشتی والے مسکینوں اور دیوار والے یتیموں کو نقصان سے بچانا مقصود تھا لیکن تیسرے واقعہ کے متعلق کیا کہا جائے گا جبکہ اس لڑکے نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا تو اس کو کس جرم میں قتل کیا گیا۔ صدورِ فعل سے پہلے کسی کو سزا دینا شریعت میں کب جائز ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس کے قتل کے جواز کے لیے تو اس کا کافر ہونا ہی کافی تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بے شمار کافر جرمِ کفر میں قتل کیے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی ایسا ہو چکا تھا۔ بالخصوص ایسے کافر کا قتل کرنا جو دوسروں کو کافر بنانا اور قتل کرنا چاہتا ہو شریعتِ ظاہری اور باطنی دونوں کا حکم یہاں آکر مل جاتا ہے۔ شرک کا گناہ تو قتل سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور علمِ باطنی سے اس کا شرک ثابت تھا۔

(۳) جناب خضرؑ کے کسی عمل پر جو موسیٰؑ کے ساتھ ظہور میں آئے اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ انہوں نے صاف لفظوں میں یہ ظاہر کر دیا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ حکمِ خدا سے کیا ہے لہٰذا اس صورت میں خضرؑ کی عصمت پر کوئی حرف نہیں آ سکتا۔

(۴) اب رہا یہ سوال کہ خدا نے خلافِ عدل ایسا حکم کیوں دیا تو عدالت مؤمن کے مقابل ہوتی ہے نہ کہ کافر کے مقابل میں۔ جو خدا کا شریک بنا کر اس کی عبادت کرتا ہے اس کے مقابل عدالت کیسی؟ مشرک تو واجب القتل ہوتا ہے عدالت تو دو فریق کے درمیان ہوتی ہے۔ یہاں تو وہ لڑکا اپنے کفر کی وجہ سے خود خدا کے مقابل تھا لہٰذا اس کے مقابل عدالت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا ۸۰/۱۸ میں خضر علیہ السلام نے خوف میں موسیٰ علیہ السلام کو کیوں شامل کیا بلحاظ علمِ باطن خَشْيَت کا تعلق صرف جناب خضرؑ سے تھا نہ کہ جناب موسیٰؑ سے۔ جواب یہ ہے کہ یہ خوف جناب موسیٰؑ کی مصاحبت کی وجہ سے ظاہر کیا گیا۔ شریعتِ ظاہری کے لحاظ سے جناب موسیٰؑ کو یہ خوف ہونا چاہیئے تھا کیونکہ وہ لڑکا کافر تھا اور ماں باپ مؤمن تھے۔ اس کا امکان تھا کہ وہ ان کو نقصان پہنچائے۔

(۶) اس واقعہ سے حضرت موسیٰؑ کو یہ بتایا گیا ہے کہ شریعتِ ظاہری جو تم کو دی گئی ہے وہ صحیح و درست ہے لیکن اگر کسی کو باطن امور سے آگاہی ہو اور ظاہری شریعت جو تم کو دی گئی ہے کا فیصلہ مضرت رساں ہو تو اس کے خلاف کرنا مصلحتِ الٰہی کے موافق ہوتا ہے مثلاً،

اگر کشتی میں سوراخ نہ کیا جاتا تو ضرور ظالم بادشاہ اس کو درست سمجھ کر لے جاتا۔ اس صورت میں مسکینوں کو جو کشتی کے مالک تھے کتنا نقصان پہنچ جاتا ۔۔ متاعِ شکستہ کہ در دستِ تست ۔ ازاں بہ کہ در دستِ دشمن درست

سوراخ جو خضرؑ نے کیا تھا اس کی مرمّت ہوسکتی تھی اور کشتی کو پھر دریا میں چلایا جاسکتا تھا۔ لیکن دشمن لے جاتا تو کب ہوتا۔

اسی طرح اگر لڑکے کو قتل نہ کیا جاتا اور وہ مؤمن ماں باپ کو کافر بنا لیتا یا کفر اختیار نہ کرنے پر ان کو مار ڈالتا تو دو مؤمنوں پر کیسا ظلم ہوتا۔ خدا کو مؤمنوں کی حفاظت ضروری ہوتی ہے یا ایک کافر کی۔

رہا دیوار کا مسئلہ، اگر خضرؑ اُسے سیدھا کھڑا نہ کرتے اور گر پڑتی اور لوگ ان یتیموں کے باپ کا دفن کردہ خزانہ لُوٹ کرلے جاتے تو یتیموں کو کتنا سخت نقصان پہنچتا۔ خدا نے یتیموں کا لحاظ کرنا ضروری سمجھا نہ کہ ان لٹیروں کا جو ناجائز مال پر تصرّف کرنا چاہتے تھے۔

خلاصہ اس تعلیم کا یہ ہے کہ کسی نبی کو اپنے علم پر مغرور نہ ہونا چاہیئے فوق کلّ ذی علمٍ علیم۔ اس دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر عالم پایا جاتا ہے۔ اسی علم کی بنا پر خدا نے انبیاءؑ کے درمیان فضیلت کے درجات قائم کیے ہیں، تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ م (۲/۲۵۳)

تمام انبیاءؑ میں از روئے علم سب سے بڑا درجہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ آپؐ کو خدا نے مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ کا علم عطا فرمایا تھا اور جو کچھ حضرتؐ نہ جانتے تھے وہ سب سکھا دیا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے، وعلّمك ما لم تكن تعلم۔

نبوّت ناشناس لوگ کہتے ہیں کہ حضرت موسٰیؑ نے پے در پے جھُوٹ بولے۔ بار بار کہتے تھے اب میں ایسا نہیں کروں گا اور پھر اعتراض کر بیٹھتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب کوئی امر خلافِ شرع دیکھتا ہے تو بے خود ہو کر اعتراض کر بیٹھتا ہے۔ چونکہ شریعتِ ظاہری کی رُو سے تینوں واقعے خلاف شرع تھے اور حضرت موسٰیؑ سے ضبط نہ ہوسکا لہٰذا اعتراض کر دیا۔ یہ جھوٹ نہ تھا بلکہ فطری اور شرعی جذبہ کا اظہار تھا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ۙ ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ

نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ؕ ﴿۸۸﴾

اے رسول تم سے لوگ ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ میں ابھی تم کو اس کا حال بتائے دیتا ہوں (خدا فرماتا ہے) بے شک ہم نے ان کو روئے زمین پر قدرتِ حکومت عطا کی تھی اور ہم نے ان کو ہر چیز کے ساز و سامان دے رکھے تھے۔ اس نے پہلے (مغرب کی طرف جانے کے لیے) سامانِ سفر درست کیا جب چلتے چلتے آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اُسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج کالی کالی کیچڑ کے چشمہ میں ڈُوب رہا ہے اور اسی جگہ کے قریب ایک قوم آباد پائی۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین تم کو اختیار ہے خواہ ان کو (کفر کی وجہ سے) سزا دو (کہ ایمان لے آئیں) یا ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کا طریقہ اختیار کرو (کہ وُہ ایمان قبول کرلیں)۔ ذوالقرنین نے کہا کہ جو سرکشی کرے گا ہم بہت جلد اس کو ضرور سزا دیں گے پھر وُہ (قیامت میں) اپنے پروردگار کے سامنے لوٹا کر لایا جائے گا۔ اور وُہ (خدا) بُری سے بُری سزا دے گا۔ اور جو ایمان لے آیا اور نیک کام کیے تو اس کے لیے اچھے سے اچھا بدلہ ہے اور ہم بہت جلد اسے اپنے کاموں میں سے آسان کام کرنے کو کہیں گے (یعنی نرم احکام دیں گے)۔

سکندر ذوالقرنین کا قصّہ

سکندر ذوالقرنین کے بارہ میں مفسّرین کا سخت اختلاف ہے کہ یہ نبی تھے یا نہ تھے۔ نبی ہوں یا نہ ہوں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مردِ صالح اور دیندار تھے ورنہ قرآن میں ان کا ذکر اس شان سے نہ ہوتا۔ اسی ہدایت کے سلسلہ میں مخالف قوموں نے دو بار ان کی پیشانی پر تلوار ماری جس کے دو نشان بن گئے اسی وجہ سے ان کو ذوالقرنین کہتے تھے۔ یہ ایک جلیل القدر اور صاحبِ ہمّت بادشاہ تھے۔ یونان کا شہر مقدونیہ ان کا دارالسلطنت تھا۔ مغرب سے مشرق تک اور جنوب سے شمال تک اُن کی حکومت کا پرچم لہراتا تھا اپنی سلطنت میں جو دَورے کیے ان کا ذکر قرآن میں ہے۔

جب ان کا سفر مغرب کی طرف ہُوا تو سورج کو ایک گدلے چشمے میں ڈُوبتا ہُوا پایا یعنی کوئی سمندر آخری حد پر تھا۔ خدا نے ان سے کہا یہاں قُلْنَا کا لفظ ہے اَوْحَيْنَا نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ان کو بذریعہ الہام بتایا گیا کہ جو کافر قومیں ان علاقوں میں بستی ہیں چاہے تو ان کو کفر اختیار کرنے کی وجہ سے سزا دو تاکہ وہ دینداری اختیار کریں یا ان سے اچھا سلوک کرو تاکہ وہ خود سمجھ بوجھ کر خدا پرست بن جائیں۔ چنانچہ

ذوالقرنین نے یہ طے کر لیا کہ ایسا ہی کروں گا۔
ذوالقرنین کا زمانہ پانسو سال قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰى قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَيۡهِ خُبۡرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيۡنَ السَّدَّيۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوۡا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِنَّ يَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا عَلٰۤى اَنۡ تَجۡعَلَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَهُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾

چلتے چلتے جب آفتاب کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے (مغرب سے مشرق کی طرف چلے) تو سُورج ایک ایسی قوم کے سر پر طلوع کر رہا تھا جن کے لیے ہم نے آفتاب کے سامنے (دُھوپ سے بچنے کے لیے) کوئی آڑ نہیں بنائی تھی اور تھا بھی ایسا ہی (کوئی مکان ان کے لیے نہ تھا) اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہم کو اس سے پُوری واقفیت تھی۔ وہاں سے ایک اور راہ اختیار کی یہاں تک کہ جب چلتے چلتے دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو دونوں دیواروں کے اس طرف ایک قوم ملی جس کی بات مشکل سے سمجھ میں آتی تھی (ایک ترجمان کے ذریعہ) انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج روئے زمین پر فساد کرتے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے پاس اس غرض کے لیے چندہ جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنا دیں۔

جب سکندر اور اُن کے ساتھی مشرقی حصہ میں پہنچے تو وہاں ایک ایسی وحشی قوم کو دیکھا جو آفتاب کی تمازت سے بچنے کے لیے گھر بنانا بھی نہیں جانتے تھے۔ نباتات اُن کی خوراک تھی۔ بارش ہوتی تو پہاڑوں کے غاروں میں

جا چھپتے۔ وہاں سے چلے تو دو پہاڑوں کے درمیان ایک اور وحشی قوم کو آباد پایا جن کی بات بھی سکندر اور ان کے ساتھیوں کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر کسی ترجمان کے ذریعہ سے انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ یاجوج ماجوج بڑے فسادی ہیں ہمیشہ لُوٹ مار کرتے رہتے ہیں ہم ان وحشیوں سے سخت پریشان ہیں۔ آپ ہمیں ان کے ظلم سے بچا لیجئے۔ آپ ہمارے اور اُن کے درمیان ایک دیوار ایسی کھڑی کر دیں کہ وہ پھر ہم تک نہ آسکیں جو کچھ خرچ ہوگا ہم چندہ کر کے آپ کو دے دیں گے۔

ـــــ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجم قرآن کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے:۔

"ایک روایت میں ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت یافث بن نوح کی اولاد سے دو گروہ ہیں بعض کو ترک اور بعض کو پہاڑی کہتے ہیں۔ یہ لوگ تین قسم کے تھے۔ ایک ایسے لمبے تڑنگے جن کے قد تاڑ کے درخت کے برابر تھے۔ دوسرے ایسے چوڑے جن کی لمبائی چوڑائی برابر تھی۔ تیسرے بڑ کنے کہ ان کا ایک کان اوڑھنا اور ایک بچھونا تھا اور ان کی تعداد چار لاکھ تھی۔ ان میں سے کوئی نہ مرتا، جب تک اپنے نُطفہ سے ہزار جوان لڑنے والے دیکھ نہ لیتا۔ یہ اس قدر قوی تھے کہ پہاڑ اور لوہے کی بھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی۔ گھاس، پتّے، آدمی اور جانور حرام و تو اُس قوم کا ستیاناس کر دیتے۔"
حلال ہر چیز کھا جاتے تھے۔ جب یہ حملہ کرتے

خدا کی جہاں بے شمار مخلوق اس دُنیا میں بستی ہے ان میں سے ایک مخلوق یہ بھی ہے چونکہ قرآن میں ذکر ہے لہٰذا انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ بات کان کو نہیں لگتی کہ وُہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ کیونکہ نسل انسانی میں سوائے اس نسل کے جس کا بیان ہوّا اور کہیں جسمانی اور نفسانی حالت میں اتنا تغیر نہیں پایا گیا کہ انسانوں سے مشابہت ہی نہ رہے۔ قد ہوں تو تاڑ جیسے، کان ہوں تو ہاتھی کے کانوں سے بڑھ کر، عادتیں ایسی کہ الّا بلّا سب کی سب کھا جائیں۔ ایک جنگلی وحشی مخلوق تو ہو سکتی ہے لیکن انسان کی نسل کیسے مان لیا جائے۔

پھر کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ امر کہ جب تک اس قوم کا کوئی شخص اپنے نطفہ سے ایک ہزار لڑنت جوان نہ دیکھ لیتا، مرتا ہی نہ تھا۔ گویا یہ سب باتیں اُس کے اختیار میں تھیں، مرنا بھی اور ایک ہزار جوان پیدا کرنا بھی۔ ایسی داستانیں طلسم ہوشربا میں تو کھپ سکتی ہیں لیکن قرآن جیسی مقدس کتاب کے حاشیہ پر زیب نہیں دیتیں۔

مولانا مرحوم نے اس روایت کا حوالہ بھی کسی کتاب سے نہیں دیا۔ اگر یہ لکھ دیتے کہ خدا کی ایک ایسی مخلوق بھی تھی جن کے حالات یہ تھے تو خیر مضائقہ نہ تھا۔ نسلِ انسانی سے اس کا پیوند لگانا کیوں ضروری سمجھا گیا۔ ہم نے اپنی اس تفسیر میں ایسی باتوں میں جو مفسرین نے بے پرواہی سے لکھ دی ہیں تنقید کرنا ضروری سمجھا ہے۔

قَالَ مَا مَكَّنِّىۡ فِيۡهِ رَبِّىۡ خَيۡرٌ فَاَعِيۡنُوۡنِىۡ بِقُوَّةٍ اَجۡعَلۡ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ

رَدْمًا ﴿٩٥﴾ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي ۖ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۖ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿٩٨﴾

ذوالقرنین نے کہا جو کچھ خدا نے مجھے دیا ہے وہ (تمہارے چندہ سے) کہیں بہتر ہے۔ بس تم اپنی قوت سے میری مدد کرو تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دوں (اچھا تم مجھے کہیں سے) لوہے کی سلیں لادو تاکہ میں دونوں کنگروں کے درمیان بلند دیوار بنا دوں۔ (چنانچہ وہ لوگ لے آئے اور بڑی دیوار بنائی گئی) پھر حکم دیا کہ (اس کے گرد آگ لگا کر) پھونکو یہاں تک کہ اس کو لال انگارا بنا دیا تو کہا کہ اب مجھے تانبا دو کہ اُسے پگھلا کر دیوار پر اُنڈیل دوں۔ غرض وہ دیوار ایسی (مضبوط اور اونچی) بنی کہ (یاجوج ماجوج) نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے کہا یہ سب میرے رب کی مہربانی ہے۔ جب میرے پروردگار کا وعدہ (قیامت) آئے گا تو اس کو ڈھا کر ہموار کر دے گا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں :

(۱) وہ قوم دولت مند تھی ورنہ دیوار کا خرچ برداشت کرنے کی پیش کش نہ کرتی۔

(۲) ذوالقرنین نے جب لوہے کی سلیں ان سے مانگیں تو انہوں نے لا کر حاضر کر دیں۔ ایک ایسی اونچی دیوار کے لیے ہزاروں سلوں کی ضرورت ہوئی ہوگی۔ اتنا لوہا فراہم کرنا پھر اُسے گلا کر سلیں بنانا ظاہر کرتا ہے کہ فنِ حدّادی میں ان لوگوں کو کمال حاصل تھا۔ کتنی لمبی چوڑی بھٹیاں بنائی گئی ہوں گی اور پھر ان میں آنچ تیز کرنے کے لیے جو ایندھن استعمال کیا گیا ہوگا، سمجھ سے باہر ہے۔ پھر سلوں کی درازوں کے اندر تانبا پگھلا کر ڈالنا سب سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ اتنی بلندی پر یہ شعلہ خیز تانبا کیونکر پہنچایا گیا ہوگا اور کس ظرف کے ذریعہ سے

ذوالقرنین کا دیوار بنانا

ڈالا گیا ہوگا۔ عقل حیران ہے کہ اس زمانہ میں جو سائنس کا زمانہ کہلاتا ہے اور برقی قوت کے ذریعہ سے دھاتیں پگھلائی جاتی ہیں یہ کام آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔ اب سے ہزارہا برس پہلے انسان کی یہ ترقی ضرور محیّر العقول ہے۔

(۳) یہ دیوار جو اس قدر مضبوط تھی کہاں گئی۔ اب تو کسی ملک میں اس کا وجود نظر نہیں آتا۔ ورنہ روئے زمین کی سطح پر دوڑ لگانے والے اور چپہ چپہ کو چھان مارنے والے ضرور اس کا ذکر کرتے۔ یاجوج و ماجوج کا وجود بھی نظر نہیں آتا۔ قدرت نے ان دونوں کو نگاہِ خلائق سے پوشیدہ کر دیا ہے قیامت میں دونوں چیزیں ظاہر ہوں گی۔ چائنا وال (دیوارِ چین) جسے سدِ سکندر کہتے ہیں یقیناً وہ دیوار نہیں جو ذوالقرنین نے بنائی تھی کیونکہ یہ لوہے کی بنی ہوئی نہیں۔ تصور کیجئے کہ اس دیوار کی تعمیر میں کس قسم کے آلات استعمال کیے گئے ہوں گے اور کتنی محنت و مشقت کے بعد اس کو بنایا گیا ہوگا۔ حالانکہ ذوالقرنین کے سفر میں جن قوموں کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت جاہل قومیں تھیں بعض تو گھر بنانا بھی نہ جانتی تھیں۔ پس ایسے زمانہ میں فنِ حدّادی اور تعمیر میں یہ ترقی خدا کی شان ہی شان ہے۔

یہاں ذوالقرنین کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہودیوں نے مشرکینِ مکّہ سے مل کر کہا کہ محمدؐ سے جا کر اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کا حال پوچھو۔ منشا یہ تھا کہ چونکہ وہ تاریخ سے نابلد ہیں اور ہماری کتابوں کا مطالعہ بھی نہیں کیا، اس لیے یا تو جواب دے ہی نہ سکیں گے یا دیں گے تو غلط سلط ہوگا لہٰذا دونوں حالتوں میں ہم ان کا مذاق اڑائیں گے۔ لیکن جب قرآن نے یہ دونوں قصے بیان کیے تو حیران ہو گئے۔ کیونکہ پورے واقعات سے وہ خود بے خبر تھے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ ۖ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾

اس روز ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ آپس میں ٹکرا کر سمندر کی موجوں کی طرح گڈمڈ ہو جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا اور ہم سب کو جمع کریں گے اور اس دن کافروں پر جہنم کو کھلم کھلا پیش

کریں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی آنکھیں ہماری یاد سے پردہ میں تھیں اور (عداوت کی وجہ سے) رسول کی بات کو سُن ہی نہ سکتے تھے۔ کیا جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے اس خیال میں ہیں کہ مجھے چھوڑکر میرے بندوں کو سرپرست بنالینے پر ان سے کوئی پُوچھ گچھ نہ ہوگی ہم نے کافروں کی مہمانداری کے لیے جہنّم تیار کر رکھی ہے۔

ذوالقرنین کے قصّہ کے بعد کافروں کو یہ بتایا جارہا ہے کہ جو مہلت ہم نے دے رکھی ہے اس کی وجہ سے قیامت سے بےخبر نہ ہوں۔ جب صور پھُونکا جائے گا تو عرصہ محشر میں سب جمع ہوں گے وہاں ان کافروں کی خبر لی جائے گی جو دُنیا میں دولت کے نشہ میں ہم کو بھُولے پڑے رہے اور مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا معبود و سرپرست بنا بیٹھے۔ مجھ سے بھاگ کر جائیں گے کہاں ؟

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

اے رسول کہدو کیا ہم ان لوگوں کا پتہ بتادیں جو از روئے اعمال سب سے زیادہ خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگانی دُنیا کی تمام کوششیں بیکار گئیں اور وُہ اس خیال میں پڑے ہُوئے ہیں کہ وہ اچھے کام کررہے ہیں یہی وُہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو اور (روز قیامت میں) اس کی ملاقات کو جھٹلا دیا تھا ان کے سب اعمال ضائع گئے پس ہم (روز قیامت) ان کے لیے میزان حساب قائم نہ

کریں گے کفر اختیار کرنے کی وجہ سے یہی جہنّم ان کی سزا ہے۔ انہوں نے میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور عملِ صالح کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے۔

مروی ہے کہ ابن کوّا نے جناب امیر علیہ السّلام سے پوچھا کہ ان آیات سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا، خوارج۔ پھر فرمایا تُو اور تیرے اصحاب۔ کیونکہ ابن کوّا بھی خوارج سے تھا۔ آخر آیت میں جن ایمان والوں کا ذکر ہے ان سے مراد ابوذرؓ و سلمانؓ و مقدادؓ و عمّار یاسرؓ ہیں۔

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

(یہ ایمان و عمل صالح کرنے والے جنت الفردوس میں) ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے ہٹنے کی کبھی خواہش نہ کریں گے۔ اے رسول کہدو اگر میرے رب کی باتوں کے لکھنے کے لیے تمام سمندر کا پانی سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات تمام ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجائے گا اگرچہ ہم ویسا ہی ایک سمندر اس کی مدد کو لے آئیں۔ اے رسول کہدو بے شک میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں (مگر فرق یہ ہے کہ) میرے اُوپر وحی ہوتی ہے۔ تمہارا معبود خدائے واحد ہے پس جو اپنے رب کی ملاقات کی امّید رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

کلمات سے مراد خدا کی نعمتیں اس کی صنعتیں اور اس کی حمد و حساب سے باہر مخلوق ہے کس کی طاقت ہے کہ ان کو شمار کرسکے۔ بنا بر مشہور روایت خدا نے اٹھارہ ہزار عالم بنائے ان میں سے ایک زمین بھی ہے اس زمین کے بحر و بر

ہیں اس کی کتنی مخلوق بستی ہے اور کیسی کیسی صنعتیں اُس نے دکھائی ہیں وہ شمار و اعداد کی حد سے باہر ہیں۔ اس کی مخلوق میں ایک ذات علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کی ہے۔ جن کے متعلق حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے، لَوْكَانَ الرِّيَاضُ اَقْلَامًا وَّالْبُحُوْرُ مِدَادًا وَّالْجِنُّ حُسَّابًا وَّالْاِنْسُ كُتَّابًا مَا اَحْصَوْا فَضَائِلَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ (اگر تمام باغات قلم بن جائیں اور تمام دریا سیاہی بن جائیں اور تمام جنّ حساب کرنے والے اور تمام انسان لکھنے والے ہوں تو بھی علیؑ کے فضائل کا احصا نہیں کر سکتے۔) پس جب ایک انسان کے فضائل کی یہ صورت ہے تو کس کی طاقت کہ خدا کی صنعتوں کا احصا کرے۔ ایک ایک نعمت میں بے شمار نعمتیں شامل ہوتی ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۶/۴۱)۔ خداوند عالم نے تمام اقوامِ عالم کی ہدایت کے لیے جن انبیاء و مرسلین کو بھیجا۔ وہ انہی کی ایک فرد تھے۔ لوگوں نے ان کی ہدایت کو قبول کرنے سے اس لیے انکار کیا کہ وہ اُن ہی جیسے آدمی تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ ایک آدمی خدا کا فرستادہ کیسے ہو سکتا ہے وہ چاہتے تھے کوئی فرشتہ آتا یا ان کی قوم کا کوئی امیر کبیر ہوتا۔ اور اسی بنا پر ان کو جھٹلاتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بھی یہی صورت رہی۔ کفار و مشرکین یہی کہتے رہے آپؐ تو ہم ہی جیسے آدمی ہیں۔ ان کے جواب میں کہا گیا کہ میں تم جیسا آدمی ضرور ہوں لیکن خدا نے مجھے صاحبِ وحی بنایا ہے میں جو کچھ کہتا ہوں اسی وحی کے مطابق کہتا ہوں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباسِ بشری میں ضرور تھے لیکن عام انسانوں سے بلحاظ خصوصیات آپؐ کو کوئی نسبت نہ تھی۔ سنگریزے بھی اگرچہ پتھر ہوتے ہیں لیکن جواہرات سے اُن کو کیا نسبت۔ خاک کا اکسیر سے کیا مقابلہ۔ فرشتہ اگر بشری لباس میں آجائے جیسا کہ اکثر ایسا ہوا۔ مریمؑ کے پاس فرشتہ بشری لباس میں آیا۔ حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ کے پاس فرشتے جوان لڑکوں کی صورت میں آئے۔ سرکار دو عالمؐ کی خدمت میں دحیہ کلبی کی صورت میں آئے تو کیا اس سے اُن کی مَلکی خصوصیت برطرف ہو جاتی تھی۔ لباس بدلنے سے ذات تو نہیں بدلی جاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نوری مخلوق ہیں۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے جب ان کو بھیجا گیا تاکہ لوگ ان سے مانوس رہیں۔ اگر فرشتہ کو بھی بھیجا جاتا تو جیسا خدا فرماتا ہے مرد ہی بنا کر بھیجا جاتا۔ پس رسولؐ کو عام لوگوں کی طرح سمجھ لینا غلطی ہے۔ لوازمِ بشری کے علاوہ بہت سی باتیں اُن کے اندر ایسی پائی جاتی تھیں جو بشریت کی حدود سے باہر تھیں مثلاً سوتے وقت آنکھوں کا سونا دل کا نہ سونا، جس طرح آگے سے دیکھنا اسی طرح پیچھے سے دیکھنا، ان کے بدن پر کبھی نہ بیٹھنا، اندھیری رات میں جسم سے اتنی روشنی پھوٹنا کہ رات کو راستہ چلنے میں شمع کا کام دے، پسینہ میں خوشبو آنا، ان کے فضلہ کو زمین کا نگل لینا، جماہی یا انگڑائی نہ لینا، ان جسمانی امتیازات کے علاوہ سیرت میں بھی عام انسانوں سے ممتاز تھے پس ان سب باتوں کے پیشِ نظر ان کو عام انسانوں جیسا نہیں کہا جا سکتا۔ وحی سے جو اُن کے اور عام انسانوں کے درمیان فصلِ ممیز ہے اس کا تعلق عام انسانوں سے نہیں ہو سکتا۔ ہر ظرف کے لیے ایک مظروف جداگانہ ہوتا ہے۔ عطر کو مٹی کے کوزوں میں نہیں رکھا جاتا۔ وحی کا تعلق نبی سے ہوتا ہے اور نبی اکملِ افرادِ انسانی ہوتا ہے وہ صورت میں ضرور بشر ہوتا ہے لیکن اپنی خصوصیات کی بنا پر

نوعِ انسانی سے جداگانہ ایک نوع ثابت ہوتا ہے۔

(۱۹) سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (۴۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾

کٓ ھا یا عٓ صٓ۔ (اے رسول) یہ تمہارے رب کی اس خاص رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔ جب اُس نے اپنے رب کو دھیمی آواز سے پکار کر کہا اے میرے پالنے والے میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر بڑھاپے (کی آگ) سے بھڑک اُٹھا (بال سفید ہو گئے) اور میرے رب میں تیری بارگاہ میں دُعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے مرنے کے بعد اپنے وارثوں سے ڈرتا ہوں (مبادا دین کو برباد کر دیں۔) اور میری بی بی (اُمّ کلثوم بنت عمران) بانجھ ہے پس تو مجھے اپنی بارگاہ سے ایک جانشین (فرزند) عطا فرما جو میری اور یعقوب کی نسل کا مالک ہو اور اے میرے پروردگار اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنانا۔

یہ سورہ ہجرتِ حبشہ سے پہلے نازل ہوا تھا کیونکہ حضرت جعفرؑ نے نجاشی بادشاہِ حبشہ کے سامنے جب اُس نے

قرآنی آیات سُننی چاہی تھیں اسی سورہ کی تلاوت کی تھی۔

جناب زکریاؑ نے دھیمی آواز میں اس لیے دُعا کی کہ ان کو بڑھاپے میں اولاد کے لیے دُعا کرتے شرم آتی تھی۔ اُن کی عمر اس وقت ۹۹ سال کی ہو چکی تھی اور بی بی کی عمر ۸۸ سال کی تھی اور پھر فطرۃً بانجھ تھیں۔ خیال ہوگا اگر بآوازِ بلند دُعا کی اور لوگوں نے سُن لی تو میرے اوپر ہنسیں گے کہ اس گئی گزری عمر میں اولاد کے لیے دُعا کر رہے ہیں۔ دُعا میں اس امر کا اظہار کر رہے تھے کہ اب میں اس قابل نہیں رہا کہ میرے اولاد ہو لیکن چونکہ تُو نے میری کوئی دُعا رد نہیں کی اس لیے امید ہے کہ یہ دُعا بھی ردّ نہ کرے گا۔ اس دعا میں یہی عرض کر رہے ہیں کہ میں ایک فرزند کی درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ بیت المقدس کی جو خدمت میری سپرد ہے اپنے خاندان میں کسی کو اس کے لیے اہل نہیں پاتا۔ خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خدمت اولادِ یعقوبؑ سے نکل جائے اور ایسے لوگوں کے پاس پہنچ جائے جو اس کے اہل نہ ہوں۔ اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بی بی بھی بانجھ ہے مگر جو میرا مقصد ہے وہ تیری بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں اور تیرے رحم و کرم کا امیدوار ہوں بیٹا دے اور ایسا نیک دے جو تیرا پسندیدہ ہو۔

حضرت زکریاؑ حضرت ہارونؑ کی اولاد سے تھے۔ بیت المقدس کے اندر ان کے سوا کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ یہی اندر جا کر روشنی کرتے اور بخور جلاتے تھے۔ راہب لوگ دوسرے حصّوں میں رہتے تھے یا صحن میں اٹھتے بیٹھتے تھے یہ بڑی مقدس خدمت تھی جو قوم نے اُن کے سپرد کی تھی۔ اسی خدمت کے برقرار رہنے کے لیے بیٹا مانگ رہے تھے۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾

(خدا نے کہا) اے زکریا ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اس سے پہلے ہم نے

کسی کو اس کا ہم نام نہیں پیدا کیا۔ زکریا نے کہا اے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا درآنحالیکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں حد سے زیادہ بڑھاپے تک پہنچ گیا ہوں۔ خدا نے کہا، ایسا ہی ہوگا۔ خدا نے کہا تیرے رب پر ایسا کرنا آسان ہے۔ میں نے تجھے اس سے پہلے پیدا کیا درآنحالیکہ تُو کوئی شے نہ تھا۔ زکریا نے کہا اے میرے رب میرے لیے کوئی علامت مقرر کر فرمایا، تیرے لیے علامت یہ ہے کہ تُو لوگوں سے تین رات دن بات نہ کر سکے گا۔ پس زکریا محرابِ عبادت سے نکل کر قوم کے پاس آئے اور اشارہ سے بتایا کہ تم لوگ صبح و شام خدا کی تسبیح کیا کرو۔

مفسّرین نے لکھا ہے کہ حضرت زکریاؑ اور خدا کے درمیان جو کلام ہوا وہ فرشتہ کے ذریعہ سے ہوا۔ حضرت یحییٰؑ سے پہلے یہ نام کسی کا نہ تھا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضرت یحییٰؑ چھ ماہ کے حمل کے بعد پیدا ہوئے۔ سوائے حضرت یحییٰؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے اور کوئی بچہ چھ ماہ کے حمل کے بعد پیدا ہو کر زندہ نہیں رہا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت زکریاؑ دعا میں یہ اقرار کر چکے کہ تُو میری ہر دُعا کا قبول کرنے والا ہے میں مایوس نہیں ہوں تو پھر کیا معنیٰ ہیں اس کہنے کے کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ میں بوڑھا ہوں اور بی بی بانجھ ہے۔ اس سے تو صاف مایوسی ٹپکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ کیسے پیدا ہوگا۔ اس شک کو دُور کرنے کے لیے تھا کہ آیا مجھے اور میری بی بی کو جوان کر کے بیٹا دے گا یا موجودہ صورت ہی میں۔ خدا نے جواب دے دیا کہ اسی حالت میں ہوگا۔

نشانی طلب کرنا اس لیے تھا کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ میرے یہاں بچّہ پیدا ہونے والا ہے اگر یہ بچّہ پیدا ہونے کے بعد اطلاع ہوگی تو لوگ خیال کریں گے کسی اور کا بچہ اُٹھا لیا ہے۔ اس شک کا دُور کرنا ضروری تھا۔

محراب کے معنی مصلّے کے ہیں۔ رفتہ رفتہ اُس جگہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا جہاں امام کھڑا ہوتا ہے۔ تین رات سے مراد تین رات اور دن ہیں۔ وقتِ عبادت ان کی زبان کھلی رہتی تھی۔ البتہ جب قوم کے پاس آتے تھے تو زبان بند ہو جاتی تھی۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ ع

ع ۱۵/۴

اے یحییٰ، کتاب (توریت) کو مضبوطی کے ساتھ لو۔ ہم نے انہیں بچپن ہی میں یہ قوّتِ فیصلہ (نبوّت)

عطا کی اور اپنی طرف سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ خود بھی پرہیزگار اور ماں باپ سے نیکی کرنے والے تھے اور سرکش و نافرمان نہ تھے سلام ہو اُن پر جس روز پیدا ہوئے اور جس روز مریں گے اور جس روز زندہ (قبر سے) اُٹھائے جائیں گے۔

حضرت یحییٰؑ خدا کے مخصوص بندوں میں سے تھے۔ چار برس کے سن میں انہوں نے پوری توریت حفظ کر لی تھی۔ خدا کا خوف اس قدر اُن کے دل پر غالب تھا کہ سوکھی روٹی کے سوا کوئی چیز نہ کھاتے تھے ٹاٹ کے کپڑے پہنتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ ان کے رُخسارے زخمی ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ نے نمدے کے دو ٹکڑے ان کے رخساروں پر باندھ دیئے تھے مگر وہ ان کو بھی رہنے نہ دیتے تھے۔

حضرت زکریاؑ ان کی موجودگی میں عذابِ جہنّم کا ذکر نہ کرتے تھے ایک بار سُن لیا تو گھر چھوڑ کر روتے پیٹتے ہوئے جنگل کی طرف نکل گئے۔ ماں باپ تلاش کو نکلے تو سجدہ میں پایا۔ بمشکل تمام سمجھا بجھا کر گھر لائے۔ عمر بھر شادی نہ کی۔ لوگوں کی ہدایت میں اپنا وقت زیادہ صرف کرتے تھے۔ ان کی شہادت کا سبب یہ ہوا کہ اس زمانہ کے بادشاہ کے پاس ہیروڈیس نامی ایک حسین عورت تھی جو اس کے بھائی فلپ کی بیوی تھی۔ اس جُرم پر حضرت یحییٰؑ نے اُسے ملامت کی اور کہا یہ تیرے لیے جائز نہیں۔ اس پر وُہ عورت اُن کی جانی دشمن بن گئی۔ جب خود بوڑھی ہونے لگی اور بادشاہ کی توجہ اپنی طرف کم پائی تو اپنی نوجوان لڑکی کو جو پہلے شوہر سے تھی بنا سجا کر بادشاہ کے سامنے پیش کرنے لگی۔ بادشاہ اس پر عاشق ہو گیا اور اپنی زوجیت میں لینا چاہا۔ حضرت یحییٰؑ سے رائے لی۔ آپؑ نے فرمایا وہ تیرے اوپر حرام ہے۔ ایک جشن میں جب بادشاہ نشہ میں چور تھا اُس خبیث عورت نے اس لڑکی کو سولہ سنگھار سے آراستہ کر کے پیش کیا۔ بادشاہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے کہا پہلے میری ایک خواہش پُوری کیجئے۔ اُس نے کہا بتا وُہ کیا ہے۔ وہ بولی، یحییٰؑ کا سر۔ اس نے فوراً حضرت یحییٰؑ کے قتل کا حکم دے دیا۔ علمائے یہود نے کہا اگر اُن کا خون زمین پر گرے گا تو پھر زمین سے ایک دانہ روئیدہ نہ ہو گا۔ اُس نے کہا، اُن کا خون ایک گڑھے میں گراؤ اور طشت میں رکھ کر ان کا سر لاؤ۔ آپؑ کے قتل کے بعد گڑھے سے خون نے جوش مارنا شروع کیا ہر چند اس پر مٹی ڈالتے تھے مگر وہ برابر جوش کھا کر اوپر آتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک ٹیلہ بن گیا۔ پھر بُخت نصّر عیسائی بادشاہ نے حملہ کیا اور قتلِ عام کا حکم دیا۔ بادشاہ کے ساتھ ستّر ہزار یہودی مارے گئے تب اس خون کا جوش ختم ہوا۔

حضرت یحییٰؑ کی غذا ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا وہ بھی بقدر سدِّ رمق۔ فقیرانہ لباس میں وہ لوگوں کو ہدایت کرتے پھرتے تھے اور توبہ کا حکم دیتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے اگر دو کُرتے تمہارے پاس ہوں تو ایک اپنے ننگے بھائی کو دے دو یا جس کے پاس دو روٹیاں ہوں وہ ایک اپنے بھُوکے بھائی کو دے دے۔ لوگوں کو ظلم کرنے اور حق سے زیادہ لینے سے روکتے تھے تاکہ ظاہر و باطن دونوں پاک ہو جائیں۔ لوگ ان کو یوحنّا بپتسمہ دینے والا کہتے تھے۔ ان کی نبوّت کو تمام بنی اسرائیل نے تسلیم کر لیا تھا۔

عند اللہ ان کا کتنا بڑا مرتبہ تھا کہ خدا نے ان پر زندگی میں سلام بھیجا، ان کے مرنے کے دن بھی اور ان کے قبر سے اُٹھنے کے دن بھی۔ پھر خدا نے ان کا نام بھی خود ہی رکھا۔ نیز بچپن میں ہی ان کو نبوّت عطا کی۔ وہ ایک دشمن ایمان کے حکمِ قتل پر ذرا ہراساں نہ ہوئے۔ سر کٹوا دیا مگر جو حکم شرع تھا اُس کے خلاف حکم دینا گوارا نہ کیا۔ کس قدر مشابہ ہیں حضرت یحییٰؑ کے حالات حضرت امام حسینؑ سے۔ جناب یحییٰؑ کا خون ستّر ہزار بنی اسرائیلیوں کے قتل کے بعد جوش مارنے سے رُک گیا تھا مگر امام حسین علیہ السلام کا خون ابھی تک جوش مارنے سے نہیں رُکا اور ظہور قائم آلِ محمد کے وقت تک جوش مارتا رہے گا۔ امرِ حق کے احیا میں جس طرح جناب یحییٰؑ نے سر کٹوا دیا، امام مظلومؑ نے بھی اسی طرح اپنی جان عزیز نہیں کی۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید حقّا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۣ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ڰ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

(اے رسول) اس کتاب (قرآن) میں مریم کا ذکر بھی کرو جب وہ لوگوں سے الگ ہو کر (غسل کے لیے) پُورب والے مکان میں چلی گئیں اور اُس نے لوگوں کے سامنے پردہ کر لیا۔ ہم نے اپنی رُوح (جبرئیل) کو ان کے پاس بھیجا۔ وُہ اچھے خاصے آدمی کی صُورت میں ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ مریم نے کہا اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ فرشتہ نے کہا میں تمہارے ربّ کا پیغام بر ہوں تاکہ تم کو پاک و پاکیزہ لڑکا

عطا کروں۔ مریم نے کہا میرے لڑکا کیسے ہوگا درآنحالیکہ میرا تعلق کسی مرد سے نہیں رہا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا، تم نے ٹھیک کہا لیکن تمہارے ربّ نے فرمایا ہے کہ یہ بات (بے باپ کے بچّہ پیدا کرنا) میرے لیے آسان ہے۔ تاکہ اس کو پیدا کرکے ہم لوگوں کے لیے اپنی نشانی قرار دیں اور اپنی رحمت کا ذریعہ بنائیں۔ اور یہ بات فیصل شدہ ہے۔

بنی اسرائیل میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی عورت چاہتی تھی کہ اس کا لڑکا بیت المقدس کی خدمت کرے تو بحالتِ حمل یہ نذر مان لیتی تھی کہ جب پیدا ہوکر ذرا سیانا ہوگا تو میں اس کو بیت المقدس کی نذر کر دوں گی۔

جناب مریمؑ کی والدہ حنّہ نے بھی یہ نذر بحالتِ حمل مانی۔ لیکن ولادت ہوئی تو لڑکی پیدا ہوئی۔ سخت پریشان تھیں کہ اب کیا کروں۔ لڑکی کو نذر کرنے کا دستور نہ تھا۔ بہرحال خدا نے ان کی نذر قبول کرلی۔ یہ تمام واقعہ سورہ آل عمران میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں پھر یہ واقعہ اس وقت سے بیان کیا جاتا ہے جب سیانی ہوکر حضرت مریمؑ بیت المقدس میں آ چکی تھیں اور حضرت زکریاؑ نے ان کے لیے ایک حجرہ مخصوص کر دیا۔ وُہ وہیں مُعتکف رہ کر عبادتِ خدا بجالاتی تھیں۔ ایک دن غسل کیلئے پورب کی طرف ایک مکان میں چلی گئیں اور پردہ چھوڑ دیا۔ ناگاہ جبریل امین بصورتِ انسان وہاں آ گئے۔ حضرت مریمؑ انہیں دیکھ کر گھبرائیں اور خدا سے پناہ مانگنے لگیں۔ فرشتہ نے کہا گھبرایئے نہیں خدا کا فرستادہ پیغام بَر ہوں۔ یہ بتانے آیا ہوں کہ آپ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔

جس طرح حضرت زکریاؑ نے اظہارِ تعجب کیا تھا جناب مریمؑ نے بھی کیا۔ اگرچہ صورتیں مختلف تھیں۔ وہاں کبرسنی تھی تو یہاں بے شوہر کے بچہ ہونا۔ خدا نے دونوں جگہ یہی فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے۔

غور طلب یہ امر ہے کہ مَس کے معنی کیا ہیں۔ اگر چھُونا مراد ہے تو یہ غلط ہے کیا بچپن سے ابھی تک کسی مرد نے ان کے بدن کو چھُوا تک نہ تھا یہ کیسے ہوسکتا ہے بلکہ مَس کے معنی تعلّق کے ہیں۔ یعنی جب میرا کسی مرد سے تعلق ہی نہیں رہا تو پھر ولادتِ فرزند کیسی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو علم سے مَس تک نہیں یعنی کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ میں بدکار عورت بھی نہیں، اس معنی کی موید ہے عورت کا کسی مرد سے ناجائز تعلّق ہونا ہی بدکاری کہلاتا ہے یہی صورت قرآن کے متعلق لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۵۶/۹) کی ہے۔ وہاں بھی مَس کے معنی تعلّق رکھنے اور اس کے معانی و مطالب سمجھنے کے ہیں نہ کہ چھُونے کے۔ اگرچہ شرعی حکم یہی ہے کہ اس کے الفاظ کو بغیر وضو نہ چھُوا جائے۔ مگر بغیر طہارت بھی لوگ چھُو لیتے ہیں۔ لیکن معنوی اعتبار سے ایک جاہل آدمی ان کے مفاہیم سے اس کی تفسیر و تاویل سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ اس سے حقیقی تعلق تو ان ہی لوگوں کا ہوسکتا ہے جو مصداق آیتِ تطہیر ہیں۔ یوں سمجھنے کا دعوٰی جو چاہے کرلے۔

فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝۲۲ فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى

جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ۝۲۳

(فرشتہ کے بشارت دینے کے بعد ہی) وہ حاملہ ہوگئیں پھر اس کی وجہ سے لوگوں سے الگ ہوکر ایک دُور کے مکان میں چلی گئیں (جب جننے کا وقت قریب آیا) تو دردِ زہ ان کو ایک سوکھے درخت خرما کی جڑ کے پاس لے آیا (اس وقت) مریم کہنے لگیں، کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھُولی بسری ہوجاتی۔

یہ حمل عام عورتوں کا سا نہ تھا جو نو ماہ بعد بچہ پیدا کرتا ہے بلکہ اس کا تعلق عالمِ امر سے تھا۔ جہاں اسباب و وسائل مفقود ہوتے ہیں اور صرف کُن کہنے یا ارادہ کرنے سے وہ شے وجود میں آجاتی ہے۔ حضرت عیسٰیؑ کی خلقت کا تعلق عالمِ امری سے تھا نہ کہ عالمِ خلقی سے۔

جب دردِ زہ عارض ہُوا تو جناب مریمؑ بیت المقدس سے نکل کر بہت دُور کسی مقام پر چلی گئیں۔ اس کی جہت یہ تھی کہ وہ کنواری تھیں اگر بیت المقدس ہی میں بچہ پیدا ہوتا تو جو لوگ بیت المقدس کے خدمتگار وہاں رہتے تھے انہیں گھیر لیتے اور باز پرس شروع ہوجاتی۔ سوچتی ہوں گی یہاں سے دُور جا کر بچہ جنوں اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یہ تو سمجھتی تھیں کہ جو بچہ میرے شکم میں ہے وہ معمولی بچہ نہیں حکم خدا سے ہے۔ لیکن پھر جو عورت کی حیا کا تقاضا تھا اُسے پُورا کیا۔

جہاں پہنچیں وہاں کھجُور کے دو سُوکھے درخت کھڑے تھے۔ ایک چادر تان کر ہو بیٹھیں۔ جب حضرت عیسٰیؑ پیدا ہوئے تو ان کو یہ فکر ہوئی کہ میں اس کے متعلق لوگوں سے کیا کہوں گی اور اپنی برأت کا کیا ثبوت دوں گی۔ انتہائی پریشانی کے عالم میں کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور کوئی میری اس حالت کو نہ دیکھتا۔

یہودیوں کی روایت تو یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ بغیر باپ کے نہیں پیدا ہوئے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جناب مریمؑ کی منگنی ایک شخص یوسف نجّار سے ہوئی تھی چونکہ یہودیوں میں یہ رسم تھی کہ شادی یعنی رخصتی سے پہلے عورت اپنے منگیتر سے ہم بستر نہیں ہوسکتی تھی اور مریم و یوسف مِل گئے تھے لہٰذا اس رسم کی خلاف ورزی مریم کے لیے باعثِ پریشانی بنی ہوئی تھی۔ سرسیّد احمد خاں صاحب نے اس روایت کو قبول کیا ہے اور وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان میں بھی یہی رسم ہے۔

لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اگر عیسٰیؑ کا کوئی باپ ہوتا تو قرآن میں جا بجا عیسٰیؑ بن مریمؑ نہ کہا جاتا بلکہ اس ابنیت کا تعلق باپ سے ظاہر کیا جاتا۔ دوسرے جناب مریمؑ کو خداوندِ عالم صدیقہ کا لقب نہ دیتا۔ ان کی طہارت اور اصطفا کا ذکر نہ کرتا تیسرے ایسے لڑکے کو جو ناجائز طریقہ سے پیدا ہُوا ہو خدا اپنی آیت بیان نہ کرتا۔ ان کو اپنا رسول نہ بناتا۔ چوتھے یہودی اتنا سخت ہنگامہ نہ کرتے۔ پانچویں حضرت عیسٰیؑ آغوشِ مادر میں اپنی ماں کی عصمت کی گواہی نہ دیتے۔ یہودیوں کو چونکہ حضرت عیسٰیؑ سے سخت عداوت تھی اور وُہ ان کو خدا کا رسول نہیں مانتے تھے اس بنا پر انہوں نے یہ جھُوٹی روایت گڑھ لی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب یہ ولادت بحکمِ خداوندا اور بارادۂ الٰہی ہوئی تھی تو پھر حضرت مریمؑ نے یہ کیوں کہا، کاش میں مرجاتی

جواب یہ ہے کہ یہ صرف اس ہنگامہ آرائی کے خوف سے کہا گیا جو یہودی بچہ کو دیکھ کر کرنے والے تھے اور یہ بھی دھڑکا تھا
کہ یہودی ان کی پیش کردہ صفائی کو قبول کریں گے یا نہیں۔

حضرت مریمؑ کی پریشانی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اوّل تو کنواری لڑکی پھر خاندانِ نبوّت سے۔ پھر عام عورتوں کی سی
ولادت نہیں اس وقت وہ ایک سخت کش مکش میں مبتلا تھیں۔ وہ تو جانتی تھیں کہ جو کچھ ہوا ہے حکم خدا سے ہوا ہے لیکن
لوگ تو اس کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ان کی زبانِ طعن وطنز تو کھلنی ضرور تھی۔ پھر کوئی ان کا شریکِ حال نہ تھا۔ اکیلی ایک
لق و دق میدان میں بچہ کو لیے بیٹھی تھیں۔ سوچ رہی ہوں گی کیا کروں۔ اسے لے کر پھر بیت المقدس میں جاؤں یا کہیں اور۔
ممکن ہے بیت المقدس والے نگہبان مجھے داخل نہ ہونے دیں یہ تو زخم پر اور نمک پاشی ہوگی۔ غرض ایک سر اور
ہزار سودے کا مصداق بنی ہوئی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب بیت المقدس کے اندر حضرت مریمؑ کو دردِ زہ عارض ہوا تو آپ نے چاہا کہ اسی حجرہ میں
بچہ پیدا ہو جس میں عبادت کرتی تھیں تو ایک آواز آئی اے مریم یہ جائے عبادت ہے نہ کہ جائے ولادت۔ اس کی وجہ
یہ تو نہیں ہو سکتی کہ معاذ اللہ حضرت عیسٰیؑ کی ولادت سے جو کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے بیت المقدس کی تقدیس میں کوئی فرق
آجاتا بلکہ غالباً یہ وجہ ہو کہ عیسائیوں کو ان کے ابن اللہ ہونے کا ایک بیّن ثبوت مل جاتا۔ ورنہ خاصانِ خدا کے خانۂ خدا
میں پیدا ہونے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی۔

فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَ
هُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِىۡ
وَاشۡرَبِىۡ وَقَرِّىۡ عَيۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِىۡۤ اِنِّىۡ
نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ۚ ﴿۲۶﴾ فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا
تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـًٔـا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا
كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ۖ ﴿۲۸﴾

تب جبرئیل نے مریم کے پائنتی طرف سے آواز دی کہ تم کڑھو نہیں۔ دیکھو تو تمہارے پروردگار نے تمہارے

نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور خرمے کے درخت کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر پکے پکے تازے خرمے
جھڑ پڑیں گے انہیں کھاؤ اور چشمہ کا پانی پیؤ اور (دیدار فرزند سے) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اگر تم کسی
آدمی کو دیکھو (اور وہ تم سے کچھ پوچھے) تو تم (اشارہ سے) کہہ دو میں نے خدا کے واسطے روزہ کی نذر کی ہے
تو میں آج ہرگز کسی سے بات نہیں کر سکتی۔ پھر مریم لڑکے کو گود میں لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں
وہ لوگ (دیکھ کر) کہنے لگے اے مریم تم نے تو یہ یقیناً بُرا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی
بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔

بعض مفسرین نے فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ جبرئیل نے نیچے کی طرف سے کہا اور ثبوت
یہ دیا ہے کہ مریمؑ بلند مقام پر تھیں۔ یہ اونچے نیچے کی بات تو کان کو نہیں لگتی۔ نیچے سے آواز دینے سے کیا مصلحت
تھی اور اگر اوپر سے دیتے تو کیا خرابی تھی۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ پائنتی کی جانب سے یعنی مریمؑ کے سامنے ہو کر کہا۔
چونکہ ولادت کے بعد عورت کو بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی اس لیے جناب مریمؑ پریشان تھیں کہ پانی
اور غذا کہاں سے آئے۔ لہٰذا فرشتہ نے ان سے کہا آپ پریشان نہ ہوں تمہارے رب نے تمہارے پیروں کے نیچے
چشمہ جاری کر دیا ہے۔ چنانچہ جب مریمؑ نے دیکھا تو پیروں کے نیچے چشمہ پھوٹ نکلا۔ رہا غذا کا معاملہ تو
اس کے متعلق بتایا گیا کہ جس درختِ خرما کے پاس بیٹھی ہو اگرچہ یہ خشک درخت ہے مگر اس کی جڑ پر ہاتھ رکھ کر ہلاؤ،
تو تازے تازے خرمے گرنے لگیں گے۔ چنانچہ مریمؑ کا ہاتھ جڑ پر آنا تھا کہ وہ سرسبز ہو کر تازہ خرمے گرانے لگا۔
وہ انہوں نے کھائے اور چشمہ کا پانی پی کر سیر و سیراب ہو گئیں۔ کھاتے ہی چھاتی میں دودھ بھی پیدا ہو گیا۔ پیار سے
بچہ کو دودھ پلانے لگیں۔

کتنا فرق ہے حضرت عیسٰیؑ اور حضرت علیؑ میں۔ حضرت عیسٰیؑ کی ولادت بیت المقدس کے باہر ہوئی اور حضرت علیؑ
کی خانۂ کعبہ کے اندر۔ حضرت عیسٰیؑ کی پہلی غذا جو ان کی ماں کی چھاتی میں پیدا ہوئی دنیوی درخت کے ایک پھل سے تھی لیکن
حضرت علیؑ کی سب سے پہلی غذا لعابِ دہن رسولؐ تھی۔ مادرِ جناب عیسٰیؑ کے لیے جنّت سے میوے نہیں آئے لیکن
مادرِ جناب امیر المومنین کے لیے جنّت کے میوے آئے۔

لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ معجزات کا تعلق صرف انبیاءؑ سے ہے۔ کیونکہ واقعات بتا رہے ہیں کہ باوجود عورت
اور غیر نبی ہونے کے حضرت مریمؑ سے معجزہ کا اظہار ہوا۔ مثلاً سوکھے درخت کا ہرا ہونا۔ چشمہ کا پیدا ہونا۔ چشم زدن
میں درخت میں پھل آنا اور پکے ہو کر جناب مریمؑ کے دامن میں گرنا۔

بہرحال جب جناب مریمؑ حضرت عیسٰیؑ کو لے کر چلیں تو حکم خدا تھا کہ اگر کوئی آدمی تم سے ولادتِ فرزند
کے متعلق بات چیت کرنا چاہے تو زبان سے کچھ نہ کہنا۔ اشارہ سے بتا دینا کہ میں نے چُپ کا روزہ رکھا ہے۔ آج میں

کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ مقصد یہ تھا کہ اب اس معاملہ میں تم اپنی زبان سے کچھ نہ کہو۔ جو کوئی اعتراض کرے گا اس کی جواب دہی ہمارے ذمّہ ہے۔ بنی اسرائیل میں چُپ روزہ رکھنے کا طریقہ جاری تھا۔ جب کوئی امر اہم پیش آجاتا تو وہ چُپ روزہ رکھتے تھے۔ جناب مریمؑ کا روزہ اظہارِ تشکّر کی بنا پر تھا کہ خدا نے ان کو ایک امر اہم سے نجات بخشی۔ اسلام میں چُپ روزہ جائز نہیں۔

جب بچہ کو مریمؑ گود میں لے کر چلیں تو یہودی راہبوں وغیرہ نے انہیں آگھیرا اور کہنے لگے، اے ہارُن کی بہن یہ تو بہت بُری بات تم سے عمل میں آئی۔ ہارون کی بہن کے متعلق مفسّرین میں اختلاف ہے۔

(۱) ہارون بنی اسرائیل میں ایک بدکار آدمی تھا۔

(۲) چونکہ جناب مریمؑ اولادِ ہارونؑ سے تھیں لہٰذا بطورِ طنز کہا گیا کہ ایسے جلیل القدر خاندان کی لڑکی ہو کر تم نے یہ کام کیوں کیا۔ عرب میں یہ طریقہ ہے کہ کسی خاندان کی طرف نسبت دے کر کسی کو پکارتے تھے۔ مثلاً یا اخا ہمدان (اے ہمدانی بھائی) پس لوگوں کا یہ کہنا "اے ہارون کی بہن" انہیں شرمانے کے لیے تھا۔

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ قف آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ص وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ز وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ج قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ لا سُبْحَانَهُ ط إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۵﴾ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ط هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۳۶﴾

حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا (کہ جو پوچھنا ہے اس سے پوچھ لو) انہوں نے کہا

بھلا ہم گود کے بچہ سے کیونکر کلام کریں (اس پر وہ بچہ بقدرتِ خدا خود ہی) بول اٹھا، میں بے شک خدا کا بندہ ہوں مجھے اُس نے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے۔ اور جہاں کہیں میں رہوں مجھے صاحبِ برکت بنایا ہے اور جب تک زندہ رہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کی ہے اور والدہ کا فرماں بردار رہنے کی اور مجھے سرکش اور نافرمان نہیں بنایا (اور خدا کی طرف سے) جس دن پیدا ہُوا ہوں اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اُٹھا کھڑا کیا جاؤں گا خدا کا مجھ پر سلام ہے۔ یہ ہے مریم کے بیٹے عیسیٰ کا سچّا قصہ جس میں لوگ خواہ مخواہ شک کیا کرتے ہیں، خدا کے لیے کسی طرح سزاوار نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ اس سے پاک ہے۔ وہ تو جب کسی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا بس وہ شے ہو جاتی ہے۔ بیشک اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، پس اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں شیطان کا بندہ نہیں یعنی زنازادہ نہیں جیسا کہ لوگ گمان کرتے ہیں۔ دوسرے صاحبِ کتاب ہوں یعنی رسول ہوں۔ تیسرے نبی ہوں۔ چوتھے میں جہاں کہیں رہوں گا اللہ کی برکت میرے ساتھ رہے گی۔ اللہ کا بندہ کہہ کر نصاریٰ کے اس عقیدہ کی تردید کر دی کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ رسول و نبی کہہ کر یہودیوں کے اس عقیدہ کا ابطال کر دیا کہ عیسیٰؑ پیغمبر نہیں۔ مبارک کہہ کر یہودیوں کے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا جو کہتے تھے ان کا وجود بنی اسرائیل کے لیے باعثِ نحوست ہے۔ خدا فرماتا ہے عیسیٰؑ کے بارہ میں لوگ خواہ مخواہ شک میں پڑے ہُوئے ہیں اور انہیں اللہ کا بیٹا سمجھ کر امرِ حق سے عدولی کر رہے ہیں۔ خدا کا کوئی بیٹا نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے نہ اس کی بی بی ہے نہ بیٹا نہ کوئی کنبہ۔ اب رہا عیسیٰؑ کا بے باپ کے پیدا کرنا تو خدا کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ اس بات کا محتاج نہیں کہ ہر شے کو اسباب و وسائط سے پیدا کرے بلکہ جب وہ کسی مخلوق کی خلقت کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے "ہو جا" بس وہ ہو جاتی ہے۔ ایسی مخلوق عالمِ امری کی مخلوق کہلاتی ہے۔ خدا کی طرف جانے کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ج فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۳۷﴾ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ لا يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۳۸﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ م وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۹﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ

عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ پس جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ان کے لیے بڑے سخت دن میں (قیامت) خدا کے سامنے حاضر ہونے سے خرابی ہوگی۔ جس دن یہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے کیا کچھ سنتے اور دیکھتے ہوں گے مگر آج تو ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں (اے رسول) تم ان کو حسرت اور افسوس کے دن سے ڈراؤ جب قطعی فیصلہ کر دیا جائے گا اس وقت تو یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ایک دن زمین اور جو کچھ اس پر ہے اس کے وارث و مالک ہم ہی ہوں گے اور سب ہماری طرف لوٹ کر جائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں اختلافی صورتیں پیدا ہوئیں۔ یہودیوں نے ان کی نبوت سے انکار کیا، عیسائیوں نے انہیں خدا کا بیٹا کہا اور مسلمانوں نے انہیں خدا کا رسول کہا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۥ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿۴۲﴾ يٰاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾

(اے رسول) قرآن میں ابراہیم کا بھی ذکر کرو وہ بڑے سچے نبی تھے (وہ وقت یاد کرو) جب انہوں نے

اپنے (منہ بولے) باپ سے کہا اے باپ آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ کچھ آپ کے کام ہی آسکتے ہیں۔ باباجی میرے پاس (خدا کی طرف سے) وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا پس آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھی راہ دکھا دوں گا۔ باباجی شیطان کی عبادت نہ کیجئے بے شک شیطان خدا کا نافرمان بندہ ہے۔ باباجی میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہیں خدا کا عذاب آپ پر نازل نہ ہو جائے اور آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں (آذر نے) کہا، اے ابراہیم کیا تم ہمارے خداؤں سے نفرت کرتے ہو۔ اگر تم باز نہ آؤ گے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔ میرے پاس سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاؤ۔

آذر، حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ آپؑ کے والد کا نام تارخ تھا۔ چونکہ تارخ انتقال کر گئے تھے اس لیے حضرت ابراہیمؑ، آذر کی پرورش میں آگئے تھے۔ کسی نبی کا باپ کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ عہدۂ نبوت کی توہین ہے۔ آذر بت تراش تھا وہ نہ صرف کافر تھا بلکہ کافر گر تھا۔ اس کے یہاں بت سازی کی فیکٹری تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہر چند سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ جرأت دیکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ تمام قوم کافر تھی اور ان کے ساتھ وہ چچا بھی تھا جس کی پرورش میں تھے مگر پھر بھی امر حق کی تبلیغ سے نہ رکتے تھے اور پوری قوت سے اس کی مخالفت کرتے رہتے تھے شیطان کی لوگ عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن اس کے بہکانے میں آکر بتوں کی عبادت کرتے تھے پس یہ بھی بالواسطہ شیطان ہی کی عبادت تھی۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع

حضرت ابراہیم نے کہا (اچھا لو میں تو چل دیا) سلام میں تیرے لیے اپنے رب سے مغفرت کی دُعا کروں گا بیشک وُہ میرے اوپر بڑا مہربان ہے۔ میں تم کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان بتوں کو بھی جن کی خدا کو چھوڑ کر تم لوگ پُوجا کرتے ہو اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ امّید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت سے محرُوم نہ رہوں گا غرض جب ابراہیم نے ان لوگوں کو اور جن کی عبادت کرتے تھے ان کو چھوڑ دیا تو ہم نے انہیں اسحٰق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا اور ہم نے سب کو نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت سے کچھ عنایت فرمایا اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان علی کو عطا کیا۔

اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک کافر کے لیے سلام علیک کیوں کہا یعنی سلامتی کیوں چاہی؟ جواب یہ ہے کہ عام طریقہ یہی ہے کہ چلتے وقت کہا کرتے ہیں اچھا سلام، یعنی میں چل دیا۔ اس سے سلامتی مقصود نہ تھی بلکہ رخصت کا اظہار تھا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ایک کافر کے لیے دُعائے مغفرت کا وعدہ کیوں کیا۔ جواب یہ ہے کہ یا تو یہ اس لیے ہے کہ پرورش کے سلسلہ میں جو احسان آذر نے ان پر کیے تھے اس کے صلہ میں فرمایا۔ قبول کرنا یا نہ کرنا خدا کے اختیار میں تھا۔ انہوں نے بطور شکریہ یہ جملہ کہہ دیا۔ یا پھر یہ اس کے قبولِ ایمان کے متعلق تھا یعنی میں خدا سے دُعا کروں گا کہ اسے قبولِ ایمان کی توفیق دے کر اس کے گناہ بخش دے۔

وَجَعَلۡنَا لَہُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا (مریم ۱۹/۵۰) کا ترجمہ مفسّروں نے مختلف کیا ہے۔

(۱) ہم نے ان کو سچی نام وری عطا کی۔

(۲) ہم نے ان کے لیے اعلیٰ درجہ کا ذکرِ خیر دُنیا میں بھی قرار دیا۔

(۳) ہم نے ان کے لیے ایک سچی بلند آواز عطا کی۔

اکثر مفسّرین نے مؤخر الذکر ترجمہ کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ بلند زبان ہونا کوئی تعریف نہیں، نہ عرفِ عام میں ایسا کہا جاتا ہے۔ بلند زبان کہنا تو صاحبِ زبان کی توہین ہے۔

حضرت ابراہیمؑ جب خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے تو جہاں اور کئی دُعائیں کی تھیں ایک دُعا یہ بھی تھی کہ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ (۲۶/۸۴) یعنی میرے لیے آخر زمانہ میں ایک سچی زبان عطا کر۔ آخری زمانہ سے مراد نبوّت کا آخری زمانہ ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی نبوّت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک سچی زبان قرار دے۔

تفسیرِ صافی میں بحوالہ تفسیر قمی امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیہ وَوَہَبۡنَا لَہُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَجَعَلۡنَا لَہُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا۔ میں دو جگہ لہم آیا ہے اور اس ضمیر ھُم کا مرجع

حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ علیہم السّلام ہیں اور ساری آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کو اپنی رحمت سے اپنا رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا کیا۔ اور اُن کے لیے سچّائی کی زبان علی بن ابی طالب کو مقرر کیا (اس کی مزید توضیح القرآن المبین ترجمہ مولانا امداد حسین صاحب کاظمی مطبوعہ انصاف پریس لاہور میں ملاحظہ کیجئے)۔

پس آیۂ مذکورہ وَجَعَلۡنَا لَہُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا۔ (۱۹/۵۰) میں عَلِیًّا صفت نہیں ہے بلکہ اسم معرفہ ہے یعنی علیؑ بن ابی طالب مراد ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نبوّت کے آخری دور میں جب جھوٹ کی کثرت ہو گی اور کتابِ خدا کی غلط تاویلیں اور غلط معانی بیان ہونے لگیں گے تو اس وقت ایک سچی زبان (علیؑ) ان کو صحیح معانی و مطالب بتانے کے لیے موجود ہونی چاہیئے اور ان کے بعد ہر زمانہ میں ایک سچی زبان موجود رہے گی۔ حضرت ابراہیمؑ بابل سے نکل کر کوہستان فارس میں چلے گئے اور وہاں سات برس تک رہے۔ اس کے بعد پھر بابل میں آ گئے اور بتوں کو توڑا پھوڑا۔ اسی زمانہ میں نمرود کی آگ میں پھینکے گئے جو ان پر گلزار بن گئی۔ اس کے بعد حبران پہنچے اور حضرت سارہؑ سے نکاح کیا۔ کچھ دن بعد وہاں سے سارہؑ اور اُن کے بھائی لُوطؑ کو ساتھ لے کر مُلک شام پہنچے۔

وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ مُوۡسٰۤی ۫ اِنَّہٗ کَانَ مُخۡلَصًا وَّ کَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَیۡنٰہُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنِ وَقَرَّبۡنٰہُ نَجِیًّا ﴿۵۲﴾ وَوَہَبۡنَا لَہٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ نَبِیًّا ﴿۵۳﴾ وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِسۡمٰعِیۡلَ ۫ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَکَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّا ﴿۵۴﴾ وَکَانَ یَاۡمُرُ اَہۡلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ ۪ وَکَانَ عِنۡدَ رَبِّہٖ مَرۡضِیًّا ﴿۵۵﴾ وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِدۡرِیۡسَ ۫ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعۡنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ ٭ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۫ وَّمِنۡ ذُرِّیَّۃِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡرَآءِیۡلَ ۫ وَمِمَّنۡ ہَدَیۡنَا وَاجۡتَبَیۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُ الرَّحۡمٰنِ

خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدة

السجدة ۵

(اے رسول) قرآن میں موسیٰ کا ذکر کرو وُہ میرا خالص بندہ اور صاحبِ شریعت نبی تھا ہم نے ان کو طور کے دامن کی طرف سے آواز دی اور ہم نے انہیں راز کی باتیں کرنے کے لیے قریب بُلایا اور ہم نے ان کو اپنی خاص مہربانی سے ان کے بھائی ہارون نبی کو عنایت فرمایا۔ اور اس کتاب (قرآن) میں اسمٰعیل کا ذکر کرو وُہ وعدہ کے سچّے تھے اور بھیجے ہوئے پیغمبر تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کیا کرتے تھے اور خدا کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ اور کتاب میں ادریس کا ذکر کرو وُہ بڑے سچّے نبی تھے۔ ہم نے ان کو بلند کر کے اونچی جگہ پہنچا دیا۔ یہ انبیاءؑ جنہیں خدا نے اپنی نعمت دی آدم کی اولاد سے ہیں جنہیں ہم نے (طوفان کے وقت) کشتی میں سوار کر لیا تھا اور ابراہیم و یعقوب کی اولاد سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت کی اور منتخب کیا جب ان کے سامنے خدا کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو سجدہ میں روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔

رسول کا درجہ نبی سے اونچا ہوتا ہے لیکن یہاں دو نبیوں کے لیے رَسُوۡلًا نَّبِيًّا کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا اطلاق فرشتہ پر بھی ہوتا ہے لہٰذا اس شبہ کو دُور کرنے کے لیے نبی ساتھ میں رکھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ رسول نبی تھا فرشتہ نہ تھا۔

حضرت اسمٰعیلؑ بڑے صادق الوعد تھے جس سے جو وعدہ کر لیتے تھے اُسے بغیر پُورا کیے نہ رہتے تھے۔

حضرت ادریسؑ حضرت آدمؑ کی پانچویں پشت میں تھے اور حضرت نوحؑ کے پردادا تھے۔ آپؑ پر بہت سے صحیفے نازل ہوئے۔ فنِ کتابت، علمِ نجوم، علمِ حساب، علمِ ہیئت اور فنِ خیاطت ترازو اور پیمانہ کے موجد ہیں۔ ہمیشہ روزہ رکھنے اور اتنی عبادت کرتے تھے کہ فرشتوں کو حیرت ہوتی تھی۔ خدا نے آپؑ کو آسمان پر اُٹھا لیا تھا۔

ان انبیاءؑ کا سلسلہ نسل آدم علیہ السلام سے چلا۔ طوفانِ نوحؑ میں ان کے آباؤ اجداد کشتیٔ نوحؑ میں تھے۔ جب طوفان ختم ہُوا تو ان کی نسل سے حضرت ابراہیمؑ ہوئے اس سے آگے جو سلسلہ چلا اس کا ذکر آیت میں ہے۔

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ

الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدۡنِ اۨلَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا‌ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلۡكَ الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

ان کے بعد کچھ ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی، عنقریب ہی یہ لوگ اپنی گمراہی کی سزا بھگتیں گے مگر ہاں جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے وہ سدا بہار باغوں میں رہیں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اپنی جنّتوں کا خدا نے ان سے غائبانہ وعدہ کر لیا ہے بیشک اس کا وعدہ آنے والا ہے لوگ وہاں سلام کے سوا کوئی بیہودہ بات سُنیں گے ہی نہیں، وہاں صبح و شام ان کے لیے ان کا کھانا تیار رہے گا یہی وہ جنّت ہے کہ ہمارے بندوں میں سے جو پرہیزگار ہو گا ہم اُسے اس کا وارث بنائیں گے۔

ابنِ عبّاسؓ کا قول ہے کہ جن لوگوں نے نمازیں پڑھنی چھوڑیں اور شہواتِ نفسانی میں مبتلا ہوئے ان سے مراد یہودی ہیں۔ انہوں نے انبیاء علیہم السّلام کی نسلوں کو تباہ کیا۔ جب نماز چھُوٹی تو خدا سے بھی ترکِ تعلق ہُوا۔ اس کے بعد شیطان کو اپنے جال میں پھانسنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ میری ہجرت کے سات سال بعد پیدا ہو گئے اور جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے واسطے بڑی مضبوط عمارتیں بنوائیں گے اور قیمتی گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔ یہ بنی امیّہ کا زمانہ تھا جنہوں نے اُسوۂ رسولؐ کو ترک کر کے قیصر و کسریٰ کے طرزِ زندگی کو اختیار کیا اور خلافتِ الٰہیہ کو ملوکیت کے قالب میں لا ڈھالا نتیجہ یہ ہُوا کہ نام کے مسلمان تو رہ گئے مگر اسلام غائب ہو گیا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ‌ۚ لَهٗ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا وَمَا بَيۡنَ ذٰلِكَ‌ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا‌ ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

فرشتوں نے کہا (اے رسول) ہم آپکے پروردگار کے حکم کے بغیر (دُنیا میں) نازل نہیں ہوتے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے سب کچھ اُسی کا ہے اور تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے سارے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا مالک وہی ہے پس تم اسی کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہو بھلا تمہارے علم میں کوئی اس کا ہم نام بھی ہے اور بعض آدمی (اُبیّ بن خلف) تعجب سے کہا کرتے ہیں کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر جیتا جاگتا قبر سے نکالا جاؤں گا۔ کیا وُہ آدمی اس کو یاد نہیں کرتا کہ اس کو اس سے پہلے ہم نے پیدا کیا جبکہ وُہ کچھ بھی نہ تھا۔

یہودیوں نے کفّارِ قریش سے کہا کہ محمدؐ سے ایسا سوال کرنا چاہئیے جس کا جواب وُہ دے ہی نہ سکیں۔ اس صُورت میں ہم کو ان کا مذاق اڑانے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ یہودیوں نے کہا ان سے جاکر پوچھو کہ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کون تھے اور ان کا قصّہ کیا ہے۔ چنانچہ جب یہ سوال کیا گیا تو حضرتؐ خاموش رہے اور وحی کا انتظار کیا۔ اس پر کفّار نے طعنہ زنی شروع کر دی، کہنے لگے محمدؐ کو خدا نے چھوڑ دیا اب وہ انہیں کچھ نہیں بتاتا جب جبریلؑ وحی لے کر آئے تو آپؐ نے تاخیر کا سبب پوچھا، انہوں نے کہا ہم حکم خدا کے پابند ہیں جب وُہ حکم دیتا ہے تب نازل ہوتے ہیں۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا

كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾

(اے رسول) تمہارے پروردگار کی قسم ہم اُن کو اور شیاطین کو جمع کریں گے پھر ہم ان سب کو جہنّم کے گرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے پھر ہم ہر گروہ میں سے ایسے لوگوں کو الگ نکال لیں گے جو دنیا میں خدا سے اَوروں کی نسبت زیادہ اکڑے پھرتے تھے۔ پھر جو لوگ جہنّم میں جھونکے جانے کے زیادہ سزاوار ہیں ہم ان سے خوب واقف ہیں۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنّم پر سے نہ گزرے (کیونکہ پُل صراط اسی پر ہے) یہ تمہارے پروردگار کا حتمی و لازمی وعدہ ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو گھٹنوں کے بل اس میں چھوڑ دیں گے۔ جب ہماری روشن آیات ان کے سامنے پڑھی گئیں تو جو لوگ کافر ہیں ایمان والوں سے پُوچھتے ہیں ہم دونوں میں سے کون زیادہ بہتر ہے اور کس کی محفل زیادہ اچھی ہے۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنّم پر جو پُل صراط قائم ہوگا اُس پر سے گزرنا تو سب ہی کو پڑے گا جو نیک ہوں گے وہ نہایت تیزی کے ساتھ اس پر سے گزر جائیں گے جو بد ہوں گے وہ اس میں اِدھر اُدھر کٹ کٹ کر گریں گے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

حالانکہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا جو ان سے ساز و سامان اور ظاہری نمود میں کہیں زیادہ اچھے تھے۔ اے رسول کہدو جو گمراہی میں پڑا ہے خدا اس کو ڈھیل ہی دیتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے عذاب یا قیامت تو اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ رُتبہ میں کون بدتر ہے اور یہ کہ جتھے کے لحاظ سے کون کمزور ہے۔ جو لوگ راہِ راست پر ہیں خدا ان کی ہدایت کو اور زیادہ کرتا جاتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تو تمہارے پروردگار کے نزدیک بلحاظ ثواب بھی بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے بھی۔ اے رسول، تم نے اس شخص پر بھی نظر کی جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور کہنے لگا (اگر قیامت ہوگی تو بھی) مجھے مال اور اولاد ضرور ملے گی۔ کیا اسے غیب کا حال معلوم ہو گیا ہے یا اس نے خدا سے عہد و پیمان لے رکھا ہے، ہرگز نہیں۔ جو کچھ یہ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیتے ہیں اور اس کے لیے اور زیادہ عذاب بڑھاتے ہیں اور اولاد کے متعلق جو کچھ بک رہا ہے ہم ہی اس کے مالک ہوں گے اور یہ تو ہمارے پاس تن تنہا آئے گا۔

باقیات الصالحات وہ چیزیں ہیں جو مرنے کے بعد انسان کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً مسجد بنوانا، کنواں کھدوانا، کوئی سڑک بنوانا، سرائے یا پُل بنوانا وغیرہ۔

کفار و مشرکین میں جو لوگ مالدار تھے جب ان سے قیامت کا ذکر ہوتا تو ازراہِ تمسخر مسلمانوں سے کہتے تھے جس طرح ہمیں مال و اولاد میں تمہارے اوپر یہاں فوقیت ہے قیامت میں بھی ہوگی۔

مروی ہے کہ عاص بن وائل نے خبابؓ بن ارت صحابی رسولؐ سے کچھ قرض لیا تھا اور دینے میں نہ آتا تھا جب خبابؓ نے زیادہ تقاضا کیا تو اس نے کہا کیا تمہارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ بہشت میں سونا، چاندی، ریشمی پوشاکیں غرض سب کچھ

ملے گا انہوں نے کہا بے شک ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ عاص نے کہا تو بس میں وہیں تمہارا قرضہ چکا دوں گا۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور عذاب کی خبر دی گئی۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾

ع ۵ ۸ وقف لازم

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنایا تاکہ انہیں عزت حاصل ہو۔ (ہرگز نہیں ہوگی) بلکہ ان کے معبود ان کی عبادت سے انکار کریں گے اور وہ ان کے دشمن بن جائیں گے (اے رسول) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑ رکھا ہے تاکہ وہ ان کو خوب بہکائیں۔ (اے رسول) تم ان کے معاملہ میں جلدی نہ کرو ہم تو ان کے لیے عذاب کے دن گن رہے ہیں۔ قیامت کے دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی یعنی اپنی طرف مہمانوں کی طرح جمع کریں گے اور مجرموں کو جہنّم کی طرف ہنکائیں گے۔ یہ لوگ وہاں شفاعت کے بھی مالک نہ ہوں گے بلکہ وہی شفاعت کر سکیں گے جنہوں نے خدا سے اجازت لے لی ہو۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمان خدا نے (عُزیر) نبی کو بیٹا بنا لیا ہے (اے رسول کہدو) تم نے اتنی سخت بات کہی ہے

شیاطین کو کافروں کے بہکانے کے لیے معیّن کرنا بظاہر یہ بتاتا ہے کہ خدا خود لوگوں کو بہکوانا چاہتا ہے بات یہ ہے کہ جو لوگ کفر میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور کسی طرح ایمان کی طرف آنا ہی نہیں چاہتے تو خدا نے ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لی اور ان کو شیاطین کے حوالے کر دیا کہ اور زیادہ گناہ کریں تاکہ وہ سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہوں

قیامت میں کسی کو اجازت نہ ہوگی کہ کسی گنہگار کی سفارش کرے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے سفارش کرنے کی اجازت لے لی ہو اور وہ محمد و آلِ محمدؐ ہیں۔

یہودیوں نے عزیرؑ نبی کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ کم بختوں نے کیسی سخت بات کہی ہے کہ (تفصیل آگے آئے گی)

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

(اس سخت کلمہ سے کہ خدا کے بیٹا ہے) قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں لوگوں نے خدا کے لیے بیٹا قرار دیا حالانکہ خدا کے لیے کسی طرح شایاں نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ آسمان و زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ خدا کے سامنے بندہ ہی بن کر آنے والی ہیں۔ خدا نے ان سب کو اپنے علم کے احاطہ میں گھیر لیا ہے اور ان کو گن لیا ہے۔ روز قیامت سب کے سب اس کے سامنے اکیلے آئیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں خدا ان کی محبت لوگوں کے دل میں پیدا کر دے گا (اے رسول) قرآن کو تمہاری (عربی) زبان میں اس لیے نازل کیا ہے کہ تم اس سے پرہیزگاروں کو بشارت دو اور جھگڑالو قوم کو (عذابِ خدا سے) ڈراؤ۔ ہم نے ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر ڈالا

بھلا ان میں سے تم کسی کو دیکھتے ہو یا ان کی کچھ بھنک ہی سنتے ہو۔

لوگوں کے لیے بیٹا تو اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ بڑا ہو کر ان کا مددگار ہوگا۔ بھلا خدا کو اس کی کیا ضرورت۔ وہ نہ کسی کی مدد کا محتاج ہے نہ کسی کے مشورہ کا۔ جن لوگوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہا (یہودی) یا حضرت عیسٰیؑ کو ابن اللہ کہا (نصارٰی) انہوں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا اور وحدہٗ لاشریک خدا کے متعلق بڑی سخت بات کہی۔ مابین آسمان و زمین جتنی مخلوق پائی جاتی ہے وہ سب خدا کی مخلوق ہے وہ ایک ایک کو جانتا ہے۔ قیامت میں سب اس کے بندے بن کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔

جو لوگ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں خدا ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے تاکہ ان کی دوستی سے وہ بھی اعمالِ صالح بجا لاتے رہیں اور ایمان پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

تفسیر درمنثور سیوطی و مواہب لدنیہ اور صواعق محرقہ میں ہے کہ دیلمی نے براء سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علی، کہو خدا دنیا میں اپنی بارگاہ سے میرے لیے عہد و پیمان اور محبت قرار دے اور مومنین کے دل میں میری محبت قائم کرے۔ چنانچہ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابنِ عباسؓ سے بھی یہی روایت منقول ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام سے محبت کرنا جزوِ ایمان ہے۔ صاحب ارجح المطالب نے یہ حدیثِ رسولؐ نقل کی ہے۔ اے علی اگر کوئی شخص اتنی عبادت کرے جتنے دن نوحؑ اپنی قوم میں رہے (۹۵۰ برس) اور کوہ اُحد کے برابر سونا راہِ خدا میں دے اور پا پیادہ ایک ہزار حج کرے اور صفا و مروہ کے درمیان مظلوم قتل کیا جائے اور اے علی اگر وہ تمہاری محبت نہ رکھتا ہو تو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں ؎

اِلٰی مَا اُلَامُ وَحَتّٰی مَتٰی
اُعَاتِبُ فِیْ حُبِّ ھٰذَا الْفَتٰی
فَھَلْ زُوِّجَتْ فَاطِمَۃُ غَیْرَہٗ
وَفِیْ غَیْرِہٖ ھَلْ اَتٰی ھَلْ اَتٰی

اس جوان کی محبت میں مجھے کب تک لوگ ملامت کریں گے۔ کیا فاطمہؑ کا شوہر ان کے سوا کوئی اور ہے کیا ان کے سوا کسی اور کی شان میں بھی سورہ ھل اتٰی نازل ہوا ہے

---

۲۰ سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ ۴۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰہٰ ۞ ۱ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ۞ ۲ اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۞ ۳ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۞ ۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۞ ۵ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۞ ۶ وَاِنْ تَجْہَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ۞ ۷ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۞ ۸ وَہَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ۞ ۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَہْلِہِ امْکُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْہَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ہُدًی ۞ ۱۰

وقف لازم

(اے طٰہٰ لقبِ رسول) ہم نے قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم اپنے کو مشقت میں ڈالو۔ یہ تو نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو خدا سے ڈرتا ہے۔ یہ اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین کو پیدا کیا اور بلند آسمانوں کو بھی وہ رحمٰن ہے جو عرش (کی سلطنت پر) حکمران ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے وہ سب اسی کا ہے (وہی سب کا مالک ہے) اگر تم پکار کر بات کرو (تو کیا) وہ تو ہر بھید اور چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے نام اچھے ہیں۔ (اے رسول) تم تک موسٰیؑ کی خبر بھی پہنچی جب

انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا یہیں ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے کیا عجب کہ میں اس میں سے ایک انگارہ تمہارے لیے لے آؤں یا آگ کے پاس جاکر راستہ کا پتہ چلاؤں۔

طٰہٰ حضرت رسولِ خداؐ کا لقب خدا کا دیا ہوا ہے جس کے معنی ہیں اے میرے طیّب و طاہر بندے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ ابتدائے رسالت میں بڑی سخت عبادت کرتے تھے۔ شب و روز اس عبادت کا سلسلہ جاری رہتا تھا یہاں تک کہ آپؐ کے پائے اقدس پر ورم آجاتا تھا۔ جسم میں درد رہتا تھا مگر آپؐ عبادت میں کمی نہ کرتے تھے۔ دس سال اسی حالت میں گزرے لہٰذا اس سورہ میں خدا نے سب سے پہلے رسولؐ کو اتنی زیادہ عبادت سے روکا ہے۔ فرمایا ہے، اے رسولؐ یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا جا رہا کہ تم اپنے کو اتنی مشقت میں ڈالو۔

عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کا یہ مطلب نہیں کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے کیونکہ اس کے لیے کوئی مکان نہیں کوئی چیز اُسے احاطہ نہیں کر سکتی۔ یہاں عرش سے مراد تمام کائنات ہے یعنی وہ تمام کائنات پر اپنا حکم چلا رہا ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کائنات کو پیدا کر کے معطل ہو بیٹھا ہے بس اب کچھ نہیں کرتا۔ یہ عقیدہ کھلا کفر ہے وہ معطل نہیں بلکہ اس کا حکم جاری و ساری ہے اور تمام کائنات اس کے اقتدار کے تحت ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ منجملہ اس کی مخلوق کے عرش بھی ہے جب اس پر حکمران ہے تو تمام کائنات پر حکمران ہے۔ بالاشرکت غیرے اس کی یہ حکومت تمام عوالم پر قائم ہے اٹھارہ ہزار عالم اس کے بنائے ہوئے ہیں اور اس کے زیرِ حکم ہیں۔ وہ ہر مخفی بات کو جانتا ہے چاہے وہ کہیں بھی ہو اب اس کے بعد حضرت موسٰیؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

حضرت موسٰیؑ جب مصر سے نکل کر شہر مدین پہنچے تو حضرت شعیبؑ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ دس برس ان کے پاس رہے اس کے بعد وطن لوٹنے کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ بی بی کو ساتھ لے کر پیادہ پا چل پڑے۔ وادی طور میں پہنچے تو رات نے آلیا۔ ادھر بی بی کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ اوّل تو اندھیری رات پھر سخت سردی پھر بی بی کا یہ عالم۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ بچہ پیدا ہوا تو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں سے آگ مل جائے تو تاپنے کا بندوبست کریں۔ اسی فکر میں تھے کہ طور کی طرف سے ایک درخت سے آگ کے شعلے بھڑکتے نظر آئے۔ بی بی سے کہا میں جاتا ہوں تاکہ اس آگ سے کوئی انگارہ لاکر یہاں آگ روشن کر دوں۔ غرض درخت کے قریب گئے تو ایک عجیب عالم نظر آیا کہ درخت جل رہا ہے لیکن اس کی سبزی بدستور ہے۔ زمین سے آسمان تک نُور پھیلا ہوا ہے۔ تسبیح کی آواز بھی آرہی ہے۔ ایسا خوف دل پر چھایا کہ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو یہ آواز کان میں آئی، اے موسٰی! آپ نے حیرت زدہ ہو کر کہا، اے پکارنے والے تو کون ہے؟ آواز سنتا ہوں مگر تجھے دیکھتا نہیں۔ جواب ملا، میں تیرے آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے ہر طرف ہوں تیرے نفس سے زیادہ قریب ہوں۔ سمجھے کہ یہ آواز غیر معمولی ہے۔ کہنے لگے آخر تو کون ہے۔ آواز آئی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ میں تیرا رب ہوں۔ اللہ اللہ کیسا عجیب وقت تھا کہ خدا اپنے بندہ سے کلام کر رہا تھا۔ موسٰیؑ گھبرا گئے۔ زبان کچھ کہنے کے لیے نہ کھلی۔

پھر آواز آئی فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (١٢/٢٠) لوگوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ اپنے زن و فرزند کی محبت دل سے نکال دو۔ مگر یہ تاویل کان کو نہیں لگتی۔ اگر زن و فرزند کی محبت، محبتِ خدا کے خلاف ہے تو اس کا حکم کیوں دیا گیا تاکید کیوں کی گئی ہے۔ تمام انبیاءؑ کو اس محبت سے بچایا کیوں نہیں گیا۔ بات تو اتنی ہی تھی کہ تم وادئ مقدس طویٰ میں اس وقت ہو اور خدا تم سے ہمکلام ہو رہا ہے لہٰذا عظمتِ الٰہی کا اقتضا یہ ہے کہ تعظیماً پا برہنہ ہو جاؤ۔ خدا تو خدا ہی ہے مشاہد مقابر میں جانے والے پا برہنہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مردار کھال کی جوتیاں تھیں۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک نبی مردار کھال کی جوتیاں پہنتا۔ جو لوگ جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز جانتے ہیں وہ عظمتِ الٰہی پر ایک کاری ضرب لگاتے ہیں۔

ہاں جن کا یہ خیال ہے کہ جوتیاں اتارنے سے یہ مطلب تھا کہ فی الحال زن و فرزند کا خیال دل سے نکال کر ہماری طرف متوجہ ہو تو یہ ضرور صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس وقت حضرت موسیٰؑ کے دل میں بی بی بچے ہی سمائے ہوئے تھے اور خدا نبوت کے معاملہ میں بات چیت کرنا چاہتا تھا لہٰذا ہر طرف سے خیال ہٹا کر اس کی بات سُننی چاہیئے تھی۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ﴿١١﴾ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿١٢﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴿١٣﴾ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿١٤﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿١٥﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ﴿١٦﴾

اب موسیٰؑ اور خدا کے درمیان بات چیت یوں شروع ہوئی :

جب موسیٰ وہاں آئے تو آواز آئی اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں پس اپنے جوتے اتار دو۔ کیونکہ تم وادئ مقدس طویٰ میں اس وقت ہو۔ میں نے تمہیں (نبوت کے لیے) منتخب کر لیا۔ پس جو وحی کی جا رہی ہے اُسے کان دھر کر سنو۔ بیشک میں ہی اللہ ہوں کوئی معبود نہیں مگر میں۔ لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو اور میرے ذکر سے نماز پڑھو۔ قیامت ضرور آنے والی ہے میں اُسے چھپائے رکھوں گا تاکہ ہر شخص

(اس کے خوف سے نیکی کرے اور) جیسی کوشش کی ہے اُسے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ جو شخص اُسے (دل سے) نہیں مانتا اور اپنی خواہشِ نفس کے پیچھے پڑا ہے وہ تمہیں اس (فکر سے) روک دے تو تم تباہ ہو جاؤ گے۔

کیسی پیاری گفتگو ہے اپنا تعارف بھی کرایا جا رہا ہے اور نبوت کے فرائض بھی بتائے جا رہے ہیں، قیامت سے ڈرایا بھی جا رہا ہے اور محتاط رہنے کی تعلیم بھی دی جا رہی ہے ہلاکت سے بچنے کو بھی کہا جا رہا ہے

وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی ﴿١٧﴾ قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفة سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ﴿٢٢﴾ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿٢٥﴾ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿٢٧﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ﴿٣١﴾ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ﴿٣٢﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿٣٥﴾

اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر میں تکیہ کر لیتا ہوں اور اپنی بکری کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور دوسرے کام بھی لیتا ہوں۔ خدا نے فرمایا اے موسیٰ

اسے (زمین پر) ڈال دو۔ جونہی اُسے ڈالا وُہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ خدا نے فرمایا اسے پکڑ لو اور ڈرو مت۔ ہم پھر اسے پہلا ہی سا بنا دیں گے اور اپنے ہاتھ کو ذرا اپنی بغل میں کر لو اور وہ بغیر کسی بیماری کے سفید روشنی والا ہو کر نکلے گا یہ دوسرا معجزہ ہے تاکہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیاں دکھائیں۔ اب تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بُہت سرکشی اختیار کی ہے۔ موسٰی نے کہا اے میرے رب میرے سینہ کو کُشادہ کر دے اور میرے خاندان سے میرے بھائی ہارُون کو میرا وزیر بنا دے اور اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے اور میرے امرِ نبوّت میں اسے شریک قرار دے تاکہ ہم بکثرت تسبیح کریں اور تیری یاد بہت زیادہ کریں تُو ہی ہمارے حال کا دیکھنے والا ہے۔

ذرا دیکھنا بیان کا انداز کیسا عجیب و غریب ہے۔ یہ سمجھتے ہُوئے کہ موسٰی دہشت زدہ ہیں کیسا نرم لہجہ اختیار کیا ہے۔ علّام الغیوب کا اُس لاٹھی کے متعلق جو کھلی ہوئی ہاتھ میں تھی یہ سوال کہ یہ کیا ہے بڑی مصلحت پر مبنی تھا۔ چونکہ عصائے موسٰیؑ سانپ بننے والا تھا لہٰذا پہلے موسٰیؑ کی زبان سے اس کی تصدیق کرا لی کہ یہ لاٹھی ہی ہے تاکہ بعد میں موسٰیؑ کو یہ شُبہ نہ ہو کہ دھوکہ سے میں نے رات میں کسی سانپ کو تو نہیں پکڑ لیا تھا جو سردی سے ٹھٹھرا پڑا ہو۔ موسٰیؑ کو کہنا چاہیئے تھا کہ یہ میری لاٹھی ہے سوال کا جواب ختم ہو جاتا لیکن انہوں نے بات کو بہت بڑھا دیا تاکہ اپنے معبُود سے ذرا زیادہ دیر بات چیت رہے۔

دوسرا معجزہ ید بیضا تھا۔ سفید ہاتھ تو برص کی بیماری میں بھی ہو جاتا ہے لہٰذا موسٰیؑ کو پہلے سے بتا دیا تھا کہ وہ برص کی وجہ سے سفید نہ ہوگا بلکہ ہماری قدرت سے آفتاب کی طرح چمکدار ہوگا۔

۔ جب یہ دو معجزات دے دیئے گئے تب ان کی نبوّت کا پورا ثبوت ہو گیا۔

یہ دونوں معجزے کیوں دیئے گئے۔ ہر نبی کو وہی معجزہ دیا جاتا ہے جو اس کمال کا توڑنے والا ہو جو اس کی اُمت کو حاصل ہو۔ فرعون کے زمانہ میں جادوگروں کو کمال حاصل تھا۔ خدا کو معلوم تھا کہ موسٰیؑ کا مقابلہ جادوگروں سے کرایا جائے گا۔ لہٰذا عصا کے سانپ بننے کا معجزہ دیا گیا اور اس خیال سے کہ پبلک یا فرعون کے کارکن اُن پر نہ ٹوٹ پڑیں ید بیضا کا معجزہ دیا گیا جس کی چمک دیکھتے ہی بیہوش ہو جائیں یا زمین پر گر پڑیں۔

جب یہ دونوں معجزے دے دیئے گئے تب حکم ہُوا کہ اب فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسے سرکش لوگ جو خدائی کا دعوٰی کرتے ہوں خدا ان کو خود کیوں نہیں ہلاک کر دیتا۔ جواب یہ ہے کہ خدا کی خدائی کوئی چھن جانے والی چیز نہیں وہ اپنے سرکش بندوں کو انبیاء کے ذریعہ سے راہِ ہدایت دکھانے کا موقع دیتا ہے۔ وہ پہلے اس کو ہر طرح سمجھاتے بجھاتے ہیں خدا کی حجّت اس پر تمام کرتے ہیں۔ جب کسی طرح نہیں مانتا تو مجبوراً اس کو ہلاک کیا جاتا ہے۔

نبوّت ملنے کے بعد موسٰیؑ نے جو دُعائیں مانگیں اب ذرا ان کو سمجھئے :

۱۔ میرے سینہ کو کشادہ کر دے یعنی میں دشمن کے مقابلہ میں تنگ دل نہ ہوں پوری ہمت سے اس کا مقابلہ کروں۔
۲۔ امرِ نبوّت کو آسان کر دے یعنی یہ بھاری بوجھ جو مجھ اکیلے پر ہے اس کو میرے کسی ساتھی کے ذریعہ ہلکا کر دے
۳۔ میری زبان کی بستگی کو کھول دے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت موسٰیؑ بچپن میں فرعون کے محل میں پہنچے تھے تو آسیہ و فرعون دونوں کو پسند آئے تھے اور انہوں نے حضرت موسٰیؑ کو اپنا بیٹا بنانا چاہا تھا۔ فرعون کو جب پیار آیا تو اُس نے گود میں اُٹھا لیا۔ حضرت موسٰیؑ نے اس کی داڑھی پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے ایسا تپانچہ مارا کہ وہ بلبلا گیا اور حضرت موسٰیؑ کو یہ کہہ کر زمین پر پٹک دیا کہ ہو نہ ہو یہ وہی بنی اسرائیل والا بچہ ہے جس کے متعلق نجومیوں نے پیش گوئی کی ہے کہ وہ میرا قاتل ہوگا اور میری سلطنت کی تباہی کا باعث بنے گا۔ آسیہ نے کہا کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ بچہ ہے تمہارے گال پر ہاتھ رکھ دیا ہوگا۔ فرعون نے کہا یہ بات نہیں اس نے اس زور سے مارا ہے جیسے لوہے کا ہتھوڑا لگتا ہے۔ میرا جبڑا نکل گیا ہے۔ آخر طے پایا کہ امتحان لیا جائے۔ چنانچہ ایک طشت میں دہکتے ہوئے کوئلے اور دوسرے میں چمکتے ہوئے لعل رکھے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر اس نے لعل اٹھا لیا تو یقیناً وہی خطرناک بچہ ہے اور اگر دہکتا ہُوا کوئلہ اُٹھا لیا تو بے شک عام بچوں جیسا ہے۔ حضرت موسٰیؑ نے بوحیِ ربّانی کوئلہ منہ میں رکھ لیا جس سے ان کی جان بچ گئی لیکن زبان جل جانے سے لکنت پیدا ہو گئی۔ خاص دُعا یہ تھی کہ میرے خاندان سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دے اور میری پشت کو اس سے مضبوط کر دے۔ یہاں چند باتیں قابلِ غور ہیں :

(۱) نبوّت ملنے پر نبی کا جانشین بننا ضروری ہوتا ہے۔ پس اس قاعدہ کے مطابق ہمارے رسولؐ کا جانشین بھی اعلانِ رسالت کے ساتھ ہی ہونا چاہیئے جیسا کہ دعوتِ ذوالعشیرہ میں ہُوا۔
(۲) نبی کو اپنا جانشین خود بنانے کی اجازت نہیں ورنہ موسٰیؑ خدا سے یہ دعا کیوں کرتے۔
(۳) نبی کا جانشین نبی کے خاندان میں سے ہونا چاہیئے کسی غیر خاندان سے نہیں ورنہ حضرت موسٰیؑ اپنے خاندان سے مخصوص کیوں کرتے۔
(۴) اخص خاندان ہونا چاہیئے جیسے بھائی یا بیٹا جیسا کہ موسٰیؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کے لیے درخواست کی۔
(۵) وہ جانشین نبی کا پُشت پناہ ہوتا ہے چنانچہ حضرت موسٰیؑ نے کہا، میری کمر اس سے مضبوط کر دے۔

سورۂ الم نشرح پارہ ۳۰ میں رسولؐ سے کہا جا رہا ہے،

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ۙ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۙ ۹۶/۱-۳ " (اے رسول کیا ہم نے تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا اور جو بوجھ تمہاری پُشت کو توڑے، اُسے اُتار نہیں دیا۔) حضرت موسٰیؑ اور حضرت رسولِ خدا کے واقعات وزارت کے سلسلہ میں کتنے ملتے جُلتے ہیں۔ جب ہی تو حضرت رسُولِ خدا نے فرمایا ہے، یَا عَلِیُّ اَنۡتَ مِنِّیۡ بِمَنۡزِلَةِ هَارُوۡنَ مِنۡ مُوۡسٰی (اے علی تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسٰی کے نزدیک تھی) یعنی جس طرح ہارون علیہ السلام امرِ رسالت میں موسٰیؑ کے شریک تھے اسی طرح تم امرِ رسالت میں میرے شریک ہو۔

ابنِ مردویہ اور ابنِ عساکر نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت رسولِ خدا کو کوہِ ثبیر (مکہ کا ایک پہاڑ) کے مقابلہ میں دیکھا کہ آپؐ فرماتے تھے کہ خداوندا میں علی کے بارہ میں تجھ سے وہی سوال کرتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰ نے کیا تھا کہ میرے سینہ کو کشادہ فرما اور میرا کام میرے لیے آسان فرما میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میری بات اچھی طرح سمجھیں اور میرے اہلبیت میں سے میرے بھائی علی کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے میری پشت مضبوط کر اور میرے کام میں اس کو شریک بنا تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری تسبیح کریں اور کثرت سے تیری یاد کریں تو ہماری حالت دیکھ ہی رہا ہے۔ (تفسیر درمنثور جلد ۴ مطبوعہ مصر)۔

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِي وَعَدُوٌّ لَهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾

اے موسیٰ تمہاری سب درخواستیں منظور کی گئیں اور ہم تو تم پر ایک بار اور احسان کر چکے ہیں جب ہم نے تمہاری ماں کو وحی کی جو یہ تھی کہ تم اسے (موسیٰ کو) صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں ڈال دو۔ دریا اسے دھکیل کر کنارہ سے لگا دے گا، اسے میرا دشمن اور موسیٰ کا دشمن اٹھا لے گا اور میں نے تم پر اپنی محبت کا پرتو ڈال دیا (جو دیکھتا پیار کرتا) تاکہ تم میری خاص نگرانی میں پالے پوسے جاؤ۔

یہاں وحی کا لفظ جو مادرِ موسیٰؑ کے لیے فرمایا گیا ہے وہ بمعنی الہام ہے۔ وحی تشریعی صرف مرسلین پر نازل ہوتی ہے۔ نحل (شہد کی مکھی) کے لیے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ (۱۶/۶۸) اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ یہ بات خدا نے مکھی کے دل میں ڈال دی۔

چونکہ فرعون کا یہ حکم تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ پیدا ہو اسے فوراً ذبح کر دیا جائے اس لیے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو یہ خوف تھا کہ اگر فرعون کو پتہ چل گیا تو بچہ تو ذبح ہوگا ہی میں بھی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں گی۔ لہٰذا مطابق وحی الٰہی ایک لکڑی کا صندوق بنوا کر اس میں حضرت موسیٰ کو لٹایا اور صبر کی سِل سینہ پر رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ کر چلی آئیں۔ فرعون و آسیہ صبح کے وقت محل کی چھت پر بیٹھے دریا کی موجوں کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ صندوق یا تابوت موسیٰ کا

بہتا بہتا محل کے پاس جا لگا۔ فرعون نے دیکھا تو اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے نکال کر محل میں لے آؤ۔ آگے کا قصہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَنْ يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ﴿٤٠﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾ اذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ﴿٤٢﴾ اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٤٣﴾ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾

جب تمہاری بہن چلی اور فرعون کے گھر میں جا کر کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسی دایہ بتا دوں جو اسے اچھی طرح پالے تو اس تدبیر سے ہم نے تم کو پھر تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور تمہاری جدائی میں کڑھے نہیں اور تم نے ایک شخص قبطی کو مار ڈالا تھا (اور سخت پریشان تھے) تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہارا اچھی طرح امتحان کر لیا۔ پھر تم کئی برس تک مدین کے لوگوں میں جا کر رہے پھر تم (عمر کے) ایک اندازہ پر آ گئے اور میں نے تم کو اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا پس اب تم اپنے بھائی کو لے کر مع ہمارے معجزات کے جاؤ اور (دیکھو) میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بیشک وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے اس کے پاس جا کر نرمی سے بات کرو تاکہ وہ نصیحت مان لے اور ڈر جائے۔

جب حضرت موسیٰؑ کی ماں صندوقِ موسیٰ کو دریا میں ڈالنے چلیں تو اپنی لڑکی کو بھی ساتھ لے لیا جب صندوق دریا میں چھوڑا تو لڑکی سے کہا میں تو جاتی ہوں تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو، تم یہاں کھڑی دیکھتی رہو کہ جاتا کہاں ہے۔ جب فرعون کے نوکر صندوق کو محل میں لے گئے تو وہاں دائی کی تلاش ہوئی۔ کئی دائیاں آئیں مگر حضرت موسیٰؑ نے کسی دائی کی چھاتی کو منہ نہ لگایا۔ فرعون اور آسیہ سخت پریشان تھے کہ کیا کریں۔ دائیوں کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کی بہن بھی محلِ فرعون میں داخل

ہو گئی تھیں۔ انہوں نے کہا اگر آپ لوگ کہیں تو میں ایک شریف خاندان کی دائی کو بلا لاؤں ممکن ہے ان کا دُودھ پی لیں۔ فرعون نے کہا، جلدی بُلا لاؤ۔ یہ وہاں سے اپنی ماں کے پاس آئیں اور ان کو ساتھ لے گئیں۔ موسیٰؑ نے فوراً ان کی گود میں جا کر غٹ غٹ ان کا دُودھ پینا شروع کر دیا۔ یُوں مادرِ موسیٰؑ کو اپنا چھٹا ہُوا بیٹا مل گیا۔ جس خدا نے موسیٰؑ کو کافرہ عورت کا دودھ نہ پینے دیا کیسے ممکن تھا کہ حضرت رسولِ خدا کو کافرہ کا دُودھ پلواتا۔ پس معلوم ہُوا کہ حلیمہؓ اور ثوبیہؓ جن کا دودھ حضرتؐ نے پیا تھا مسلمان تھیں۔ ملتِ ابراہیمی پر تھیں۔

دوسرا قصّہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ محلِ فرعون میں پل کر جوان ہوئے تو ایک روز سیر کرنے کے لیے شہر میں نکلے۔ دیکھا کہ ایک قبطی (قومِ فرعون کا آدمی) ایک اسرائیلی سے لڑ رہا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو مدد کے لیے بُلایا۔ انہوں نے پہلے تو اس قبطی کو سمجھایا بجھایا جب نہ مانا تو ایک گھونسہ اس کو مارا جس کے صدمہ سے وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰؑ سخت پریشان ہوئے۔ دوسرے روز بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ ایک قبطی اسی اسرائیلی سے لڑ رہا ہے۔ اُس نے پھر موسیٰؑ کو مدد کے لیے بُلایا۔ آپؑ نے کہا تُو بڑا شرّی آدمی ہے روز کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے۔ پھر قبطی کو ڈانٹا۔ اُس نے کہا، کیا آپ مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے کل ایک قبطی کو قتل کر چکے ہیں۔ غرض اس قبطی نے جا کر فرعون کو اطلاع دی اُس نے کہا کہ موسیٰؑ کو پکڑ لاؤ۔ اتنے میں مومن آلِ فرعون موسیٰؑ کے پاس پہنچے اور کہا لوگ آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں لہٰذا فوراً یہاں سے چلے جائیے۔ چنانچہ اس کے بعد موسیٰؑ مدین میں حضرت شعیبؑ کے پاس چلے گئے۔

میں نے اپنے نفس کے لیے تمہیں انتخاب کر لیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کام کے لیے۔ فرعون کی طرف موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں کو بھیجا اور تاکید کر دی کہ بہ نرمی اس سے بات چیت کرنا تاکہ اس کے دل پر اثر ہو۔ سختی سے بات کرو گے تو وُہ بدک جائے گا اور کام بگڑ جائے گا۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

موسیٰ و ہارونؑ نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم اس سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرنے لگے یا

سرکشی دکھائے۔ خدا نے کہا ڈرو مت میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سُنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ تم دونوں اُس کے پاس جاؤ اور کہو، ہم تیرے ربّ کے رسول ہیں ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو ستانا چھوڑ دے ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے معجزہ لے کر آئے ہیں اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے ہم پر یہ وحی کی گئی ہے کہ عذاب نازل ہوگا اُس شخص پر جو (آیاتِ خدا کو) جُھٹلائے اور ان سے رُوگردانی کرے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

فرعون نے کہا تم دونوں کا رب کون ہے حضرت موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت عطا کی پھر اسے (راہِ راست کی طرف) ہدایت کی۔ فرعون نے کہا پہلے لوگوں کا حال تو بتاؤ موسیٰ نے کہا اس کا علم میرے ربّ کے پاس ایک کتاب میں ہے۔ میرا ربّ بہکتا ہے نہ بھولتا ہے وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے لیے اس میں راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پس ہم نے اس سے مختلف قسم کی گھانسیں نکالیں۔ کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ۔ بے شک

اس میں عقلمندوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں۔ ہم نے اسی زمین سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں (مرنے کے بعد) ہم تم کو لوٹا کر لائیں گے اور دوبارہ اسی سے تم کو نکالیں گے۔ میں نے فرعون کو ساری نشانیاں دکھا دیں مگر اُس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا۔

فرعون نے سوال کیا تمہارا رب کون ہے۔ یہ نہیں کہا کہ تمہارا خدا کہاں ہے چونکہ وہ اس کا مدعی تھا کہ سب لوگوں کا پالنے والا وہی ہے لہٰذا یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کے سوا موسیٰؑ و ہارونؑ اور کس کو اپنا رب مانے ہوئے ہیں۔ وہ سب سے کہتا تھا انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا سب سے بڑا پالنے والا ہوں)۔ جناب موسیٰؑ صرف اتنا جواب دے سکتے تھے ربنا اللہ مگر انہوں نے حسبِ ضرورت کلام کو طول دیا اوّل تو ذکرِ معبود میں لذت حاصل کی دوسرے یہ کہ اس کی مخصوص صفات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھا پہلے یہ کہ ہر شے کو مناسب صورت سے پیدا کرنے والا وہی ہے۔ اس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ضمناً یہ بھی بتایا گیا کہ تُو اپنے کو رب کہتا ہے مگر تو کسی چیز کا پیدا کرنے والا نہیں۔ دوسرے میرے خدا نے ہر شے کو پیدا کر کے اُسے صحیح راستہ بھی بتایا۔ تجھ میں یہ طاقت نہیں تُو تو ہر ایک کو گمراہ کرنے والا ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنا اس اسلوبِ بیان کا کہ ذرا مختصر الفاظ میں سب کچھ بتا گئے۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾

فرعون نے کہا اے موسیٰ کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے ہمیں نکال دو۔ ہم بھی تمہارے سامنے ویسا ہی جادو پیش کریں گے لہٰذا اب تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک

وقت مقرر کرو اس کے خلاف نہ ہم کریں گے نہ تم۔ ایک صاف ستھری جگہ میں مقابلہ ہو۔ موسیٰ نے کہا، تمہارے مقابلے کا وقت زینت (عید) کا دن ہو سب لوگ دن چڑھے وہیں جمع ہو جائیں۔ پس فرعون لوٹ گیا اور اپنے جادو کا سامان جمع کرنے لگا پھر مقابلہ کے لیے آیا۔ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا تمہارا ستیاناس ہو اللہ پر جھوٹ بہتان مت باندھو ورنہ تم پر عذاب نازل کر کے ملیامیٹ کر دے گا جس نے اس پر افترا کیا وہ نامراد رہا۔ پھر انہوں نے اپنے معاملہ میں جھگڑا شروع کیا اور چپکے چپکے باتیں کرنے لگے

فرعون نے اپنے محل میں داخلہ کے سات دروازے رکھے تھے اور سب پر پہرہ دار بٹھا دیئے تھے تاکہ کوئی اجنبی داخل نہ ہو۔ آخری دروازہ پر درندے چھوڑ دیئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ جب ساتویں دروازہ پر پہنچے تو درندے ان کے قدموں پر لوٹنے لگے اور یہ دونوں بھائی بے خوف وخطر فرعون کے محل میں داخل ہو گئے۔ فرعون مع اپنے درباریوں کے تخت پر بیٹھا تھا۔ موسیٰؑ و ہارونؑ کو دیکھ کر غصہ میں بھر گیا۔ ڈانٹ کر کہا، تم کون ہو اور بے اجازت کیسے آئے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا ہم خدا کے رسول ہیں ہم تیری ہدایت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے۔ اس نے سپاہیوں کو بلا کر حکم دیا کہ انہیں پکڑ کر قید خانہ میں بند کر دو۔ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا ہاتھ سے چھوڑا وہ اژدھا بن کر فرعون کی طرف چلا خوف سے اس کا پاخانہ نکل گیا۔ اور ید بیضا دکھا کر درباریوں کو بیہوش کیا۔ فرعون نے فریاد کی موسیٰؑ اسے روکو۔ حضرت موسیٰؑ نے اژدھے کو پکڑا تو وہ پھر عصا بن گیا۔ فرعون نے سمجھا کہ یہ سب جادو کا کھیل ہے۔ اب نرمی سے باتیں کرنی شروع کیں۔ اس زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا اور ملک مصر میں بڑے بڑے گرو گھنٹال پائے جاتے تھے فرعون نے مقابلہ کے لیے ایک دن مقرر کیا۔ حالانکہ جادوگروں کی کبھی کسی ملک پر حکومت نہیں ہوئی مگر یہ فرعون کی خر دماغی تھی کہ اس نے سمجھا موسیٰؑ ملک پر جادو سے قبضہ کرنے آئے ہیں۔ الغرض مہلت لے کر وہ موسیٰؑ سے مقابلہ کی تیاری کرنے لگا۔ جہاں جہاں نامور جادوگر تھے سب کو بلا لیا۔ اور انہیں بڑے بڑے انعام دینے کا وعدہ کیا۔

فرعون معجزہ اور جادو کے فرق کو سمجھا ہی نہ تھا۔ کیا سمجھتا اس نے ایسا مقابلہ کبھی دیکھا ہی نہ تھا مگر تھا بہت گھبرایا ہوا۔ موسیٰؑ کا رعب اس کے دل پر اچھی طرح چھا گیا تھا۔ اس نے اس بارہ میں اپنے سارے درباریوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ

الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾

انہوں نے (درباریوں نے) کہا (آپ پریشان نہ ہوں اس کے سوا اور کچھ نہیں) کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اس ارادہ سے آئے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں اس ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے اچھے خاصے مذہب کو مٹا دیں تو تم بھی اپنے چلتر (جادو) جمع کرو اور پرا باندھ کر مقابلہ کے لیے آ پڑو۔ جو آج غالب آگیا وہی فائز المرام رہے گا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾

انہوں (جادوگروں) نے کہا اے موسٰی پہلے تم ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسٰی نے کہا تم ہی ڈالو۔ (پس انہوں نے اپنے کرتب دکھائے)۔ موسٰی کو ایسا معلوم ہوا کہ ان کی رسیاں اور چھڑیاں دوڑ رہی ہیں تو موسٰی نے اپنے دل میں کچھ دہشت سی پائی۔ ہم نے کہا اے موسٰی ڈرو نہیں، غالب تم ہی رہو گے۔ جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے (عصا) اُسے زمین پر ڈالو جو کرتب انہوں نے دکھائے ہیں وہ ان سب کو نگل جائے گا۔ انہوں نے جو کچھ دکھایا ہے وہ ایک جادوگر کا کرتب ہے۔ جادوگر کہیں جائے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پس تمام جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے ہم ہارون و موسٰی کے رب پر ایمان لے آئے۔

صورت یہ ہوئی کہ جب وعدہ کا دن آیا تو مصر کے تمام لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے میدان میں جمع ہو گئے۔ فرعون بڑے ٹھسّے سے کامیابی کی امید میں تخت پر بیٹھا تھا سارے درباری بھی حاضر تھے۔ جادوگر کئی سو کی تعداد میں غرور و تکبّر میں جھکے ہوئے ایک طرف تھے اور موسٰیؑ و ہارونؑ کمبل کے کُرتے پہنے ہوئے دوسری طرف علیحدہ کھڑے تھے۔ جادوگروں کے گرو گھنٹال نے اپنے چیلوں کو حکم دیا، کام شروع کرو۔ انہوں نے رسیوں اور پتلی پتلی چھڑیوں کو ہوا میں پھینکا، وہ سب سانپ بن کر لہرانے لگے۔ اس کے بعد حضرت موسٰیؑ نے اپنے عصا کو زمین پر چھوڑا تو وہ اژدھا بن کر ہوا میں اُڑا اور جادوگروں کے سارے سانپوں کو نگل گیا۔

ساحر بڑے سمجھدار تھے۔ ناکام ہوتے ہی سمجھ گئے کہ موسٰیؑ نے جو کچھ دکھایا ہے وہ جادو نہیں ہے جادو سے الگ کوئی چیز ہے۔ وہ جادوگری میں اتنا کمال رکھنے والے تھے کہ اس فن میں اس سے بالاتر کوئی کرتب ان کے ذہن میں نہیں تھا۔ جب اپنے اس کمال کو ذلیل و خوار ہوتے دیکھا تو یہ یقین کر لینا ضروری تھا کہ موسٰیؑ نے جو دکھایا ہے وہ صرف خدا کی طرف سے عطا کردہ کوئی چیز ہے جب ہی تو فوراً ایمان لے آئے۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ ہم رب ہارونؑ و موسٰیؑ پر ایمان لے آئے۔ یعنی فرعون جو اپنے کو ہمارا رب بتاتا ہے ہمارا رب نہیں ہے بلکہ رب موسٰیؑ و ہارونؑ ہمارا رب ہے۔ یہیں سے معجزہ اور جادو کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ معجزہ پر جادو غالب نہیں آسکتا معجزہ جادو پر غالب آجاتا ہے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿٧٣﴾

فرعون نے (جادوگروں سے) کہا تم میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان لے آئے یہی تمہارا وہ گرو ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پیر اس طرح کاٹ دوں گا کہ ایک طرف کا ہاتھ دوسری

طرف کا پیر اور خرما کی شاخوں پر تمہیں سُولی پر چڑھا دوں گا تب تمہیں پتہ چلے گا کہ ہم دونوں میں کون عذاب دینے میں سب سے زیادہ سخت ہے اور کس کا عذاب زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ انہوں نے کہا جو معجزات ہمارے سامنے آئے ہیں انہیں دیکھ کر ہم کبھی تجھے ترجیح نہیں دے سکتے اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اب جو تیرا دل چاہے کر۔ تُو ہم پر اس دُنیا کی زندگی میں حکومت کر سکتا ہے۔ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو بخشدے خاص اس جادو کے گناہ کو جس پر تُو نے ہمیں مجبور کیا تھا۔ اللہ کی ذات سب سے بہتر ہے اور اس کو سب سے زیادہ قیام ہے۔

سُبحان اللہ ان جادوگروں کا کیسا پختہ ایمان تھا کہ باوجود ایسی سخت سزا سننے کے ان کے ایمان میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا۔ توفیق الٰہی جس کے شامل حال ہو ذرا سی دیر میں اس کی حالت بدل جاتی ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ ع وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ڏ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ۭ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا اس کے لیے جہنّم ہے جہاں نہ تو وہ مرے ہی گا نہ زندہ ہی رہے گا اور جو مؤمن بن کر رہے گا اور نیک اعمال کیے ہوں گے تو ان کے لیے بلند درجات ہیں جنّت کے

باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اس میں ہمیشہ رہیں گے جو پاکیزہ نفس بن کر رہے گا اس کی یہی جزا ہے۔ ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ پھر دریا میں لاٹھی مار کر ایک سُوکھا راستہ ان کے لیے نکالو تم کو نہ تو دشمن کے پیچھا کرنے کا خوف رہے گا نہ ڈوبنے کا ڈر۔ فرعون نے مع اپنے لشکر کے ان کا پیچھا کیا پھر دریا (کے پانی کا ریلا) جب ان پر چھا گیا سو چھا گیا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر کے (ہلاک کر ڈالا) اور ان کو ہدایت نہ کی۔

جب فرعون نے شکست کھائی تو موسیٰؑ بحکم خدا بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں دریا حائل تھا مطابق وحی آپؑ نے پانی پر عصا مارا، پانی اِدھر اُدھر پھٹ گیا اور دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ بنی اسرائیل ان راستوں سے بآرام دریا عبور کر کے اس پار جا پہنچے۔ جب فرعون کو یہ پتہ چلا کہ موسیٰؑ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر چل دیئے ہیں تو اُس نے ان کا پیچھا کیا جب دریائے نیل پہ پہنچا تو دیکھا کہ بنی اسرائیل دریا کو عبور کر گئے ہیں۔ اس نے چاہا کہ جو راستے دریا میں بنے ہوئے تھے انہی سے دریا پار کر جائے۔ جب مع لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو دریا کا رکا ہوا پانی ریلا مار کر اِدھر سے اُدھر ہو گیا۔ فرعون مع لشکر کے غرق ہو کر ہلاک ہو گیا۔ کم بخت نہ خود بچا نہ اپنی قوم کو بچا سکا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور طُور کے دائیں طرف تمہاری حاضری کے لیے وقت مقرر کیا اور ہم نے تم پر من و سلوٰی نازل کیا جو پاک چیزوں کا رزق ہم نے دیا ہے وہ کھاؤ اور کسی قسم کی شرارت نہ کرو ورنہ تم پر میرا عذاب نازل ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک ہو گیا اور جو

کوئی توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے میں اُس کے گناہ بخشنے والا ہوں جبکہ وہ ثابت قدم رہے

طور پر بُلانے کا وعدہ توریت دینے کے لیے تھا۔

من وسلوٰی کے متعلق بائبل میں ہے کہ شبنم کی طرح درختوں کی جھاڑیوں پر ایک چیز نمودار ہوتی تھی جو دھنیے کی گری کی طرح ہوتی تھی۔ لوگ اُسے چکی میں پیس کر آٹا بناتے اور روٹی پکاتے تھے اور بٹیریں وہاں کثرت سے پیدا ہوگئیں انہیں کاٹ کر بھون لیتے تھے۔ یہ کھانا چالیس برس لوگوں کو کھانا پڑا۔

مؤرخین اسلام کا بیان یہ ہے کہ صبح سویرے جھاڑیوں پر ترنجبین جیسی قسم کے اناج کی ایک روٹی ہوتی تھی جس پر ایک بھُنی ہوئی بٹیر رکھی ہوتی تھی۔ یہ کھانا چالیس روز تک آیا اس کے بعد اُٹھ گیا۔

مفسرین کا بیان یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو یہ حکم تھا کہ ہر شخص ایک روٹی اور ایک بٹیر اپنے حصہ کی اُٹھائے اس سے زیادہ نہیں مگر بنی اسرائیل نے سرکشی کی اور بعض لوگ اس خوف سے کہ کل نزول بند نہ ہوجائے کئی کئی روٹیاں اٹھا لاتے تھے اور جو تاخیر سے پہنچتے تھے وہ محروم رہ جاتے تھے لہٰذا خدا نے نازل کرنا بند کر دیا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

ثُمَّ اھْتَدٰی کا مطلب یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح کے بعد اگر محبت اہل بیتؑ پر انسان ثابت قدم نہ رہے تو اس کے گناہ نہیں بخشے جائیں گے۔ ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ حضرت رسولِ خدا کے اہلبیتؑ کی ولایت ھدایت ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمّد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے یہ آیت پڑھ کر اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اِلیٰ ولایتنا یعنی اس سے مراد ہماری ولایت ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَ
عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ
وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ
قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ
اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾

جب موسٰی اپنی قوم کے ستر آدمی لے کر طُور کی طرف چلے اور فوراً آگے بڑھ گئے تو ہم نے کہا اے موسٰی، تم نے اپنی قوم سے آگے چلنے میں کیوں جلدی کی۔ عرض کی وہ بھی تو میرے پیچھے پیچھے ہی چلے آرہے ہیں۔ اے میرے رب، یہ جلدی کرکے اس لیے بڑھ آیا ہوں کہ تُو مجھ سے خوش رہے۔ خدا نے فرمایا ہم نے تمہارے آنے کے بعد تمہاری قوم کا امتحان لیا اور سامری نے ان کو گمراہ کر چھوڑا۔ پس موسٰی اپنی قوم کی طرف غصّہ اور رنج کی حالت میں پلٹے اور قوم سے کہنے لگے کیا تم سے تمہارے پروردگار نے (توریت دینے کا) اچھا وعدہ نہیں کیا تھا تو کیا تمہارے وعدہ میں عرصہ لگ گیا یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب ٹُوٹ پڑے کہ تم نے میرے وعدہ (خدا کی عبادت) کے خلاف کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب خدا نے توریت دینے کے لیے حضرت موسیٰؑ کو طُور پر بُلایا تو قوم نے ہٹ ماری کہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ستر آدمی منتخب کیے اور ان کو لے کر چلے۔ وہ لوگ ہلکے ہلکے چل رہے تھے حضرت موسیٰؑ توریت ملنے کے شوق میں بھرے ہوئے تھے لہٰذا ان لوگوں کو راستہ ہی میں چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گئے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کے جانے کے بعد سامری نے یہ غضب ڈھایا کہ بنی اسرائیل جتنا زیور قبطیوں کی عورتوں سے چھین کر لے آئے تھے اس کو اکٹھا کیا جو منوں کی مقدار میں تھا۔ اُس نے بنی اسرائیل سے کہا جس خدا سے ملنے موسیٰؑ طور پر جاتے ہیں میں اُسے یہیں تمہارے لیے بُلائے دیتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے وہ سب سونا پگھلا کر ایک بچھڑے کی مُورتی بنائی۔ بنی اسرائیل موسیٰؑ سے پہلے گائے کی پرستش کر چکے تھے ان کے دل میں اس کی محبت تھی۔ سامری نے ان کے دل کی بیماری سمجھ کر اس بچھڑے سے ایک ایسی آواز پیدا کی جو گائے کے بچھڑے کی آواز سے مشابہ تھی۔ بنی اسرائیل سے کہا یہ تمہارا خدا بول رہا ہے تم اس کی بات نہیں سمجھتے میں سمجھتا ہوں، یہ کہہ رہا ہے کہ تم مجھے سجدہ کرو میں تمہارا معبود ہوں۔ وہ احمق یہ سُن کر سجدہ میں گر پڑے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ سامری کون تھا۔ بعض نے لکھا ہے یہ سامریہ کا رہنے والا تھا، بنی اسرائیل سے آملا تھا۔ بعض نے لکھا ہے یہ سناری کا پیشہ کرتا تھا اس لیے اُس نے سونے کا بچھڑا بنا ڈالا۔ آواز کے پیدا کرنے میں بھی اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے اُس نے جادو کے زور سے آواز پیدا کی۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کے اندر دو سوراخ کر دیئے تھے جب ہَوا ان میں سے گزرتی تھی تو آواز نکلتی تھی۔ لیکن یہ بچھڑے کی سی آواز تو نہیں ہوسکتی تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کے اندر ایک آدمی بٹھا دیا تھا وہ بچھڑے کی سی آواز نکالتا تھا۔ لیکن بچھڑے کے قالب میں آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش کہاں۔ دوسرے بنی اسرائیل کتنے ہی احمق سہی کیا اتنا بھی پتہ نہ چلا سکتے تھے کہ اس کے اندر آدمی گھسا بیٹھا ہے۔ بہرحال جو صورت بھی ہو اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کر دیا اور بجائے خدا کے وہ بچھڑے کی پُوجا کرنے لگے۔ جب حضرتؑ توریت لے کر طُور سے لوٹے اور قوم کا یہ حال معلوم ہُوا تو بڑا غصّہ آیا اور سخت رنج ہُوا۔ اور

ڈانٹ کر کہا کم بختو! میرے آنے سے پہلے ہی یہ تم کیا کر بیٹھے۔ میرا انتظار تو کیا ہوتا۔

بعض لوگوں نے سامری کے متعلق ایک عجیب حکایت بیان کی کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ جب پیدا ہُوا تو اس کی ماں کو یہ خوف ہُوا کہ قتل کر ڈالا جائے گا۔ لہٰذا نیل کے کنارے ایک جزیرہ میں ڈال دیا تھا۔ خدا نے جبرئیل کو اس کی پرورش کا حکم دیا اس لیے وہ جبرئیل کی صورت کو پہچانتا تھا اور چونکہ موسٰیؑ سے سُن چکا تھا کہ جبرئیل کے مرکب کے سُم تلے کی خاک جس چیز میں ڈال دی جائے وہ بولنے لگتی ہے لہٰذا وہی خاک اُس نے بچھڑے میں ڈال دی تھی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایک مشرک اور جبرئیل کے ہاتھوں پرورش۔ (آگے مفصل ذکر آئے گا۔)

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

ع ۱۳ / ۱۲

انہوں نے کہا ہم نے آپ کے وعدہ کے خلاف اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ بات یہ ہوئی کہ قبطیوں کے زیورات جو ہم پر لادے گئے تھے ہم نے ان کو لاکر پھینک دیا اور سامری نے بھی ایسا ہی کیا پس اُس نے ان کے لیے ایک بچھڑا بنایا جو ڈکراتا تھا۔ لوگ پکار اُٹھے یہ تمہارا خدا ہے اور موسٰی کا خدا ہے موسٰی اُسے بھول گیا۔ کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ وہ نہ تو ان کی بات کا جواب دیتا ہے نہ ان کے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ ہارون نے پہلے ہی اُن سے کہا تھا اے میری قوم تمہارا اس کے ذریعے سے امتحان لیا جا رہا ہے اس میں شک نہیں

تمہارا رب خدائے رحمٰن ہے تو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ انہوں نے کہا جب تک موسٰی نہ آئیں ہم تو اس کی پرستش پر ڈٹے بیٹھے رہیں گے۔

کیسی بے وقوف قوم تھی جو یہ نہ سمجھی کہ جس کو سامری نے خود بنا لیا ہے وہ ان کا معبُود کیسے ہو سکتا ہے نہ بولتا ہے نہ کسی مصرف کا ہے۔ حضرت ہارونؑ برابر سمجھاتے رہے کہ تمہاری عقلوں پر کیا پردے پڑ گئے ہیں کہ اس بچھڑے کی پُوجا پر آمادہ ہو گئے ہو۔ مگر شیطان جو اُن کے سر پر سوار تھا۔ کیا مانتے اس کو معبود سمجھ دھڑادھڑ سجدے کرتے گئے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

موسٰی نے کہا اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو تمہیں میری پیروی (قتال) کرنے سے کس چیز نے روکا انہوں نے کہا اے میرے ماں جائے آپ نہ میری داڑھی پکڑیے نہ

میرے سر کے بال، میں تو اسی سے ڈرا کہ آپ (واپس آکر) یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا بھی خیال نہ رکھا۔ پھر سامری سے فرمایا، تُو بتا تیرا کیا حال ہے۔ اُس نے کہا مجھے وہ چیز دکھائی دی جو اور لوگوں کو نہ سُوجھی، میں نے جبریل کے گھوڑے کے نشانِ قدم کی ایک مُٹھی خاک اٹھالی وہی میں نے (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دی اس وقت میرے نفس نے مجھے یہی سجھائی موسٰی نے کہا چل (دُور ہو) تیرے لیے اس دنیا کی زندگی میں تو (یہ سزا ہے) کہ کہتا پھرے گا مجھے نہ چھُونا (ورنہ بخار چڑھ آئے گا۔ اور آخرت میں) تیرے لیے یقینی (عذاب کا) وعدہ ہے کہ ہرگز تجھ سے خلاف نہ کیا جائے گا اور تُو اپنے معبُود کو دیکھ جس کی عبادت پر تُو ڈٹا بیٹھا ہے کہ ہم یقیناً اسے جلا کر (راکھ کر) ڈالیں گے۔ پھر اسے تتر بتر کر کے دریا میں اُڑا دیں گے۔ تمہارا معبُود تو بس وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی اور معبُود برحق نہیں اس کا علم ہر چیز پر چھایا ہُوا ہے۔

سامری کا یہ کہنا کہ میں نے جبریلؑ کے گھوڑے کے قدم کی خاک اُٹھالی تھی اس کی من گھڑت بات تھی جس کو باور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ درایت اس کے خلاف ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ سامری بنی اسرائیل کے ساتھ تھا، یقیناً وہ سب کے ساتھ دریا سے پار ہُوا۔ فرعون نے جب چاہا کہ دریا پار کرے تو اس کا گھوڑا آگے نہیں بڑھتا تھا تو جبریلؑ گھوڑی پر سوار ہو کر آئے اور اُسے آگے بڑھایا۔ تب فرعون کا گھوڑا دریا میں داخل ہُوا۔ اس صورت میں سامری نے ان کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی کیسے اُٹھالی۔ قرآن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سامری کا قول ہے نہ کہ خدا کا۔ وہ اپنے بیان میں درحقیقت دھوکہ سے کام لے رہا تھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جو چیز اوروں کو نظر نہ آئی ہو وہ سامری کو نظر آگئی ہو۔ یہ قدوسیت اس میں کہاں سے آگئی کہ جبرئیل کو بھی پہچان گیا اور ان کے گھوڑے کے قدم کی مٹی کی اس تاثیر کو بھی۔ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں جو اُس نے حضرت موسیٰؑ سے بیان کیں اور جن پر حضرت موسیٰؑ کو سخت غصہ آیا اور اپنے سامنے سے ہٹ جانے کو کہا۔ جیسا ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ یہ روایت تو بالکل ہی بے سر و پا ہے کہ سامری کو جو بنی اسرائیل سے تھا قتل کے خوف سے جب اس کی ماں نے ایک جزیرہ میں ڈال دیا تو جبرئیل نے اس کو بحکم خدا پرورش کیا۔ جبریلؑ نے نہ کسی نبی کو پالا نہ رسول کو۔ سامری میں یہ خصوصیت کیوں کر پیدا ہو گئی کہ جبریلؑ اس کی دایا بن کر بیٹھے۔ نہ وہ نبی تھا نہ نبی کا بیٹا نہ صاحبِ ایمان۔ پھر یہ تک کیسے بیٹھے گی۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ وہ جبریلؑ کو پہچانتا تھا۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ حضرت جبرئیل اس کو بتاتے تھے کہ میں جبریل ہوں، تیری پرورش کے لیے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ یہ روایت مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ میں لکھ دی ہے۔

اب ذرا حضرت ہارونؑ کی بات پر ایک گہری نظر ڈالیے۔،

جنابِ موسیٰؑ نے جب سُنا کہ قوم گمراہ ہو گئی تو غصہ میں بھر گئے۔ الواحِ توریت کو زمین پر پھینک کر حضرت ہارونؑ کی طرف بڑھے اور ان کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا یہ سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھا کیے۔ اور ان کی روک تھام نہ کی، ان سے کیوں نہ لڑے۔ حضرت ہارونؑ نے عرض کی صرف اس خیال سے میں نے ایسا نہ کیا کہ آپ واپس آکر مجھ پر یہ الزام نہ لگائیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا لحاظ نہ رکھا کہ میں کہہ گیا تھا کہ ان کو سنبھالے رہنا متفرق نہ ہونے دینا۔

حضرت ہارونؑ نے سورۂ اعراف میں جو کچھ کہا تھا اس کو بھی اس آیت سے ملا لیجئے تو پوری بات سمجھ میں آجائے گی۔ اس قوم نے مجھے کمزور بنا دیا تھا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں پس آپ قوم میں میری شماتت نہ کریں اور مجھے ظالم قوم میں سے قرار نہ دیں۔ اب بات صاف ہو گئی۔ حضرت ہارونؑ پوری قوم سے کیسے جنگ کرتے جبکہ ان کے ساتھی بہت ہی کم تھے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ جب خلافت حضرت علیؑ کو نہ دی گئی تو انہوں نے جنگ کیوں نہ کی۔ ایسی حالت میں جبکہ ہارونؑ کی طرح آپؑ کو حد درجہ کمزور بنا دیا گیا تھا اور چند آدمیوں کے سوا کوئی آپؑ کا ناصر و مددگار نہ تھا آپؑ کیسے جنگ کرتے۔ دوسرے اگر کرتے تو مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور جو نئے مسلمان تھے وہ اپنے سابق دین کی طرف پلٹ جاتے۔ اس سے اسلام کو کیسا شدید نقصان پہنچتا جسے علیؑ جیسا حامیٔ اسلام کیونکر گوارا کر سکتا تھا۔

سامری کو دنیا میں جس عذاب کا سامنا ہُوا وہ یہ تھا کہ اُسے ایسا شدید بخار چڑھا کہ لوگوں سے کہتا تھا مجھے نہ چھُونا ورنہ تم بھی بخار میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مارا مارا پھرتا تھا لوگ اس کے قریب جانا پسند نہ کرتے تھے۔ اسی حالت میں واصلِ جہنم ہُوا۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کے بنائے ہوئے بچھڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں رکھ دیا جب جل کر خاک ہو گیا تو اسے دریا میں بہا دیا۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۚ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ

طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

ایسے ہی ہم تم سے پہلے لوگوں کے قِصّے بیان کرتے ہیں اور ہم نے ہی تمہارے لیے اپنے پاس سے قُرآن عطا کیا جو کوئی اس سے رُوگردانی کرے گا وُہ روزِ قیامت گناہوں کا بوجھ اُٹھائے گا۔ اور وُہ اس حال میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو یہ لوگ قیامت کے دن اٹھائیں گے۔ جس دن صُور پھُونکا جائے گا اور ہم اس روز مجرموں کی آنکھیں نیلی (اندھی) کرکے جمع کریں گے۔ آپس میں چُپکے چُپکے کہتے ہوں گے ہم لوگ (بہت سے بہت) کوئی دس دن ٹھہرے ہوں گے۔ جو کچھ یہ لوگ کہیں گے ہم خوب جانتے ہیں۔ جو ان میں سب سے زیادہ ہوشیار ہو گا بول اُٹھے گا ہم تو (زیادہ سے زیادہ) ایک دن ٹھہرے ہوں گے۔

پہلے صُور میں سب لوگ مر جائیں گے، دوسرے صُور میں سب اُٹھ کھڑے ہوں گے اور میدانِ حشر کی طرف دوڑتے جائیں گے۔ ان کے ہوش ایسے پراگندہ ہوں گے اور دہشت اتنی چھائی ہوئی ہوگی کہ انہیں یہ بھی یاد نہ رہے گا کہ وہ مرنے کے بعد قبر میں یا عالمِ برزخ میں کتنے دن ٹھہرے تھے۔ کوئی کہے گا دس دن کوئی کہے گا صرف ایک ہی دن۔ زمین اس روز ہموار ہو کر ایک چٹیل میدان بن جائے گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر سطحِ ارض پر پھیل جائیں گے۔ دریاؤں کا پانی زمین سُوکھ لے گی، جنگل جل کر خاک ہو جائیں گے یہی میدانِ حشر ہو گا اس کے بعد اللہ جو چاہے گا کرے گا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ

بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

لوگ تم سے پہاڑوں کے متعلق پُوچھتے ہیں کہ (قیامت میں) ان کا حشر کیا ہو گا۔ (اے رسول) تم کہدو کہ میرا پروردگار انہیں ریزہ ریزہ کرکے اُڑا دے گا اور زمین کو ایک چٹیل میدان بنا دے گا۔ نہ تُو اس میں موڑ دیکھے گا نہ اُونچ نیچ، اس روز لوگ ایک پکارنے والے (اسرافیل) کے پیچھے سیدھے دوڑے آئیں گے کوئی کجی نہ ہو گی اور آوازیں اس دن خدا کے سامنے اس طرح بیٹھ جائیں گی کہ گنگناہٹ کے سوا کچھ اور نہ سُنے گا۔ اس دن کسی کی شفاعت کام نہ آئے گی مگر جس کو خدا نے اجازت دی ہو اور اس کا بولنا پسند کرے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے یا کچھ ان کے پیچھے ہے خدا سب باتوں کو جانتا ہے اور لوگ اپنے علم سے اس پر حاوی نہیں ہو سکتے۔ (اس دن) لوگوں کے منہ زندہ و پایندہ خدا کے سامنے جھک جائیں گے۔ جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا وہ یقیناً ناکامیاب رہا اور جس نے اچھے اچھے کام کیے اور خاموش رہا اس کو نہ کسی طرح کی بے انصافی کا ڈر ہے نہ کسی نقصان کا۔ ہم نے اسی طرح قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا اور اس میں عذاب کے وعدے طرح طرح سے بیان کیے تاکہ لوگ پرہیزگار بنیں یا ان کے مزاج میں عبرت پیدا کر دے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

پس دوجہاں کا بادشاہ خدائے برتر و اعلیٰ ہے۔ اے رسول قرآن پڑھنے میں اس سے پہلے کہ تم پر پوری وحی نہ آجائے جلدی نہ کرو اور یہ کہا کرو میرے رب میرے علم کو اور زیادہ کر۔ ہم نے آدم سے پہلے ہی عہد لے لیا تھا (کہ اس درخت کے پاس نہ جانا) تو آدم نے اُسے ترک کر دیا اور ہم نے ان میں ثبات و استقلال نہ پایا۔ جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔ ہم نے کہا اے آدم یہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا دُشمن ہے۔ تم دونوں کو جنّت سے نہ نکلوا دے تو مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ بہشت میں تمہیں یہ آرام ہے کہ نہ یہاں بھوکے رہو گے نہ ننگے نہ پیاسے رہو گے نہ دُھوپ کھاؤ گے۔

قرآن کو جلدی نہ پڑھنے کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تو اس خیال سے کہ شاید وحی کا کوئی لفظ دھیان سے جاتا رہے آپؐ بعض الفاظ کو جبریلؑ کے ساتھ دہرانے لگتے تھے۔ بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ آغازِ رسالت میں جب آپؐ کو اخذِ وحی کی عادت نہ ہوئی تھی تو جو وحی اُترتی تھی آپؐ اس کو بار بار دہراتے تھے تاکہ کوئی لفظ ذہن سے نکل نہ جائے۔

بعض نے لکھا ہے کہ انتہائی شوق میں آپؐ اس کو پڑھنے میں جلدی کرتے تھے۔

باوجودیکہ حضرتؐ کو ہر قسم کا علم دے دیا گیا تھا وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (۴/۱۱۳) مگر پھر بھی آپؐ کو حکم تھا کہ یہ کہا کرو "میرے پالنے والے میرا علم زیادہ کر"۔ بندہ کو چاہیئے کہ خدا کتنا ہی علم دے دے پھر بھی خدا کے علم کے مطابق وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ایک قطرہ سمندر کے مقابلے میں۔ لہٰذا اس سے ہر وقت زیادتیِ علم کے لیے دُعا کرنی چاہیئے۔

آدم کا قصہ۔ پہلے سورۂ بقر میں گزر چکا ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اے آدم جنّت میں جو تمہیں آرام ہے وہ دُنیا میں نہ ملے گا۔ وہاں بُھوک بھی لگے گی پیاس بھی۔ بدن کے لیے لباس بنوانا بھی ہوگا۔ دُھوپ سے بچنے کا سامان بھی کرنا ہوگا۔ پس شیطان کے بہکانے میں آکر جنّت کو نہ کھو بیٹھنا۔ آدمؑ نے وعدہ کر لیا تھا کہ شیطان کے

بہکانے میں نہ آئیں گے مگر پھر بھُول گئے۔ یہ سب وہاں کی باتیں ہیں جہاں کے معاملات کو سمجھنا ہماری عقل سے باہر ہے۔

قرآن شروع ہی سے یہ کہتا چلا آرہا ہے کہ شیطان کی پیروی نہ کرو یہ تمہارا کھُلا دشمن ہے اس سے بچے رہو۔ آدمؑ جو شیطان کے بہکائے میں آگئے وہ اس لیے نہیں کہ وہ خدا کے حکم کو ماننا ضروری نہ سمجھتے تھے یا نعوذ باللہ اُسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے وعدہ کر لیا تھا مگر بھُول گئے۔ یہ صرف اس بنا پر ہُوا کہ ان کے ارادہ میں کمزوری تھی۔ عزم و ارادہ ہی ایک چیز ہے جو کسی بات پر قائم رکھتا ہے۔ انبیائے اولوالعزم وہ انبیاء ہیں جو اپنے ارادوں پر مضبوطی سے قائم رہے۔ ہزار بلائیں سر پر آئیں مگر انہوں نے اپنے ارادوں میں جنبش نہ پیدا ہونے دی۔ آدم علیہ السّلام سے جو ترکِ اولیٰ ہُوا وہ صرف عزم کی کمزوری سے ہُوا۔ وہ وعدہ کو نہ بھُولتے مگر ظالم شیطان نے وہ چکنی چپڑی باتیں کیں اور ایسا فریب کیا کہ آدمؑ اپنا وعدہ بھُول گئے۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ز وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ڏ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ پیدا کیا، کہنے لگا آدم کیا میں تمہیں ہمیشہ کی زندگی کا درخت اور ہمیشہ رہنے والی سلطنت بتا دوں پس ان دونوں نے اس میں سے کچھ کھایا اور ان کا آگا پیچھا ان پر ظاہر ہو گیا اور وہ دونوں بہشتی درخت کے پتّے اپنے آگے پیچھے چپکانے لگے اور آدم نے

اپنے پروردگار کی نافرمانی کی پس بے راہ ہو گئے اس کے بعد ان کے پروردگار نے انہیں برگزیدہ کیا، ان کی توبہ قبول کی اور ہدایت کی۔ خدا نے کہا تم دونوں بہشت کے نیچے اُتر جاؤ تم میں ایک دُوسرے کا دشمن ہے۔ اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (تم اس کی پیروی کرنا کیونکہ) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ تو گمراہ ہو گا اور نہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گا اور جو میرے ذکر سے رُوگردانی کرے گا تو اس کی زندگی تنگی سے بسر ہو گی اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا اُٹھائیں گے۔

ان آیات میں چند باتوں پر غور کرنا ہے :

١۔ دشمن جب اپنے تمام حیلوں میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر دوستی کا اظہار کر کے اپنے مقابل کو چت کر دیتا ہے شیطان نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ خیر خواہ بن کر آدمؑ سے کہا میں تمہیں ایک ایسی تدبیر بتاتا ہوں کہ ہمیشہ جنت ہی میں رہو اور ایک ایسی حکومت کے مالک بنو جو کبھی ختم نہ ہو۔

٢۔ اُونچے درجہ کی خواہش بشریت کی رگوں کا خون ہے آدمؑ لالچ میں آ کر یہ بھول گئے کہ یہ کون کہہ رہا ہے۔ شیطان نے جو کچھ کیا تھا ان کی نظر کے سامنے تھا۔ قدرت کی طرف سے جو سزا ملی تھی وُہ بھی پیشِ نظر تھی۔ مگر بشریت کے تقاضے کو کیا کرتے آ گئے شیطان کے پھندے میں۔

٣۔ خدا نے آدمؑ کو جتا دیا تھا کہ تم یہاں ایک ایسے مقام پر ہو جہاں نہ تمہیں بھوک پیاس کی تکلیف ہے نہ لباس کی فکر، نہ رہنے کے لیے کسی مکان بنوانے کا غم۔ یہاں سے جاؤ گے تو یہ ساری تکلیفیں ایک بار تم پر ٹُوٹ پڑیں گی اور چوٹی سے ایڑی تک پسینہ بہاؤ گے تب ایک لقمہ میسّر آئے گا۔ یہ سب کچھ آدمؑ کے علم میں تھا مگر ان کی اور ان کی اولاد کی قسمت میں جو لکھا تھا وہ تو ہونا ہی تھا۔
لیکن اس کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھنی چاہیئے کہ آدمؑ سے جو کچھ باغوائے شیطانی ظہور میں آیا وُہ نہ ازراہِ سرکشی و بغاوت تھا نہ اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی میں ازراہِ شک و شبہ تھا بلکہ بھول چوک کے آزار میں مبتلا ہو کر اپنا نقصان کر بیٹھے۔

٤۔ پھل کھاتے ہی جنت کا لباس بدن سے اُتر پڑا۔ یہ پہلی تکلیف تھی جو شیطان کے پھندے میں آ کر اُن کو پہنچی۔ پھر زمین پر آ کر جو محنت و مشقت کے پہاڑ ان پر گرے۔ دونوں میاں بی بی اپنی اپنی شرمگاہوں کو درخت کے پتوں سے چھپانے لگے۔ زمین کے باسی بننے کے لیے یہ پہلا سبق تھا جو آدمؑ و حوّاؑ کو دیا گیا کہ وہاں جا کر اپنا لباس اپنے ہاتھ سے تیار کرنا ہو گا۔ جنت کی رعائتیں ختم ہوئیں۔ خدا کے حکم کی تعمیل میں چاہے بھول چوک ہی سے ہوا تئی کوتاہی بھی کیوں ہوئی۔

٥۔ آدمؑ کی نافرمانی ہماری جیسی نافرمانی نہ تھی۔ ہم تو جو گناہ کرتے ہیں باغیانہ حیثیت سے کرتے ہیں آدمؑ تو خدا کے فرمانبردار بندے تھے۔ رُوئے زمین پر نبی بنائے گئے تھے۔ ان کی گرفت اس لیے ہوئی

کہ بھول کر بھی ایسا کیوں ہُوا۔ اولادِ آدمؑ کے لیے بھول چوک معاف ہے لہٰذا آدمؑ کی اس نافرمانی کو عام انسانوں کی معصیت کی فہرست میں داخل نہ کرنا چاہیئے۔ بشریت کے تقاضا سے راہِ راست سے ہٹ ضرور گئے۔ مگر عبدیت کے کسی گوشہ میں آگ نہیں لگی شیطان کی طرح اکڑ مکڑ نہیں تھی۔ ورنہ نہ تو ان کا انتخاب عمل میں آتا نہ توبہ قبول ہوتی اور نہ اللہ کی ہدایت (توفیق) کا ان سے تعلق ہوتا۔

٦۔ ان کو خلیفۃ الارض ہی بننا تھا ایک نہ ایک دن آنا تو انہیں زمین پر ہی تھا لیکن ذرا جلدی کر بیٹھے اور حکمِ خداوندی میں جو وقت معیّن تھا اس سے پہلے ان کو زمین پر آنا پڑ گیا۔

٧۔ بتا تو پہلے ہی دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے جو اپنی کارستانیوں سے باز نہ آئے گا۔ تمہاری اولاد کو چاہیئے کہ اس سے باخبر رہیں اور تمہارے واقعہ سے سبق لیں اور جو ہادی ہماری طرف سے وقتاً فوقتاً آتے رہیں ان کی ہدایت پر عمل کرتے رہیں۔

٨۔ جو نافرمانی ہوئی تھی وہ آدمؑ و حوّاؑ دونوں سے ہوئی تھی۔ مگر ذکر کیا گیا ہے صرف عصیانِ آدمؑ کا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ حوّا کا چونکہ نبوّت سے تعلق نہ تھا اس لیے گیہوں کھانا ان کے لیے داخلِ عصیاں نہ تھا۔ آدمؑ کے لیے بلحاظِ نبوّت اتنی ہی بات بھی داخلِ عصیاں بن گئی۔ سچ ہے جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ

ع ١٣ / ١٦

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

وہ کہے گا الٰہی میں تو دُنیا میں سیانکھا تھا تُو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا۔ خدا فرمائے گا، ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں تُو انہیں بُھلا بیٹھا اسی طرح آج تُو بھی بُھلا دیا جائے گا اور جس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہ لایا اُس کو بھی ہم یوں ہی بدلہ دیں گے اور آخرت کا عذاب بڑا سخت اور باقی رہنے والا ہے۔ کیا ان (اہلِ مکّہ) کو خدا نے یہ نہیں بتا دیا تھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ جن کے گھروں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ اس میں عقلمندوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی ایک وعدہ اور (عذابِ) وقت مقرر نہ ہوتا تو (ان کی حرکتوں سے) عذاب آنا لازمی بات تھی۔ (اے رسول) جو کچھ یہ کفّار کہا کرتے ہیں تم اس پر صبر کرو اور آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے قبل اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح کیا کرو، اور کچھ رات کے وقتوں میں اور دن کے کناروں میں تسبیح کرو تاکہ تم نہال ہو جاؤ۔

طلوعِ آفتاب سے قبل نمازِ صبح مراد ہے اور قبل غروب سے نمازِ عصر اور اطرافِ شب سے مغرب و عشا اور دن کے اطراف سے نمازِ ظہر و نافلۂ ظہر مراد ہے۔ یوں پانچوں نمازوں کی تصریح ہو جاتی ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا

فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

اے رسول تم آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو زندگانیِ دُنیا کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے تاکہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور تم خود بھی اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے روزی تو طلب کرتے نہیں ہم تو خود تم کو روزی دیتے ہیں اور پرہیزگاری کا تو انجام بخیر ہے۔ (اہلِ مکّہ) کہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ (ہماری مرضی کے مطابق) کیوں نہیں لاتے تو کیا جو (پیش گوئیاں) اگلی کتابوں اور (توریت و انجیل) میں ہیں (اس کی گواہ ہیں) وہ بھی ان کے پاس نہیں پہنچیں۔ اگر ہم ان کو اس رسول سے پہلے ہلاک کر ڈالتے تو کہہ دیتے کہ اے پالنے والے تُو نے اس سے پہلے ہمارے پاس رسول کیوں نہ بھیجا۔ ہم اپنے ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی پیروی کرتے۔ کہہ دو ہر شخص اپنے انجام کا منتظر ہے تو تم بھی انتظار کرو پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھی راہ والے ہدایت یافتہ کون ہیں (اور کج رو کون ہیں)۔

یہاں سے آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اے رسولؐ جن لوگوں نے حرام طریقہ سے دولت جمع کر لی ہے اور بڑے ٹھاٹ سے زندگی بسر کر رہے ہیں تم انہیں آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ حلال روزی جو ہم نے تم کو دی ہے چاہے وُہ تھوڑی ہی ہے لیکن وہ اُس حرام کمائی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ ایک بار آپؐ کے یہاں مہمان آیا۔ آپؐ نے ایک یہودی سے قرض آٹا مانگا۔ اُس نے کہا بغیر کوئی چیز گرو رکھے نہ دوں گا۔ پس

یہ آیت آپؐ کو تسلّی دینے کے لیے نازل ہوئی۔

جب یہ آیت نازل ہوئی وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ (۲۰/۱۳۲) تو آپؐ آٹھ ماہ تک حضرت علیؑ کے دروازہ پر نمازِ صبح کے وقت آکر فرماتے تھے :

اَلصَّلٰوةُ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ "اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا ـ" (اَلۡاَحۡزَاب ۳۳/۳۳)

یہودیوں سے کہا جا رہا ہے کہ قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل ہو چکی ہیں کیا وہ تم نے پڑھی نہیں، ان سب کا عطر اس قرآن میں موجود ہے۔ یہ کتاب ایک ایسا شخص پیش کر رہا ہے جس نے تمہاری کتابوں کو پڑھا ہی نہیں۔ پس اس سے بڑا ثبوت اس کی نبوّت کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس پر مزید یہ کوئی چیز طلب نہیں کرتا پھر اسے نہ ماننا تمہاری حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

اس عمل رسولؐ سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کے اہلِ بیتؑ کون تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی بی بی کے دروازہ پر جاکر ایسا نہیں کیا۔

(۲۱) سُوۡرَةُ الۡاَنۡبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ (۷۳)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ ① مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۙ ② لَاهِيَةً قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى ۖ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۖ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ③ قٰلَ رَبِّیۡ يَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِی السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؗ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ④ بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۭ بَلِ افۡتَرٰىهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۖ فَلۡيَاۡتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ⑤

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آپہنچا اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہی پڑے ہیں۔ جب ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نیا حکم آتا ہے تو اُسے کان لگا کر سُن تو لیتے ہیں پھر ہنسی مذاق میں اُڑا دیتے ہیں۔ ان کے دل (آخرت کے خیال سے بالکل) بے خبر ہیں۔ یہ ظالم چپکے چپکے کانا پھوسی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص (محمدؐ کچھ بھی نہیں) بس تم ہی جیسا ایک آدمی ہے تو کیا تم دیدہ و دانستہ جادو میں پھنستے ہو۔ رسول نے کہا میرا رب ان تمام باتوں کو سُنتا ہے جو آسمان میں ہوں یا زمین میں، وہ بڑا سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ بلکہ بعض تو یہ بھی کہنے لگتے ہیں یہ قرآن تو

خوابہائے پریشاں کا مجموعہ ہے بلکہ جھوٹ مُوٹ بنا لیا ہے بلکہ یہ شخص شاعر ہے اگر یہ سچا رسول ہے
تو جس طرح پہلے پیغمبر معجزات اپنے ساتھ لاتے تھے یہ بھی کوئی معجزہ لاتا۔

قیامت کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخر الزمانؐ آچکے اور ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں
تو سمجھ لینا چاہئے کہ زندگانیِ کائنات کا بڑا حصہ ختم ہو گیا تھوڑا سا حصہ باقی ہے کیونکہ خدا نے اپنا آخری نبی بھیج کر
آگاہ کر دیا کہ بس اس کی آمد قربِ قیامت کی دلیل ہے۔
غفلت میں پڑے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دُنیا کے عیش و آرام اور کاروبار کی گہما گہمی نے ان کو آخرت کی
طرف سے غافل بنا دیا ہے اور دنیا کے کھیل تماشوں میں ایسے غرق ہوئے ہیں کہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں
کرتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔
مشرکینِ مکہ سرگوشیاں اس بارہ میں کرتے تھے کہ یہ شخص جو دعوٰیِ رسالت کرتا ہے آخر ہے کیا۔ یہ رسول
تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ہم ہی جیسا آدمی ہے۔ ہماری طرح سارے کام کرتا ہے پھر اسے رسول کیسے مان لیا جائے
بھلا اس کی باتوں میں جو خوابہائے پریشاں کی طرح کبھی کچھ کبھی کچھ بیان کرتا ہے دیدہ و دانستہ کیسے آجائیں۔
اور ان افترا پردازیوں کو کیسے صحیح مان لیں یہ کچھ بھی نہیں ایک مردِ شاعر ہے یا دیوانہ ہے اگر رسول ہوتا تو جیسے
پہلے انبیاءؑ معجزات دکھاتے تھے یہ بھی کوئی ایسا معجزہ دکھاتا جیسا ہم چاہتے ہیں۔ چونکہ جاہل تھے اور بات سمجھنے کی
قابلیت نہ تھی لہٰذا ایسی ہی بکواس کرتے رہتے تھے۔ چاہے وہ کتنی ہی کانا پھوسی کریں اللہ تو ان سب کی باتوں
کو سنتا ہے۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَمَآ
اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦

ہم نے ان سے پہلے جن بستیوں کو ہلاک کیا تھا کیا (وہ معجزہ دیکھ کر) ایمان لے آئے تھے (جو یہ ایمان
لے آئیں گے) اے رسول ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا ہم ان کے پاس
وحی بھیجا کرتے تھے (جیسے تمہارے پاس بھیجتے ہیں)۔ اگر تم غور نہیں کرتے تو عالموں سے پوچھ دیکھو۔

مفسرین نے اہل الذکر کے مصداق میں بہت کچھ اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد علمائے
اہلِ کتاب ہیں لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ ان کے پاس محرّف کتابیں ہیں جن میں سے آنحضرتؐ کا ذکر ہی اُڑا دیا ہے۔ بعض نے کہا
قرآن مراد ہے لیکن قرآن صامت ہے وہ کیونکر بتائے گا۔ بعض نے کہا کہ علمائے وقت مراد ہیں لیکن ان کے درمیان
تو بے حد اختلاف ہے۔ تہتّر فرقے بنائے بیٹھے ہیں۔ لہٰذا اہل الذکر کچھ اور ہی لوگ ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا
ہے ہم اہلِ ذکر ہیں، ان سے پوچھنے کے لیے اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ کتبِ سماوی کے عالم ہیں وہ انبیاءؑ کے حالات
کو صحیح طور سے بتا سکتے ہیں۔ ان کے معجزات اور ان کی قوموں کے انکار کا پورا پورا حال بتا سکتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ ثُمَّ
صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨ لَقَدْ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ
قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا
بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ
فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭
فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮

ع ۱

ہم نے ان پیغمبروں کو ایسا جسم نہیں دیا تھا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور اس دُنیا میں ہمیشہ رہنے والے
ہوں۔ پھر ہم نے (کافروں کے متعلق) جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔ ان (پیغمبروں) کو اور
جن کو ہم نے چاہا عذاب سے بچا لیا اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کیا۔ ہم نے تو تم لوگوں پر وہ
کتاب (قرآن) نازل کی ہے جس میں تمہارا ذکر بھی ہے تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ بہت سی بستیوں
کو جن کے باشندے ظالم تھے ہم نے تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا کیا۔

جب لوگوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو ایکا ایکی بھاگنے لگے (ہم نے کہا) بھاگو نہیں اور انہیں بستیوں میں لوٹ جاؤ جن میں تم چین کرتے تھے تاکہ تم سے کچھ پوچھ گچھ کی جائے۔ وہ لوگ کہنے لگے، ہائے ہماری شامت بیشک ہم سرکش تھے۔ غرض وہ تو برابر یہی پکارا کیے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ٹھنڈا کر کے رکھ دیا۔

اہلِ مکّہ سے کہا جا رہا ہے کہ تم ہمارے رسولؐ کی رسالت سے اس لیے انکار کرتے ہو کہ وہ کھاتے پیتے چلتے پھرتے ہیں لیکن بے وقوفو ہم نے اس سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے تھے۔ جو لوگ حد سے آگے بڑھ گئے اور انہوں نے ہمارے رسولوں کو ستایا تو آخر ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور اس شرک و کفر کی سزا میں بستیوں کی بستیاں تباہ کر دیں۔ تم ان سے سبق کیوں نہیں حاصل کرتے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار تو نہیں پیدا کیا اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے

اور بس یہی ہمیں کرنا ہوتا تو اپنے ہی پاس سے کر لیتے (یعنی ہم خود ہی کھیل لیتے مگر ہمارے لیے یہ شایاں نہیں) بلکہ ہم تو حق کو ناحق کے سر پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ باطل کے سر کو کچل دیتا ہے اور وہ اسی وقت نیست و نابود ہو جاتا ہے افسوس ہے تم پر کہ ایسی ناحق باتیں بنایا کرتے ہو حالانکہ جو فرشتے آسمان و زمین میں ہیں سب اُسی کے بندے ہیں اور جو فرشتے اس کی سرکار میں ہیں نہ تو وہ اس کی عبادت کی شیخی مارتے ہیں اور نہ (عبادت سے) تھکتے ہیں۔ رات دن اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں۔ کبھی کاہلی نہیں کرتے۔ اُن لوگوں نے جو معبود زمین پر بنا رکھے ہیں کیا وہی (لوگوں کو) زندہ کریں گے اگر آسمان و زمین میں چند معبود ہوتے تو دونوں کب کے برباد ہو گئے ہوتے۔ جو باتیں لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں وہ ان تمام عیبوں سے پاک ہے، وہ عرش کا مالک ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی ہاں اور لوگوں سے پوچھ گچھ ہوگی۔

یعنی آسمان و زمین اور کچھ ان کے درمیان مخلوق پائی جاتی ہے یہ ہم نے کوئی کھیل تماشہ نہیں بنایا۔ ان کے درمیان ایک حکیمانہ نظام ہے ہر شے میں اس کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں ہیں۔ ذرّہ سے لے کر آفتاب تک قطرہ سے لے کر سمندر تک ایک پتّی سے لے کر پورے درخت تک ایک مدبّر کامل اور قادرِ مطلق کا بنایا ہوا انتظام ہے جو چل رہا ہے۔ دیکھنے والی آنکھ اور سمجھنے والا دل ہونا چاہیئے۔ کیا کھیل تماشے کی چیزیں ایسی ہی بنائی جاتی ہیں۔ اگر ہمیں کھیلنا ہی ہوتا تو خود اس سے لطف اندوز ہو کر رہ جاتے۔ اپنی مخلوق کو اس کشمکش میں کیوں ڈالتے۔ انسانوں کے لیے ایک نظامِ حیات کیوں قائم کرتے ان کی عقلوں کا امتحان کیوں لیتے۔ ان سے حق و باطل میں تمیز کیوں کراتے۔ دُنیا و آخرت کے جھگڑے میں انہیں کیوں ڈالتے۔ یہ سب کارخانہ بے شمار مصالح پر مبنی ہے۔ اس کے راز سمجھانے کے لیے ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا۔ اپنی کتابیں نازل کیں نیکی و بدی کی جزا مقرر کی۔

ہم نے جو کچھ بنایا ہے اس کے متعلق اپنے بندوں کے لیے جو احکام نازل کیے ہیں وہ سب حق ہی حق ہے۔ باطل کو ہماری حکومت میں کوئی راہ نہیں۔ ہم حق کے ہاتھوں باطل کی سرکوبی کراتے رہتے ہیں۔ حق کے سامنے باطل کے پیر نہیں جمنے دیتے۔

تمہارا ستیاناس ہو تم خدا کے متعلق کیسی لغو اور دُور از عقل باتیں کرتے ہو۔ کہتے ہو فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ ہمارے نہ جورُو ہے نہ اولاد۔ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے ہماری مخلوق ہے۔ یہ فرشتے سب ہمارے بندے ہیں ہمارے عبادت گزار ہیں وہ عبادت کر کے شیخی نہیں بگھارتے کہ ہم نے اتنی عبادت کی ہے۔ تم لوگ اکڑتے ہو ان میں یہ بات نہیں۔ وہ دن رات خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ غور تو کرو کیا جن چیزوں کو ہماری مخلوق میں سے تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے کیا ان میں یہ طاقت ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ کر سکیں۔ اتنی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر آسمان و زمین میں چند خدا ہوتے تو کیا یہ نظام

برقرار رہ سکتا تھا۔ کیا یہ کارخانہ اس عاقلانہ نظام کے ساتھ چل سکتا تھا۔ ایک جسم میں اگر دو دماغ ہوں تو کیا نظام جسم برقرار رہ سکتا ہے ایک چھوٹے سے گھر میں اگر دو حکومتیں ہوں تو کیا وہ گھر تباہی و بربادی سے بچ سکتا ہے۔ ہر مدبر و منتظم یہی چاہتا ہے کہ جو کچھ ہو میری رائے سے ہو میرے حکم سے ہو۔ کیا اس صورت میں دو حکمرانوں کے درمیان لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہوگا سر پھٹول نہ ہوگی۔ پس جب یہ چھوٹے چھوٹے نظام دو حکمرانوں کے درمیان نہیں چل سکتے تو کارخانۂ عالم کیسے چل سکتا ہے۔ اگر کئی خدا ہوتے تو یہ تو کب کا بگڑ چکا ہوتا۔ پس جن بتوں کو تم اپنا معبود سمجھتے ہو ان کو نظام عالم میں کوئی دخل نہیں۔ یہ سب تمہارے خیالی پلاؤ ہیں، جن کو حقیقت سے دور کا واسطہ نہیں سمجھو اور اپنی حماقت پر شرماؤ۔ خدا قادرِ مطلق ہے اس سے پوچھ گچھ کا انہیں کوئی حق نہیں وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے ہاں وہ تمہاری ایک ایک بات کے متعلق باز پرس کرے گا اس کے لیے تیار رہو۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُم مُّعْرِضُونَ (۲۴) وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (۲۵) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ (۲۶) لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ (۲۷) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ (۲۸) وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (۲۹)

ع ۲ ۱۹ ۲

کیا اُن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر کچھ اور معبود بنا رکھے ہیں (اے رسول اُن سے) کہو تم کوئی دلیل تو پیش کرو جو لوگ میرے ساتھ ہیں (اس زمانہ والے) ان کی کتاب (قرآن) اور جو مجھ سے پہلے تھے ان کی کتابیں

(توریت وغیرہ) موجود ہیں ان سے خدا کا شریک ثابت کرو بلکہ ان میں سے اکثر تو حق بات کو جانتے ہی نہیں تو جب حق کا ذکر آتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجا تو اس کے پاس بھی وحی بھیجتے رہے کہ ہمارے سوا کوئی معبود و قابل پرستش نہیں تو میری عبادت کیا کرو۔ (اہلِ مکّہ) کہتے ہیں خدا نے فرشتوں کو اپنی اولاد (بیٹیاں) بنا رکھا ہے حالانکہ وہ اس سے پاک ہے بلکہ وہ (فرشتے) خدا کے معزز بندے ہیں وہ اس کے سامنے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور وہ اس کے حکم پر چلتے ہیں۔ غرض جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ سب خدا جانتا ہے یہ لوگ اس شخص کے سوا جس سے خدا راضی ہو کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے اور وہ اس کے خوف سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں جو کوئی کہے کہ خدا نہیں میں خدا ہوں تو ہم اس کو جہنّم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

پہلے خدا نے عقلی دلائل سے سمجھایا کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اب نقلی دلائل سے سمجھایا جاتا ہے کہ انبیائے سابقین پر جو کتابیں یا صحیفے نازل ہو چکے ہیں ان سے خدا کے سوا اور کسی کا معبود ہونا کہیں ثابت نہیں۔ اسی طرح تمہارے زمانہ میں جو قرآن نازل ہو رہا ہے اس سے بھی کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ (اے اہل مکّہ) اگر تم خدا کے سوا اوروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو تو عقلی یا نقلی کسی دلیل سے اپنے اس عقیدہ کو صحیح ثابت کرو۔ فرشتوں کو تم اس لیے قابل پرستش سمجھتے ہو کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں لیکن یہ تمہاری بکواس ہے۔ یہ ثابت کرو کہ خدا کو انہیں بیٹیاں بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اور اگر اس لیے تم ان کو معبود بنائے ہوئے ہو کہ وہ تمہاری سفارش کریں گے تو تمہارا یہ عقیدہ بھی غلط ہے اس کے سامنے بغیر اجازت کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ فرشتے اس کے بندے ہیں اور اس کے حکم کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے۔ تم اس پر غور کرو کہ جن مشرکوں سے خدا راضی نہیں اس کے فرشتے اُن کی سفارش کیوں کریں گے۔ وہ تو اس کے غضب سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے کو خدا کہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ جہنّم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (۳۰) وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (۳۱) وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا

مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

یہ کافر لوگ اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ یہ آسمان و زمین بستہ تھے ہم نے انہیں کھول دیا اور پانی (برساکر) ہر شے کو اس سے زندہ کیا۔ کیا وہ اسے نہیں مانتے۔ اور ہم نے زمین پر پہاڑ قائم کیے تاکہ انہیں لے کر جھک نہ جائے اور زمین میں ہم نے اس لیے لمبے چوڑے راستے بنائے تاکہ وہ اپنی منزل تک جا پہنچیں اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا درآنحالیکہ وہ خدا کی آیات سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اسی نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا اور یہ سیارے آسمان میں تیر رہے ہیں۔

آسمان و زمین کے بستہ ہوتے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دونو آپس میں بندھے ہوئے تھے اور خدا نے ان کو کھول دیا بلکہ یہ مطلب ہے کہ آسمان پانی نہیں برساتا تھا ہم نے اس سے پانی برسایا اور زمین نباتات نہیں اُگاتی تھی ہم نے اس سے غلہ اُگایا اور پانی سے ہر شے کو زندگی بخشی اس کے معنی یہ ہیں کہ روئے زمین پر جتنے جاندار پائے جاتے ہیں ان کی زندگی پانی پر موقوف ہے۔ نباتات کی زندگی پانی سے ہے اگر پانی نہ ملے تو روئے زمین کی تمام مخلوقات مر جائے گی۔

زمین پر پہاڑ اس لیے بنائے کہ وہ لوگوں کو لے کر ہلے جُلے نہیں۔ اجرام سماوی میں زمین سب سے چھوٹا کرّہ ہے اور سب سے ہلکا ہے لہٰذا پہاڑوں کی میخیں اس میں ٹھونک کر مضبوط بنا دیا۔ علاوہ بریں پہاڑوں سے بے شمار فوائد ہیں پھر اس نے اپنی قدرت سے پہاڑوں میں اور زمین کی سطح پر چوڑے اور تنگ راستے بنائے تاکہ آدمی ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سفر کر سکے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی جا سکے۔ اُس نے آسمان کو کیسی محفوظ چھت بنایا کہ اس کا کوئی گوشہ ٹوٹتا ہے نہ گرتا ہے نہ کہنگی کے آثار اس پر نمایاں ہیں۔ پھر اس نے رات اور دن بنائے، چاند سورج بنائے ان کے علاوہ اور بہت سے سیارے بنائے جو اپنے اپنے مدار پر تیرتے رہتے ہیں۔ یعنی گھومتے رہتے ہیں۔ تیرتے رہنے سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ فلک کوئی ٹھوس چیز نہیں بلکہ ایک خلا کا سمندر ہے جس میں سیارے اپنے اپنے مقررہ راستوں سے گزرتے رہتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ثبوت میں بہت سی چیزوں کو بیان فرمایا ہے۔ یہ سب چیزیں اپنا نظام جدا جدا رکھنے والی ہیں ان سب نظاموں کو بیک وقت چلانے والا خدا لئے واحد و یکتا ہے کیا یہ سب چیزیں کھیل تماشا کہی جا سکتی ہیں۔ کیا اس تمام مخلوقات سے جو فوائد انسانی نظام حیات کے برقرار رکھنے

میں پہنچ رہے ہیں کوئی ذی عقل اُن سے انکار کر سکتا ہے۔

کافر لوگ اگر اس پر بھی خدا کو نہیں مانتے اور اس کا ذکر سن کر منہ موڑ لیتے ہیں۔ رسولؐ کی بات کان لگا کر نہیں سنتے تو یہ ان کی دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے۔ سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی جو لوگ خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو خدا بنائے ہوئے ہیں کیا وہ اس قابل نہیں کہ انہیں جہنّم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جھونک دیا جائے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

ہم نے تم سے پہلے (اے رسول) کسی آدمی کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ پس اگر تم مر جاؤ تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے (ہرگز نہیں) ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ ہم تم کو بدی اور نیکی میں امتحان لے کر آزمائیں گے اور ہماری طرف تم لوٹ کر آؤ گے۔ اے رسول جب کافر لوگ تمہیں دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں کہتے ہیں کیا یہی حضرت ہیں جو ہمارے معبودوں کا ذکر (بُرائی سے) کرتے ہیں اور یہ لوگ خدا کی یاد سے انکار کرتے ہیں (تو ان کی بیوقوفی پر ہنسنا چاہیئے) آدمی تو بڑا جلد باز پیدا کیا گیا ہے عنقریب میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا پس تم جلدی نہ کرو۔

جب یہ طے شدہ بات ہے کہ اس دُنیا میں کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں ایک نہ ایک دن سب کو مرنا ہے تو یہ کفار و مشرکین اپنی موت کو کیوں بھولے بیٹھے ہیں۔ تمہارے مرنے کی تو دعائیں مانگتے ہیں لیکن اپنی موت کا تصوّر نہیں کرتے۔ کیا یہ موت کے پنجہ میں آنے سے بچ جائیں گے۔ ہم نے جو لوگوں کو مہلت دی ہے وہ صرف اس لیے کہ خوش حالی اور بد حالی دونوں میں ان کا امتحان لیں اور یہ دیکھیں کہ خوش حالی کے زمانہ میں یہ متکبر و مغرور تو نہیں

ہوجاتے ہمیں یاد رکھتے ہیں یا نہیں ۔ اور مفلسی ہیں اور تنگدستی کے وقت میں یہ کمینہ خصلت تو نہیں بن جاتے ہیں۔ ہماری طرف سے منہ تو نہیں موڑ لیتے ۔ ہماری رحمت سے مایوس تو نہیں ہو جاتے ۔ بہرحال دونوں حالتوں میں اپنے عمل کے یہ مختار ہیں جو چاہیں کریں ۔ آخر ایک دن انہیں ہمارے سامنے آنا پڑے گا تب اُن سے سمجھ لیں گے ۔

کفار حضرت رسولِ خداؐ کا مذاق اڑاتے تھے ۔ نمعلوم کیا کیا کہتے ہوں گے ۔ ان میں سب سے بڑی بات جو بار بار ان کی زبان پر آتی ہو گی وہ یہ ہے کہ حضرتؐ کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ یہ ہیں وہ جناب جو ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں ، ان کو باطل قرار دیتے ہیں انہیں تو درحقیقت اپنی بے عقلی کا مذاق اڑانا اور باطل پرستی کا ماتم کرنا چاہیئے تھا کہ وہ ایسے بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں جنہیں خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے اور جو کسی مصرف کے نہیں ۔ نہ لیپنے نہ پوتنے ۔

چونکہ انسان فطرتاً جلد باز ہے اس لیے جب رسولؐ ان کو عذاب سے ڈراتے ہیں تو کہتے ہیں اُسے ہم پر لاتے کیوں نہیں یعنی طلب عذاب میں اپنی فطرت کے مطابق جلدی کرتے ہیں ۔ وہ جلدی نہ کریں عنقریب ان پر عذاب آئے گا اور ضرور آئے گا ۔ وہ بچنے کے نہیں ۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤١﴾

کافر لوگ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ قیامت کا وعدہ کب پُورا ہو گا جو لوگ کافر ہو گئے ہیں کاش اس روز کی حالت سے واقف ہوتے جب جہنّم کی آگ میں کھڑے ہوں گے تو نہ اپنے چہروں سے آگ کو ہٹا سکیں گے نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۔ (قیامت کچھ جتا کر تو آنے سے رہی) بلکہ وہ تو اچانک ان پر آ پڑے گی وہ حیران ہو کر رہ جائیں گے نہ اس کے ہٹانے کی ان میں طاقت ہو گی ۔

نہ ان کو مُہلت دی جائے گی ۔ اے رسول تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ مسخرا پن کیا جا چکا ہے تو ان مسخرا پن کرنے والوں کو اس سخت عذاب نے گھیر لیا جس کی وُہ ہنسی اڑایا کرتے تھے ۔

قیامت کے حالات جب حضورؐ بیان فرماتے تو مشرکین مذاق اُڑاتے ، کہتے یہ سب ڈرانے دھمکانے کی باتیں ہیں جو صورتیں عذاب کی یہ بیان کرتے ہیں سب من گھڑت ہیں ۔ اگر سچے ہیں تو خدا کے اس وعدہ کو پورا کر کے کیوں نہیں دکھاتے ۔ خدا جہنّم کے عذاب کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتا ہے قیامت جب آئے گی تو یکایک اُن پر آن پڑے گی ایسا نہیں ہوگا کہ پہلے سے اس کا ڈھنڈورا پیٹا جائے ۔ جب آئے گی تو کسی کی مجال نہیں کہ اُسے ہٹا دے ۔ یا مہلت مانگ لے ۔ اس کے بعد رسولؐ کی تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ کفار و مشرکین تم سے پہلے رسولوں کا مذاق بھی اُڑا چکے ہیں ۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو ، اپنے کام کو جاری رکھو ہم ان سے بھگت لیں گے ۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿٤٥﴾

(اے رسول اُن سے پوچھو) رات یا دن میں خدا کے عذاب سے تمہیں بچانے والا کون ہے (ڈرنا کیسا) بلکہ یہ لوگ تو خدا کے رب ہونے کا ذکر سننے سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں ۔ کیا ان کے کچھ معبود ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے بچا سکتے ہیں (وہ کیا بچائیں گے) خود اپنی مدد آپ نہیں کر سکتے اور نہ ہماری ہی تائید انہیں حاصل ہو گی ۔ بلکہ ہم ہی نے ان کو اور ان کے بزرگوں کو آرام اور چین دیا یہاں تک کہ ان

کی عمریں بڑھ گئیں کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم روئے زمین پر چاروں طرف سے قبضہ کرتے اور اس کو فتح کرتے چلے آتے ہیں تو کیا (اب بھی) یہی لوگ غالب ہیں تو ان سے کہہ دو میں تو لوگوں کو وحی کے مطابق عذاب سے ڈراتا ہوں مگر تم لوگ تو گویا بہرے ہو بہروں کو جب ڈرایا جاتا ہے تو آواز ہی کو نہیں سنتے۔

اے رسول جو لوگ ہمارے ذکر کو سُننا نہیں چاہتے ان سے کہو کہ اگر رات یا دن میں خدا کا عذاب تمہیں آ گھیرے تو تمہارا کون سا پہریدار ہے جو اس سے تم کو بچالے گا جو تمہارے معبود خود اپنے کو عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتے وہ بھلا تم کو کیا بچائیں گے۔ انہیں ہماری کوئی تائید حاصل نہیں چونکہ یہ لوگ اور ان کے آباؤ اجداد خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے اور ان کی عمریں بھی لمبی ہوگئیں لہٰذا اس کی بدمستی میں یہ آخرت کا خیال اور خدا کی بالادستی سب کچھ بھول گئے اور اس خیال میں مگن رہے کہ ہماری حکومت ہماری دولت اور عزت کون ہم سے چھین سکتا ہے لیکن وہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم انہیں زمین کے ہر حصّہ میں گھیرتے چلے آرہے ہیں اور اپنی حاکمیت کی شان دکھاتے رہے ہیں۔ طرح طرح کی بلائیں ان پر آتی رہتی ہیں۔ کبھی قحط ہے کبھی کوئی بیماری۔ کبھی سیلاب کبھی آتشزدگی۔ کبھی باہمی جنگ، ان سب بلاؤں سے عرصۂ حیات ان پر تنگ ہوجاتا ہے اور ان کی ساری ہیکڑی دم بھر میں نکل جاتی ہے۔ جس زمین پر ان کی حکومت ہوتی ہے حوادثِ روزگار سے وہ ان کے قبضہ سے نکل جاتی ہے۔

اے رسولؐ، تم ان سے کہہ دو کہ میں جس عذاب سے تمہیں ڈراتا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وحی کی بتائی ہوئی بات کہتا ہوں مگر افسوس ہے کہ تم تو دل کے بہرے ہو تمہیں کیا ڈراؤں۔ میری بات سُن تو لیتے ہو مگر اس کو مانتے نہیں اور سُنی اَن سُنی کرتے رہتے ہو پس گویا تم کانوں سے نپٹ بہرے ہو۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

اگر کہیں تمہارے پروردگار کے عذاب کی ذرا سی ہوا بھی لگ گئی تو کہنے لگے ہائے افسوس واقعی ہم ہی

ظالم تھے اور ہم قیامت کے دن (بندوں کے اعمال تولنے کے لیے) انصاف کی ترازوئیں کھڑی کردیں گے پس کسی شخص پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اگر ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو ہم اسے حاضر کرلیں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے بہت کافی ہیں۔

روزِ قیامت جو میزانِ اعمال نصب ہوگا اس سے مراد میزانِ عدل و انصاف ہے یعنی از روئے عدل ہر ایک کے نیک و بد عمل کو جانچا جائے گا۔ لوگوں کو سمجھانے کے لیے ترازو کا ذکر کیا گیا۔ ورنہ وہ کوئی ایسی ترازو نہ ہوگی جیسی ہم چیزوں کے تولنے میں استعمال کرتے ہیں۔

بعض علمائے لکھا ہے کہ ہر امت کے اعمال اس کے نبی کے اعمال کے مقابل رکھ کر دیکھے جائیں گے کہ کتنے عمل اس نبی کے عمل سے ملتے جلتے ہیں کتنے اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے، لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ۔" ۲۵/۵۷ "(ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان نازل کی)۔ کتاب سے مراد کتاب تشریعی نہیں کیونکہ ایسی کتاب کوئی رسول اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آتا بلکہ اس کتاب سے مراد کتاب وجودی ہے۔ میزان سے مراد اس کے اعمال ہیں پس اسی کے مطابق اس کی امت کے اعمال کی جانچ ہوگی۔

علمائے اخلاق کا خیال ہے کہ یہ میزان اخلاقِ حسنہ کا خطِ وسط ہوگا جو میزانِ اعمال قرار دیا جائے گا۔ جو عمل اس خطِ وسط سے نیچے اوپر ہوں گے وہ افراطی صورت میں ہوں گے یا تفریطی۔ انہی کے لحاظ سے ان کو جزا و سزا ملے گی۔

لوگوں کا یہ خیال کہ کوئی عمل خدا سے پوشیدہ رہے گا غلط ہے وہاں تو رائی کے دانہ کے برابر جو عمل جہاں بھی کیا ہوگا اس کو خدا کے سامنے حاضر کیا جائے گا۔ جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی اس کو اس کے لحاظ سے اچھا بدلہ ملے گا اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی اس کو اس کے لحاظ سے سزا دی جائے گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم نے موسٰی و ہارون کو (ایسی کتاب دی جو) حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے جو قلوب میں روشنی

پیدا کرنے والی ہے جس میں ذکرِ الٰہی ہے پرہیزگار لوگوں کے لیے جو بے دیکھے اپنے ربّ سے خوف کھاتے ہیں اور روزِ قیامت سے بھی ڈرتے ہیں - یہ (قرآن بھی) مبارک ذکر ہے جسے ہم نے تم پر نازل کیا ہے تو کیا تم لوگ اُسے نہیں مانتے -

خدا سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو توحید، بہشت، دوزخ، قیامت، حساب میزان کا اعتقاد رکھتے ہیں - یہ حدیث ابنِ عباسؓ سے مروی ہے -

توریت اگرچہ سب کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی تھی مگر اس سے فائدہ حاصل کرنے والے پرہیزگار لوگ ہی تھے، یہی صورت قرآن کی ہے جیسا کہ سورۂ بقر کے آغاز ہی میں کہا گیا ہے - هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (متقیوں کے لیے سرتاپا ہدایت ہے)-

---

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے (بچپن ہی سے) فہمِ سلیم عطا کر دی تھی اور ہم ان کی حالت سے خوب واقف تھے - (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے (اپنے منہ بولے) باپ سے اور اس کی قوم سے

کہا یہ کیسی مورتیاں ہیں جنہیں تم گھیرے بیٹھے ہو - انہوں نے کہا ہم نے اپنے بزرگوں کو ان کی عبادت کرتے دیکھا ہے (حضرت) ابراہیم نے کہا تم اور تمہارے بزرگ کھُلی گمراہی میں تھے - انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس حق بات لے کر آئے ہو یا دل لگی کر رہے ہو - فرمایا (یہ مورتیاں تمہارے خدا نہیں ہیں) بلکہ تمہارا ربّ آسمان و زمین کا ربّ ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں خود تمہارے سامنے گواہ ہوں خدا کی قسم تمہارے منہ پھیرنے کے بعد میں تمہارے بُتوں سے ایک چال چلوں گا - پس ان سب کو توڑ پھوڑ کر چکنا چُور کر دیا مگر بڑے بُت کو (اس خیال سے) رہنے دیا کہ (جب وہ لوگ عیدگاہ سے واپس آئیں تو) اپنے بڑے بُت کی طرف رجوع کریں -

ان آیات کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے مذہب کو ان لوگوں سے چھپائے ہوئے تھے موقع محل سے بُتوں کی بُرائیاں کرتے رہتے تھے - عید کے دن جب سب لوگ عیدگاہ جانے لگے تو حضرت ابراہیمؑ سے بھی چلنے کو کہا آپؑ عذر کر کے رُک گئے - جب وہ لوگ چلے گئے تو آپؑ کلہاڑا لے کر ان کے مندر میں پہنچے اور جاتے ہی بزن بول دیا - سارے بُتوں کو چکنا چُور کر کے زمین پر ڈال دیا - بڑے بُت کو چھوڑ دیا اور کلہاڑا اس کے گلے میں ڈال کر مندر سے نکل آئے -

---

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۭ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۭ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۭ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ

وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

(جب وہ عیدگاہ سے لوٹے اور بتوں کی یہ مٹی پلید دیکھی تو آپس میں) کہنے لگے جس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ عمل کیا ضرور ظالموں میں سے ہے۔ کچھ لوگ کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان بتوں کا (بری طرح) ذکر کرتے سنا ہے سب نے کہا تو اس کو (گرفتار کرکے) سب لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ جو کچھ وہ کہے سب اس کے گواہ رہیں۔ جب حضرت ابراہیم پکڑے ہوئے آئے تو انہوں نے کہا کیا تم نے ہمارے خداؤں کی یہ گت بنائی ہے انہوں نے فرمایا بلکہ ان کے بڑے نے یہ حرکت کی ہے اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔ وہ اپنے دلوں میں سوچنے لگے پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے بے شک تم خود ہی برسرِ ناحق ہو، ان لوگوں کے سر (اس گمراہی میں) جھکا دیئے گئے (اور جب کچھ کہتے نہ بن پڑا) تو کہنے لگے تم جانتے ہو کہ بت بولا نہیں کرتے۔ حضرت ابراہیم نے کہا تو کیا تم خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان ہی کر سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر اور اس چیز پر جسے تم خدا کے سوا پوجتے ہو تم اتنا بھی نہیں سمجھتے

جن لوگوں کو عصمتِ انبیاءؑ پر ضرب لگانے میں مزہ آتا ہے، کہتے ہیں، ابراہیمؑ نے جھوٹ بولا جو کام خود کیا تھا وہ مندر کے بڑے بت کے سر تھوپ دیا۔ یہ ناسمجھی کی باتیں ہیں جھوٹ تو جب ہوتا جب ان لوگوں کے پوچھنے پر یہ کہتے میں نے ایسا نہیں کیا۔ آپؑ نے اپنے فعل کی نسبت حقیقی خدا کی طرف دی تھی یعنی ان معبودوں میں جو سب سے بڑا معبودِ حقیقی ہے اس نے کیا ہے۔ چونکہ انبیاءؑ کے کام خدا کی طرف منسوب ہوتے ہیں لہٰذا اس میں جھوٹ کیا ہوا۔ اس کا ثبوت شبِ ہجرت کا واقعہ ہے جب آنحضرتؐ نے محاصرہ کرنے والے کفار کی طرف خاک پھینکی تھی تو خدا فرماتا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۸/۱۷ ” (اے رسولؐ جو خاک تم نے پھینکی وہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی)۔ پس مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں کی طرف خدا ہونے کی نسبت دی جاتی ہے ان میں سب سے بڑے نے یہ کام کیا ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک شرط کے ساتھ ایسا فرمایا تھا یعنی اگر یہ بولتے ہوں تو ان کے بڑے نے یہ کام کیا ہے ورنہ پھر کسی اور نے کیا ہے چونکہ وہ نہ بولا لہٰذا وہ فعل اس کا نہ ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ کو ان پر عملاً یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس بڑے نے اپنی چھوٹوں سے ناخوش ہو کر انہیں توڑا پھوڑا ہوگا اور اگر اس میں یہ طاقت نہ تھی تو کسی دوسرے کا فعل تھا۔ اس بھاری بھر کم سردار نے جب اپنے ساتھیوں کی یہ

گت بنتے دیکھی تو بت شکن کو روکا کیوں نہیں۔ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ ان چھوٹے معبودوں سے ناخوش تھا ان کا معبود بننا اسے پسند نہ تھا پس اس صورت میں جبکہ ان کا سردار ان کی خدائی نہیں مانتا تو تم کیوں مانتے ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اتنا ناکارہ تھا کہ بت شکن کا ہاتھ نہ روک سکا پس تم ایسے ناکاروں کو اپنا معبود کیوں مانتے ہو دونوں صورتوں میں تمہاری باطل پرستی کا بھانڈا پھوٹتا ہے۔

اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ یہ سمجھاتے رہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ان بتوں میں کوئی طاقت نہیں۔ لیکن جب لوگ نہ مانے تو اب عملاً ان کو دکھانا تھا کہ یہ بت ناکارہ ہیں یہ تمہیں تو کیا بچائیں گے ان میں تو اپنی ذات کو بچانے کی بھی طاقت نہیں پھر اللہ کو چھوڑ کر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو حضرت ابراہیمؑ کی یہ ہمت دیکھئے کہ اگرچہ ساری قوم میں ان کے سوا کوئی خدا پرست نہیں اور سب دشمنِ جاں ہیں لیکن کس دلیری سے ان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ کے مفسرین نے دو معنی لیے ہیں اوّل یہ کہ ان کے سر جھکا دیئے گئے۔ یعنی اپنے اس کہنے پر انہیں شرم آئی دوسرے یہ کہ اپنے سروں کے بل اوندھا دیئے گئے۔ سیاقِ کلام سے یہی ثابت ہوتا ہے یعنی پہلے تو دلوں میں سوچا کہ واقعی ظالم تو ہم خود ہی ہیں کہ ان ناکارہ بتوں کو معبود مانے ہوئے ہیں۔ پھر عصبیت ان پر غالب آگئی اور اس کی وجہ سے ان کی عقل اوندھی ہوگئی اور بتوں کی حمایت پر تل بیٹھے۔ اگر وہ اپنے عقیدہ پر شرمندہ ہوتے تو حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کا منصوبہ نہ باندھتے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جو سچی بات کہی تھی اس کی چوٹ تو ان کے دلوں پر پڑی مگر ضد نے دیرپا ثابت نہ ہونے دی فوراً پلٹ گئے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

(حضرت ابراہیمؑ کا کلام سن کر) ان لوگوں نے کہا اسے جلا دو اور اگر کر سکتے ہو تو (اس طرح) اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ (انہوں نے جب آگ کی طرف پھینکا) تو ہم نے آگ سے کہا اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور ان کو صحیح سلامت رکھ۔ انہوں نے ابراہیم کے ساتھ چالبازی کی تھی مگر ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔

جب یہ طے پا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو جلا دینا چاہیئے تو ایک جگہ لکڑیوں کا انبار لگایا گیا اور اس پر

تیل چھڑک کر آگ لگائی گئی۔ اس کے بے پناہ شعلوں نے کئی میل تک فضا کو اتنا گرم کر دیا کہ پرندے جُھلس جُھلس کر گرتے تھے اس کے بعد ایک منجنیق ڈھیکلی کی صورت میں بنائی گئی تاکہ حضرتؑ کو اس میں بٹھا کر آگ کی طرف پھینک دیا جائے۔ یہ حال دیکھ کر فرشتوں میں اضطراب پیدا ہوا اور بارگاہِ باری میں عرض کرنے لگے۔ بارِ الٰہا روئے زمین پر تیرا نام لینے والا صرف ایک ابراہیمؑ ہی ہے کیا تُو اُسے جلوا دے گا۔ اجازت دے کہ ہم اس کی مدد کو جائیں۔ حکم ہوا، جاؤ اور اگر وہ تمہاری مدد قبول کرے تو کرو۔ ابھی ابراہیمؑ منجنیق سے جُدا ہو کر آگ تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ جبریلؑ نے آ لیا پوچھا اے ابراہیمؑ، کیا تمہاری کوئی حاجت ہے۔ فرمایا ہے تو مگر تم سے نہیں۔ جبریلؑ نے کہا۔ پھر جس سے ہے اُس سے کہو۔ فرمایا، اس سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ تم واپس جاؤ۔ غرض ابراہیمؑ آگ تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ وُہ ٹھنڈی ہو چکی تھی اور وہاں انگاروں کی جگہ پھُول بکھرے پڑے تھے اور شعلوں کی جگہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ نمرود اپنے محل سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ حیران رہ گیا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ دل میں کہنے لگا، ابراہیمؑ کا خدا ضرور سچا اور قابلِ پرستش ہے۔ لیکن اپنی خدائی کی لاج میں پھر اس کا خیال بدل گیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِىْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع

ہم نے ابراہیم اور لوط کو (ان سرکشوں سے بچا کر) سرزمینِ شام میں پہنچا دیا جس میں ہم نے سارے جہان کے لیے برکتیں نازل کی تھیں اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) انعام میں دیا

اور سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے ان کو لوگوں کا پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے ان کو وحی کی نیک کام کرنے کی، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور لُوط کو بھی ہم ہی نے حکمت اور علم عطا کیا اور اس بستی سے نجات دی جہاں کے لوگ بدکاریاں کیا کرتے تھے وہ لوگ بُرے اور بدکار تھے اور ہم نے لُوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بے شک وہ نیک بندوں میں سے تھے۔

جب قوم کی مخالفت بڑھی تو حضرت ابراہیمؑ مع لوطؑ کے ملکِ شام کی طرف چلے گئے۔ یہ ملک اوّل تو زرخیز تھا دوسرے انبیاء علیہم السلام کی زیادہ تعداد اسی ملک میں رہی تھی۔ اسی برکت کا ذکر خدا نے فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو سو سال کی عمر میں آگ میں ڈالا گیا تھا۔ سلطنتِ نمرود سے نکلنے کے بعد کئی سال تک ملکِ شام میں رہے اس کے بعد پھر واپس آئے۔ یہودیوں کی ایک روایت میں ہے کہ پچاس سال تک شام میں رہے اس کے بعد واپس آئے اور یہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اسحاقؑ اور یعقوبؑ وہیں پیدا ہوئے تھے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ ج وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو نجات دی تھی جب انہوں نے ہمیں پکارا تو ہم نے ان کی دُعا سُن لی اور ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو طوفان کی سخت مصیبت سے نجات دی اور اس قوم کے مقابل ان کی مدد کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ وہ بہت بُرے لوگ تھے ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ ۙ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ؗ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا

فَعِلِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ لِتُحْصِنَکُمْ مِّنْۢ بَاْسِکُمْ ج فَہَلْ اَنْتُمْ شٰکِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

(اے رسول) ان کو داؤد و سلیمان کا واقعہ یاد دلاؤ، جب یہ دونوں ایک کھیتی کے بارے میں جس میں رات کے وقت کچھ لوگوں کی بکریاں گھس کر چر گئی تھیں فیصلہ کرنے بیٹھے اور ہم ان لوگوں کے تصفیہ کو دیکھ رہے تھے تو ہم نے سلیمان کو اس کا فیصلہ سمجھا دیا اور یوں تو ہم ہی نے سب کو فہم سلیم اور علم عطا کیا ہے۔ ہم ہی نے پہاڑوں کو داؤد کا تابع بنا دیا کہ ان کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی تابع کر دیا تھا اور ہم ہی ایسا کیا کرتے ہیں اور ہم نے داؤد کو تمہاری جنگی پوشش یعنی زرہ بنانا سکھا دیا تاکہ تمہیں (ایک دوسرے کے) وار سے بچائے تو کیا اب بھی تم اس کے شکر گزار نہ ہوگے۔

پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح

شروع میں جس قصّہ کو مجملاً بیان کیا گیا ہے وہ یہ تھا کہ یوحنّا نامی ایک شخص جب رات کو سو رہا تھا تو اس کی بکریاں ایلیا کے کھیت میں گھس گئیں اور کچھ اُسے کھایا کچھ روندا۔ صبح کو ایلیا نے حضرت داؤدؑ کی عدالت میں نالش کر دی۔ یوحنّا طلب ہُوا۔ اس نے اپنی نیند کا عذر پیش کیا۔ حضرت داؤدؑ نے ایلیا کے کھیت کے نقصان کا اندازہ لگایا تو یوحنّا کی بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔ آپؑ نے فیصلہ کیا کہ یوحنّا اپنی بکریاں ایلیا کو دے دے۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تو حضرت سلیمانؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپؑ نے فیصلہ سُنا تو دونوں کو ساتھ لیے حضرت داؤدؑ کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ اگر یہ فیصلہ دوسرا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ پوچھا وہ کیا۔ عرض کی جب تک یوحنّا کھیت کی خدمت کرے اس وقت تک اس کی بکریاں ایلیا کے پاس رہیں اور ایلیا ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے۔ اس کے بعد جب کھیت ویسا ہو جائے تو بکریاں واپس کر دے۔ یہ فیصلہ حضرت داؤدؑ کو بھی پسند آیا اور اپنا حکم واپس لے کر یہی حکم دیا۔

اس قضیہ کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت داؤدؑ بشر تھے خدا نہ تھے ان سے غلطی کا صدور ممکن تھا۔ یہ خطائے اجتہادی تھی جو قابلِ مؤاخذہ نہیں۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ نبی سے ایسی غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ فیصلے دونوں درست تھے۔ البتہ حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ اس لیے بہتر تھا کہ خدا کا سکھایا ہُوا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ کسی طرح بھی غلط نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جس کا کھیت تباہ کیا گیا تھا اس کے کھیت کے نقصان کی تلافی یوں ہی ہو سکتی تھی کہ یوحنّا کی بکریاں ایلیا کو دے دی جائیں۔

جو لوگ انبیاءؑ کی عصمت کے قائل نہیں وہ ایسے مواقع ڈھونڈا کرتے ہیں کہ کسی صورت سے انبیاءؑ کی عصمت کا دامن داغدار ہو جائے۔ ہمارے عقیدہ میں چونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں لہٰذا ایسی غلطیاں ان سے ممکن نہیں ہوتیں۔

دوسری قابلِ غور بات جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے وہ حضرت داؤدؑ کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر اور ان کی تسبیح کا معاملہ ہے۔ اس میں بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت داؤدؑ وجد میں آکر زور زور سے زبور کو انتہائی خوش الحانی سے پڑھتے تھے تو پہاڑوں سے صدائے بازگشت پیدا ہوتی تھی اور پرندے آپؑ کے گرد جمع ہو جاتے تھے لیکن یہ تو کوئی قابلِ ذکر بات نہ ہوئی۔ پہاڑوں کے درمیان کھڑے ہو کر جو کوئی بلند آواز سے کچھ کہے گا پہاڑوں میں اس کی آواز ضرور گونجے گی۔ اگر حضرت داؤدؑ کی آواز گونجی تو کیا کمال ہُوا اور اس معمولی بات کو قرآن میں ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو مسلّم ہے کہ دُنیا کی ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے گو ہم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ قرآن یہی کہہ رہا ہے تو اگر بصورت اعجاز پہاڑوں کی تسبیح کی آواز حضرت داؤدؑ سنتے تھے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہاتھوں پر آکر سنگریزے کلمہ پڑھتے تھے تو حضرت داؤدؑ کو اگر پہاڑوں نے تسبیح کی آواز سُنائی دی تو کیا تعجّب کی بات ہے۔ رہے پرندے تو کیا طیور آدمی کی آواز پر آواز نہیں لگانے لگتے۔ طوطے مینا وغیرہ کیا انسانی آواز کو نہیں دُہراتے تو اگر حضرت داؤدؑ کے الفاظ کو طیور دہراتے تھے تو اس پر اعتراض کیوں ہے۔

مروی ہے کہ خدا نے حضرت داؤدؑ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آکر موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ وہ اس کے تار بنا کر نہایت چھوٹے چھوٹے حلقوں کی زرہ تیار کرتے تھے۔ آپؑ کی زرہ سب سے زیادہ قیمتی سمجھی جاتی تھی اور لوگ اس کی خریداری کے مشتاق رہتے تھے۔ آپؑ کی روزی کا دار و مدار اسی زرہ سازی پر تھا۔ جب زرہ فروخت ہوتی تو بقدر قوت لایموت اس کی قیمت میں سے روک لیتے باقی راہِ خدا میں محتاجوں کو دے دیتے تھے۔ جس روز زرہ فروخت ہونے کا دن ہوتا تو بہت سے محتاج آپؑ کے دروازہ پر جمع ہو جاتے۔ باوجود بادشاہ ہونے کے آپؑ نے سلطنت کے محاصل سے کبھی ایک پائی اپنے ذاتی خرچ کے لیے نہ لی۔

توریت میں جہاں انبیاءؑ کے تذکرے ہیں،

حضرت داؤدؑ کے متعلق یہ بے سر و پا روایت بھی تاریخوں میں پائی جاتی ہے کہ آپؑ کی فوج میں ایک شخص اُوریا نامی تھا۔ اس کی بی بی نہایت حسین تھی آپ اس پر عاشق ہو گئے چاہا کہ اُوریا کا قصّہ بیچ میں سے پاک کریں ایک جنگ میں اس کو بھیج دیا اور اس کی ایسی ڈیوٹی لگائی کہ وہ بچ کر آ ہی نہ سکے۔ چنانچہ وہ مارا گیا اور حضرت داؤدؑ نے اس کی بی بی سے شادی کر لی۔ استغفر اللہ۔ نبی کا کیا خدا کے نیک بندے بھی اتنی اخلاقی اور ایمانی کمزوری نہیں دکھاتے۔

بعض مفسرین نے حضرت داؤد پر یہ طوفان باندھا ہے کہ آپ کی تین سو بیبیاں تھیں گویا ایک چھاؤنی آپ کی ازواج کی تھی۔ ایسی شرمناک روایتیں لکھتے لوگوں کو حیا نہیں آتی۔ ان عقل کے دشمنوں سے کوئی پوچھے کہ یہ کثرت صورتیں دیکھنے کے لیے تھی یا حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے لیے۔ ایک مرد کہاں تک اتنی عورتوں سے مباشرت کر سکتا ہے اور اس کے بعد کتنی اولاد ان سے ہونی چاہیے۔ مفسرین نے حضرت داؤدؑ کے چار یا دس فرزند لکھے ہیں تو باقی عورتیں کیا سب بانجھ تھیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی ایک جہیتی بی بی تھیں ان کے لڑکے کو آپ اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے وحی ہوئی کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو ہم چند سوالات بھیجتے ہیں جس کے جوابات اچھے ہوں گے وہی تمہارا جانشین ہوگا چنانچہ جناب سلیمانؑ کے جوابات چونکہ سب سے اچھے تھے لہٰذا انہی کو جانشین بنا دیا گیا۔ چونکہ یہ طریقہ سنّتِ الٰہیہ کے خلاف ہے لہٰذا صحیح نہیں۔ خدا خود انتخاب کرتا ہے۔ اس طرح کے امتحانی سوالات دے کر اس نے کبھی کسی کو نبی نہیں بنایا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں جو سنہ ۱۰۲۰ سے سنہ ۹۸۰ قبل مسیح تھا۔ ان کی قوم لوہے کے گلانے اور اس سے ہتھیار بنانے میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ بھٹیاں بنانے کا ایک خاص طریقہ انہیں معلوم تھا جو کسی کو بتاتے نہیں تھے۔ ان ہتھیاروں کے زور پر انہوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اللہ نے ان کا زور توڑنے کے لیے حضرت داؤدؑ کو لوہا نرم کرنے کا معجزہ دیا۔

وَلِسُلَيۡمٰنَ الرِّيۡحَ عَاصِفَةً تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖۤ اِلَى الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا‌ ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَىۡءٍ عٰلِمِيۡنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيۡنِ مَنۡ يَّغُوۡصُوۡنَ لَهٗ وَيَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِكَ‌ ۚ وَكُنَّا لَهُمۡ حٰفِظِيۡنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوۡبَ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۸۳﴾ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَكَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ‌ وَّاٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَذِكۡرٰى لِلۡعٰبِدِيۡنَ ﴿۸۴﴾

ہم نے زوردار ہوا کو سلیمان کا تابع بنا دیا۔ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین (بیت المقدّس) پر چلتی تھی جسے ہم نے برکت دی ہے اور ہم تو ہر شے کے جاننے والے ہیں اور جنّات کو بھی تابعدار بنایا جو سلیمان کے لیے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے (موتی نکالنے کے لیے) اور دوسرے کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے کہ بھاگ نہ جائیں۔ (اور اے رسول ایّوب کو بھی یاد کرو)۔ جب انہوں نے اپنے رب سے دُعا کی کہ بیماری مجھے لپٹ گئی ہے اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے

پس ہم نے دُعا قبول کی اور جو تکلیف انہیں تھی اُسے دُور کر دیا۔ انہیں صرف ان کے لڑکے بالے ہی نہیں دیئے بلکہ ان کے ساتھ اتنے ہی اور دیئے اپنی خاص رحمت کے طور پر اور اس لیے کہ یہ سبق ہو عبادت گزاروں کے لیے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ہوا کی تسخیر سے یہ مطلب ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے تجارتی جہاز مشرق و مغرب میں جایا کرتے تھے۔ خدا نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ جب حضرت سلیمانؑ کا حکم ہوتا تھا تو تیز چلتی تھی اور جب حکم ہوتا تھا تو مدھم چلنے لگتی تھی۔ اگر یہ بات تھی تو اس میں کوئی اعجازی شان نہ ہوئی۔ آج کل فنِ جہاز رانی نے جو ترقی کی ہے وہ ظاہر ہے جہاز راں جب چاہیں تیز لے جاتے ہیں جب چاہیں رفتار مدھم کر دیتے ہیں۔ بات تو اس ہوا کے متعلق ہے جو حضرت سلیمانؑ کے تخت کو اُڑا کر لے جاتی تھی۔ اُسے جب آپؑ تیز چلنے کا حکم دیتے تو تیز چلتی اور جب مدھم چلنے کا حکم دیتے تو مدھم چلتی۔ نہ معلوم یہ تجارتی قصہ کہاں سے لا کھڑا کیا۔

شیاطین سے مراد یہاں جِنّ ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک جنّات سے مراد وہ نہیں جس کو ہم ایک نوعِ جداگانہ سمجھتے ہیں اور جن کی بی بیوں کو پریاں کہتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک اس عہد کے لمبے تڑنگے سرکش لوگ تھے۔ لیکن یہ بھی زبردستی ہے۔ اگر وہ نوعِ انسان میں شامل ہوتے تو قرآن میں انسانوں سے علیحدہ ان کا ذکر نہ کیا جاتا اور یا معاشر الجن والانس نہ کہا جاتا۔ شیطان کے لیے یہ نہ کہا جاتا کان من الجن۔ اگر جنّ کے معنی سرکش انسان لیے جائیں تو وہاں انسان کہاں تھے جن میں سے شیطان کو قرار دیا گیا۔ دوسرے آدمیوں کو مسخر کر لینا کونسی بڑی بات ہے۔ بادشاہ لوگ بڑے بڑے سرکشوں کو زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں۔ اگر حضرت سلیمانؑ نے ایسا کیا تو کیا کمال کیا۔ علاوہ بریں خدا فرماتا ہے کہ ہم ان کی حفاظت کرتے تھے کہ بھاگ نہ جائیں۔ یہ حفاظت خدا نے اپنے ذمہ کیوں لی۔ انسانوں کی پہرہ داری تو انسان بھی کر سکتے ہیں اور جیلوں میں کیا ہی کرتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ ان سے بڑی بڑی عمارتیں وغیرہ بھی بنواتے تھے۔ بڑی بڑی دیگیں بنواتے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ کام لیتے تھے جو انسانی طاقت کی حد سے باہر ہوتا تھا۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجم قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:

حضرت سلیمانؑ کی سی سلطنت نہ دنیا میں کسی نے کی ہے نہ کرے گا۔ آپؑ نے سات سو چھ سال سلطنت کی، اور آدمی، جنّات، چوپائے، پرند، درخت ہوا غرض دنیا کی ہر چیز پر آپؑ کی حکومت تھی۔ آپؑ نے لکڑیوں پر شیشہ کے ایک ہزار عالی شان مکان بنوائے تھے۔ آپؑ کا لشکر سو کوس طول میں اور سو کوس عرض میں پھیل جاتا تھا۔ آپؑ نے ایک تخت بنوایا تھا جو بہت لمبا چوڑا تھا اور اس کے گرد چھ سو کرسیاں سونے چاندی کی رکھی جاتی تھیں۔ ان پر حضرت کے مقربین بیٹھتے تھے ان کے پیچھے اور لوگ کھڑے ہوتے، اُن کے پیچھے جِنّ ہوتے اور ان سب پر پرند صف باندھ کر اپنے پروں کا سایہ کرتے اور اُن سب کو ہوا ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچاتی۔ اس پر پہلے لوگوں کو

متعجب ہوتا تھا لیکن اب کہ ہوائی جہاز نکل آیا ہے جو بہت سے آدمیوں کو لے کر سینکڑوں کوس چلا جاتا ہے یہ امر
متعجب خیز نہ رہا۔"

اس روایت کے متعلق جو کچھ ہمیں کہنا ہے وہ یہ ہے کہ ایک نبی کے دربار میں سونے چاندی کی کرسیوں کا ہونا
ان کی شانِ نبوت کے کس قدر خلاف نظر آتا ہے اور دنیا کے عیش پرستوں کو کتنا بڑا سبق دیتا ہے۔

ے اس کے بعد حضرت ایوبؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

حضرت ایوبؑ کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے نوسو سال قبل بتایا جاتا ہے۔ آپؑ جناب اسحٰقؑ کی نسل سے
تھے۔ حضرت یوسفؑ کی پوتی بی بی رحیمہؑ سے آپؑ کی شادی ہوئی تھی جن سے سات بیٹے تھے۔ خدا کے صابر و شاکر
بندے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو سب کچھ دیا تھا۔ مویشی، باغات، مکانات، اولاد، نوکر چاکر وہ بھی کثرت سے۔
گردشِ روزگار سے رفتہ رفتہ یہ سب چیزیں ضائع ہوگئیں مگر وہ صبر و شکر کے سوا ایک کلمہ زبان پر نہ لائے۔
اتفاقاً بیمار بھی ہوگئے اور بیماری طول پکڑ گئی۔ بستی والوں نے منحوس سمجھ کر شہر سے باہر نکال دیا۔ تب بارگاہِ
باری میں اپنے دکھ کی شکایت کی مگر دیکھنا کیا پیارا انداز ہے۔ صرف اتنا کہہ کر کہ اب یہ درد و دکھ مجھے لپٹ گیا
پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔ اس کے بعد ارحم الرّاحمین کہہ کر اس کی مدد طلب کی۔ دو لفظوں میں اپنی تکلیف بھی بیان کردی
اور اس سے رحمت بھی طلب کرلی۔ خدا نے ان کی دعا قبول کرلی اور جو کچھ گیا تھا پھر واپس مل گیا صحت بھی ہوگئی۔

اب ذرا ان مؤرخوں کی بھی سُن لیجئے جنہیں واقعات گھڑنے میں بہت مزہ آتا ہے اور عصمتِ انبیاءؑ
پر ضرب لگانا تو اپنا شاید کوئی فریضہ سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں :

حضرت ایوبؑ بہت مالدار تھے۔ پانچسو جوڑے بیلوں کے تھے بکثرت بکریاں، اونٹ، گھوڑے اور خچر
تھے۔ چار سو غلام چرواہے اور سائیس تھے۔ سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ ہر وقت مصلے پر بیٹھے ذکرِ الٰہی کیا کرتے
تھے۔ ایک روز شیطان نے خدا سے کہا، ایوبؑ کو تُو نے چونکہ سب کچھ دے رکھا ہے اس لیے تیری عبادت میں مشغول
رہتے ہیں اگر تُو مجھے ان پر قابو دے دے تب دیکھوں کیسے صبر کرنے والے ہیں۔ خدا نے فرمایا، جا تجھے قابو دے دیا۔
اُس نے پہلے تو ایک وبا پھیلا کر ان کے سارے مویشی ہلاک کیے۔ حضرت ایوبؑ کو خبر ملی تو صبر سے کام لیا۔ اور بدستور
اپنی عبادت میں مشغول رہے۔ پھر اس نے جنگل میں آگ لگا دی جس سے ساری کھیتیاں جل گئیں۔ پھر سب نوکر چاکر مر
گئے۔ پھر مکانات کی چھتیں گرنے سے اولاد مر گئی مگر حضرت ایوبؑ بدستور صبر کرتے رہے۔ پھر شیطان نے انہیں بیمار
ڈال دیا اور ان کے بدن میں کیڑے پڑ گئے۔ بستی والوں نے انہیں منحوس سمجھ کر نکال دیا۔ بستی سے باہر ایک درخت
کے نیچے جا پڑے۔ ان کی بی بی رحیمہؑ نامی ان کی تیماردار تھیں۔ جب صبر کی کوئی منزل ایوبؑ سے نہ چھوٹی تو خدا نے
شیطان سے کہا تُو نے دیکھ لیا ایوبؑ کا صبر۔ غرض اس کے بعد خدا نے وہ سب چیزیں انہیں دے دیں جو ان سے
لے لی گئیں تھیں۔

غور کرو کیسی لغو اور قابلِ اعتراض روایت ہے گویا شیطان اللہ کو ایسا پیارا تھا کہ اس کی ہٹ پوری کرنی

ضروری تھی وہ جو کچھ کہتا گیا اللہ منظور کرتا گیا۔ استغفر اللہ۔ انبیاء علیہم السلام پر اوّل تو شیطان کا تسلط ہوتا نہیں۔ پھر کیا
خدا کو ایوبؑ کا حال معلوم نہ تھا کہ شیطان کے ذریعہ سے امتحان کی ضرورت پیش آئی۔ پھر نبی کے بدن میں معاذ اللہ کیڑے
پڑ گئے۔ کیسی ایمان شکن اور ضلالت آگیں باتیں ہیں۔ خدا مسلمانوں کی اس ذہنیت پر رحم کرے اور وہ انبیاءؑ کے
مرتبہ شناس بنیں۔ نہ تو ان کے پاس اتنا ساز و سامان تھا جس کی نمائش کرائی گئی ہے نہ معاذ اللہ ان کے بدن میں کیڑے
پڑے تھے۔ بقیہ حال آگے بیان ہوگا۔ جو کچھ ان کی کائنات ضائع ہوئی تھی خدا نے ان کے صبر کے صلہ میں وہ بھی دے دی
اور اتنی ہی اور دی۔

وَإِسْمٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِينَ ﴿٨٥﴾ وَأَدْخَلْنٰهُمْ
فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُم مِّنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٨٦﴾ وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغٰضِبًا
فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنتَ
سُبْحٰنَكَ ۖ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُۥ وَنَجَّيْنٰهُ
مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذٰلِكَ نُـۨجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهُۥ رَبِّ
لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوٰرِثِينَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُۥ وَوَهَبْنَا
لَهُۥ يَحْيٰى وَأَصْلَحْنَا لَهُۥ زَوْجَهُۥٓ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسٰرِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ
وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خٰشِعِينَ ﴿٩٠﴾

(اے رسول) اور اسمٰعیل و ادریس و ذوالکفل کے واقعات یاد کرو۔ یہ سب صابر بندے تھے ہم نے
ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا۔ یہ صالحین میں سے تھے اور ذوالنون (یونسؑ) کا واقعہ یاد کرو جب
وہ غصہ میں بھر کر چلتے ہوئے اور خیال کیا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے (پس وہ مچھلی کے پیٹ میں چلے

گئے) وہاں (پیٹ کی) تاریکیوں میں پکارے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر عیب سے پاک ہے۔ پس ہم نے ان کی دُعا قبول کی اور غم سے نجات دی۔ ایمان والوں کو ہم یوں ہی نجات دیا کرتے ہیں۔ اور (اے رسول) زکریا کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب سے دُعا کی، اے میرے پالنے والے، مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تُو تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے۔ ہم نے اس کی دُعا بھی قبول کی اور انہیں یحییٰ (جیسا بیٹا) عطا فرمایا اور ہم نے ان کے لیے ان کی بی بی کو اچھا بنا دیا۔ اس میں شک نہیں یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے ہمیں بڑی رغبت اور خوف سے پکارا کرتے تھے اور ہمارے آگے گڑگڑایا کرتے تھے۔

حضرت ذوالکفل کا نام قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ذوالکفلؑ ان کا لقب ہے جس کے معنی اخلاقی بزرگی رکھنے والے کے ہیں۔ ان کے بارہ میں مفسرین کا بڑا اختلاف ہے کہ یہ کون تھے۔ ایک روایت ہے کہ ان کا اصلی نام بشرؑ تھا اور حضرت ایوبؑ کے بیٹے تھے۔

حضرت یونسؑ کا قصہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہاں صرف اتنا ذکر ہے کہ وہ قوم سے ناراض ہو کر چل دیے تھے اور کشتی میں بیٹھ کر وہاں سے کہیں جانا چاہتے تھے کہ کشتی طوفان میں آگئی۔ لوگوں نے کہا ہم میں کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا کی نافرمانی کر کے بھاگا ہے وہی منحوس ہماری تباہی کا باعث ہو رہا ہے۔ لہٰذا اسے کشتی سے باہر پھینک دو، قُرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونسؑ کے نام پر نکلا۔ چنانچہ کشتی سے پھینک دیئے گئے اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ اس کے پیٹ میں انہوں نے یادِ خدا کی اور اپنی نجات کی دُعا مانگی۔ خدا نے ان کی دُعا قبول کی اور مچھلی نے انہیں اُگل دیا۔

قوم سے ناراض ہو کر اس لیے بھاگے تھے کہ خدا سے اپنی قوم پر نزولِ عذاب کی درخواست کی تھی۔ خدا نے نزولِ عذاب کا وعدہ کیا تھا۔ قوم کو یہ بتا کر کہ فلاں وقت عذاب آئے گا خود ایک پہاڑی پر چلے گئے۔ قوم نے میدان میں جا کر رونا پیٹنا شروع کیا اور عذاب ہٹا لینے کی درخواست کی۔ خدا نے عذاب ہٹا لیا۔ حضرت یونسؑ اس خیال سے وہاں آئے کہ قوم ہلاک ہو چکی ہو گی۔ لیکن جب چلتے پھرتے دیکھا تو غصہ آیا۔ خدا نے نزولِ عذاب کا وعدہ کیا تھا، ہلاک کرنے کا نہ کیا تھا۔ یونسؑ سمجھے ہلاک بھی کرے گا۔ غصہ اس پر تھا کہ قوم کے سامنے میں جھوٹا بنا۔ چونکہ بغیر حکمِ خدا وہاں سے چل دیئے تھے لہٰذا اس ترکِ اولیٰ کی سزا میں وہ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔ قرآن میں ان کو کہیں یونسؑ کہا گیا ہے کہیں ذوالنون، کہیں صاحب الحوت۔ وعدۂ الٰہی کا منشا نہ سمجھنے کی وجہ سے اور صبر کا دامن چھوڑ دینے کی وجہ سے یہ بلا ان کے سر پر آئی۔ حضرت رسولِ خداؐ کو خدا نے نصیحت فرمائی تھی لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (۶۸/۴۸) (تم یونس جیسے نہ بن جانا) یعنی صبر سے کام لیے جانا۔

اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ (ہم نے ان کی بی بی کو درست کر دیا)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا بانجھ پن دور

کر دیا اور وہ صاحبِ اولاد ہو گئیں۔ جن انبیاءؑ کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے ان کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ بڑی رغبت سے ہماری یاد کرتے تھے اور ہمارے عذاب سے بہت ڈرتے تھے اور ہمارے سامنے بہت گڑگڑا کر اپنی عبدیت کا اظہار کرتے تھے۔

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾

(اے رسول) وہ بی بی (مریم) بھی قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے اپنی عفت کی حفاظت کی پس ہم نے ان میں اپنی رُوح کو پھونک دیا اور انہیں اور اُن کے بیٹے کو دُنیا والوں کے لیے اپنی (قدرت کی) نشانی بنایا۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ

وَكُلٌّ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۰﴾

بے شک یہ تمہارا دین تو ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس میری عبادت کرو۔ (لوگوں نے اختلاف کر کے) دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا حالانکہ وہ سب (جمع ہو کر) ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ جو اچھے کام کرے گا اور وہ مومن بھی ہو گا تو اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی اور ہم اس کے اعمال لکھتے جاتے ہیں۔ جس بستی کو ہم نے تباہ کر ڈالا ہے ممکن نہیں کہ وہ لوگ قیامت کے دن ہمارے پاس نہ آئیں (بس اتنا توقف تو ضرور ہو گا) کہ جب یاجوج و ماجوج (سدِّ سکندر کی قید سے) کھول دیئے جائیں گے تو وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے نکل پڑیں گے اور قیامت کا سچا وعدہ نزدیک آ جائے گا تو پھر کافروں کی آنکھیں ایک دم سے پتھرا جائیں گی اور کہنے لگیں گے ہائے افسوس ہم تو اس دن سے غفلت ہی میں پڑے رہے بلکہ (سچ یہ ہے کہ) اپنے اوپر ہم آپ ظالم تھے۔ اس دن کہا جائے گا کہ اب تم اور جس چیز کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے تھے یقیناً جہنم کے ایندھن ہو گے تم سب کو اس میں اترنا پڑے گا اگر یہ سچے معبود ہوتے تو انہیں جہنم میں نہ جانا پڑتا اور اب تو سب کے سب اسی میں رہیں گے ان لوگوں کی جہنم میں چیخ چنگھاڑ ہو گی اور یہ اس شور و غل میں کسی کی بات بھی نہ سنیں گے۔

تمام انسانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم جو مختلف دینوں اور مذہبوں میں بٹ گئے ہو ذرا اس پر غور کرو کہ اس تفریق کا سبب کیا ہوا۔ تم سب کا پیدا کرنے والا ایک ہی تو ہے لہٰذا اس کا بھیجا ہوا دین بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اس نے جتنے انبیاء بھیجے وہ سب ایک ہی خدا کے احکام لائے تھے ان کے بیانات میں بھی کوئی اختلاف نہ تھا۔ پس اس تفرقہ کے پیدا کرنے والے تم خود ہوئے۔ جو نبی آیا یا تو تم نے اس کے نبی ماننے سے انکار کر دیا اور اس کی تعلیم کے خلاف اپنی طرف سے کچھ باتیں گڑھ کے ایک نیا دین بنا کھڑا کیا۔ یا پھر اس نبی کی کچھ باتوں کو مانا اور کچھ کو نہ مانا یا اس کے بیان کردہ احکامات کے غلط معنی سمجھے اور اُن اختلافات سے مختلف مذاہب بنا لیے۔ بہر حال یہ تفریق خود تمہاری پیدا کردہ ہے۔ خدا نے کسی وقت یہ نہیں چاہا کہ اس کے ایک دین کے ٹکڑے کر کے لوگ بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو جائیں۔ اس اختلاف نے تمہارے اندر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی۔ تمہیں خونریزی پہ آمادہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمہارے نظامِ حیات میں ابتری پیدا ہوئی۔ تمہارے معاشرہ سے امن و سکون رخصت ہوا۔ آخر تم اتنی موٹی بات سمجھتے کیوں نہیں کہ تمہیں ایک دن ہمارے سامنے حاضر ہونا ہے جو فتنے تم نے برپا کیے ہوں گے ان کی پوچھ گچھ تم سے ضرور ہو گی۔

قربِ قیامت کی جہاں اور بہت سی نشانیاں بیان کی گئی ہیں جیسے دجّال اور دابۃ الارض کا نکلنا، مغرب سے

سورج کا نکلنا، حضرت عیسیٰؑ کا نزول، بارہویں امام علیہ السلام کا ظہور، ان میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ یاجوج و ماجوج جنہیں قدرت نے چھپا دیا ہے یکایک اس طرح اپنے مخفی مقام سے نکل کر دوڑ پڑیں گے جیسے قیدی جیل سے نکل کر بھاگتا ہے پھر یہ وحشی قوم ہر طرف پھیل جائے گی اور بستیوں کو اس طرح تباہ و برباد کرے گی کہ لوگ چیخ اٹھیں گے ہر طرف بھاگے بھاگے پھریں گے اور کہیں ان کی جگہ نہ ملے گی۔ یہ وحشی قوم خود بھی آپس میں لڑے گی۔ ان کی لڑائی بھی لوگوں کے لیے مصیبت بن جائے گی۔ جو دیوارِ سکندر ذوالقرنین نے ان سے حفاظت کے لیے بنائی تھی وہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ بہر حال قیامت کا پیش خیمہ بھی قیامت ہی ہو گا۔ اس پُر آشوب دور میں حضرت حجّت کی حکومت قائم ہو گی اور آپ سرکش قوتوں کو قتل کر کے دنیا میں امن و امان قائم کریں گے اور زمین کو عدل و داد سے اس طرح پُر کر دیں گے جس طرح ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی۔

عبداللہ بن زبعری نے اعتراض کیا کہ جب وہ لوگ جہنم میں جائیں گے جن کی عبادت کی جاتی ہے تو اس بنا پر عزیرؑ و مسیحؑ اور ملائکہ کو بھی جہنم میں جانا چاہیئے کیونکہ عبادت تو ان کی بھی کی جاتی ہے۔ حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جواب دیا کہ وہ معبود جائیں گے جو اپنی عبادت پر راضی ہوں گے۔ چونکہ عزیرؑ و مسیحؑ اور ملائکہ اپنے معبود بنائے جانے پر راضی نہ تھے لہٰذا ان سے یہ سوال متعلق نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

جن لوگوں کے واسطے ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی لکھی جا چکی ہے وہ دوزخ سے دُور ہی دُور رہیں گے

اس کی بھنک بھی ان کے کانوں میں نہ پڑے گی اور جس چیز کو ان کا دل چاہے گا وہ ہمیشہ انہیں ملتی رہے گی
قیامت کا سخت دردناک دن ان کے لیے حزن کا باعث نہ ہوگا اور ملائکہ بڑی خواہش کے ساتھ
ان سے ملیں گے اور کہیں گے یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اس دن ہم آسمانوں کو
اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے خطوں کا طومار لپیٹا جاتا ہے جیسے ہم نے ان کو اوّل بار پیدا کیا تھا ویسے ہی
دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ یہ ہمارا (پکّا) وعدہ ہے جس کا پورا کرنا ہم پر لازم ہے ہم نے توریت کے بعد
زبور میں لکھ ہی دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَہُمْ۔ حضرت علی علیہ السلام نے آیت کی تلاوت فرما کر کہا اَنَا مِنْھُمْ۔ "ان میں سے
میں بھی ہوں"۔ (تفسیر کشاف جلد ۲۔ دُرِ منثور سیوطی جلد ۴)۔

آخر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے وارث عبادِ صالحین ہوں گے یعنی دُنیا میں روئے زمین پر حکومت
نیک ہی بندوں کی ہوگی۔ حالانکہ دنیا میں یہی پایا گیا ہے کہ حکومت کرنے والے فاسق و فاجر ظالم اور بے ایمان لوگ
ہوتے رہے ہیں۔ چند نیک بندوں کے سوا جتنے رُوئے زمین کے حاکم ہوئے اور اب بھی ہیں وہ خدا کے صالح بندے
نہیں کہلائے جا سکتے۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے۔

اس کے متعلق بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ وراثتِ زمین سے مراد جنّت کی وراثت ہے نہ کہ اس زمین کی
لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ خدا بات کرے زمین کی اور آپ بات کرنے لگیں آسمان کی۔ یہ عقلی فتور اس بنا پر ہے کہ
حصولِ تعلیم کا وہ مرکز چھوڑ دیا جو خدا اور رسولؐ نے بتایا تھا۔ ایک ہاتھ میں قرآن تو رہا لیکن دوسرے ہاتھ سے
اہلبیتؑ کا دامن چھوٹ گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت دو طرح کی دُنیا میں پائی گئی ہے ایک حکومت شیطانی دوسرے رحمانی۔ جو
لوگ تلوار کے زور سے ملک فتح کر کے بادشاہ بن بیٹھتے ہیں وہ خدا کے بنائے ہوئے حکمران نہیں ہوتے بلکہ شیطان کے
بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ جابرانہ اور غاصبانہ حکومت خدا کی مرضی کے خلاف ہوتی ہے۔ دوسری نیک بندوں
کی حکومت ہے جس میں قوانینِ الٰہیہ کا نفاذ ہوتا ہے جیسے حضرت یوسفؑ کی حکومت، حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کی حکومت
اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حکومت۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ارض پر الف لام خصوصی داخل ہے یعنی تمام روئے زمین کی حکومت بہ مشیتِ
ایزدی نہ کسی ظالم سفاک کو ملی ہے اور نہ قیامت تک ملے گی۔ تمام روئے زمین مشرق سے مغرب تک اور جنوب
سے شمال تک، ہر چپہ پر، ہر چھوٹی بڑی چیز پر جس کی حکومت ہوگی اور جس کی حکومت میں سوائے دینِ اسلام
کوئی دوسرا دین نہ ہوگا وہ حضرت صاحب العصر والزمان قائم آلِ محمد حضرت امام مہدی آخر الزمانؑ کی حکومت ہوگی۔

آیت میں وراثت سے مراد حکومت ہے۔ اگر ارض سے مراد جنّت لی جائے تو جنّت میں حکومت کا سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں تو سوائے خدائے واحد و قہار کے دوسرے کی حکومت ہو ہی گی نہیں۔ اگر ایسی وراثت مراد ہے
جیسی یہاں ایک کسان کے بعد اس کا بیٹا وارث ہو جاتا ہے یا ایک بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا مالکِ سلطنت ہو جاتا
ہے تو جنّت میں یہ بھی صحیح نہیں وہاں یہ وراثت نہیں چلتی جو جس مقام کا ہوگا ہمیشہ وہیں رہے گا۔

جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے اور دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھنے کو محال جانتے ہیں انہیں یہ سمجھایا جا رہا ہے
کہ ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جب تم کچھ بھی نہ تھے تو خدا نے کیسے آدمی کی شکل بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالا اور
پھر کس طرح تم کو جوانی کی حد تک پہنچایا۔ پھر بڑھاپے تک پہنچا کر تمہیں مار دیا اور تم قبر میں جا لیٹے پس اس کے لیے
کیا دشوار ہے کہ گلنے سڑنے کے بعد تمہیں پھر قبر سے اُٹھا کھڑا کرے۔ اور تم اس کے سامنے حاضر ہو تاکہ جو اعمال
کیے ہیں ان کا حساب دو۔

اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً
لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَھَلْ
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُکُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ
اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ مِنَ
الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَکْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّہٗ فِتْنَۃٌ لَّکُمْ وَ
مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْکُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ
الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

ع ۱۹ / ۱۰

اس میں شک نہیں کہ اس میں عبادت کرنے والوں کے لیے (احکامِ خدا کی) تبلیغ ہے۔ (اے رسول)
ہم نے تم کو دُنیا جہان کے لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تم کہدو کہ میرے پاس تو بس یہی وحی

آئی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک اللہ ہی ہے پس کیا تم فرمانبردار بندے بنتے ہو۔ اگر یہ سُن کر رُوگردانی کریں تو کہدو میں نے تم سب کو یکساں طور پر آگاہ کر دیا جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے میں نہیں بتا سکتا کہ وُہ قریب ہے یا بعید۔ خدا زور کی آواز کو بھی جانتا ہے اور اسے بھی جو تم چُھپاتے ہو اور میں نہیں جانتا کہ (یہ تاخیرِ عذاب) تمہارے لیے شاید امتحان ہی ہو یا کچھ مدّت کے لیے تمہیں چین کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہو۔ رسول نے دعا کی میرے پروردگار میرے اور کافروں کے درمیان (ٹھیک ٹھیک) فیصلہ کر دے ہمارا پروردگار رحم کرنے والا ہے۔ اُس سے اُن باتوں میں مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

کفارِ مکہ آنحضرتؐ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اس شخص نے ہمیں سخت زحمت میں ڈال رکھا ہے۔ ہمارے درمیان جدائی ڈال دی ہمارے معبودوں کو بُرا کہہ کر ہمارے کلیجے چھلنی کر دئیے۔ خدا ان کی تردید میں فرماتا ہے ان کفار کو کہہ دو ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کیونکہ تم ان کو عذابِ خدا سے ڈرانے والے ہو اور نیکی کا رستہ دکھلانے والے ہو۔ یہ تو ضلالت کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ تم ان کو اس سے نکال کر روشنی کی سطح پر لاتے ہو یہ تو جانوروں سے بھی بدتر تھے تم نے ان کو انسان بنایا یہ جو تم سے پوچھا کرتے ہیں کہ جس عذاب سے تم ڈراتے ہو وہ کب ہم پر آئے گا تو تم ان کے جواب میں کہو، میں یہ نہیں جانتا کہ وہ جلد آئے گا یا بدیر۔ یہ تو خدا کے اختیار میں ہے ممکن ہے تاخیر میں یہ مصلحت ہو کہ تمہاری عقلوں کا تھوڑا سا امتحان اور لے لیا جائے یا کچھ دن تم کو چین کرنے کے لیے اور چھوڑ دیا جائے تاکہ خوب گناہ کر لو اور سخت سے سخت عذاب کے مستحق بن جاؤ۔

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (۲۲) (۱۰۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

لوگو! اپنے رب سے ڈرو قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دُودھ پلانے والی خوف کے مارے اپنے دُودھ پیتے بچّہ کو بھول جائے گی اور حاملہ عورتیں اپنے اپنے حمل کو گرا دیں گی۔ تم دیکھو گے کہ (گھبراہٹ میں) لوگ متوالے معلوم ہوں گے حالانکہ وہ متوالے نہ ہوں گے۔ بلکہ خدا کا عذاب بہت سخت ہو گا اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بغیر جانے خدا کے بارہ میں جھگڑتے ہیں اور سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیے ہیں جس کی پیشانی پر لکھا جا چکا ہے (بخطِ تقدیر) کہ جس نے اس سے دوستی کی وہ اسے گمراہ کیے بغیر نہ چھوڑے گا اور دوزخ کے عذاب تک پہنچا دے گا۔

مشرکینِ مکہ جو قیامت کو بھُولے پڑے تھے اور نبی کریمؐ سے بطور تمسخر اس کے متعلق سوالات کرتے رہتے تھے ان کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ بڑا سخت خوف کا دن ہو گا۔ جب پہلی صور پھونکی جائے گی اور زمین کے زلزلوں سے پہاڑوں کی چٹانیں کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح زمین پر آ رہی ہوں گی۔ لوگوں کی بے چینی اور گھبراہٹ کا یہ عالم ہو گا کہ جو مائیں پیار سے بچے کو دُودھ پلاتی ہیں ان کی مامتا ختم ہو جائے گی اور وہ اپنے بچّوں کو چھوڑ کر بھاگیں گی اور دہشت کی زیادتی سے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ ہوش و حواس اس حد تک گم ہوں گے کہ یہ معلوم ہوتا ہو گا کہ لوگ نشہ میں ہیں جنہیں اپنے کو سنبھالنے کا بھی ہوش نہ ہو گا۔ وہ نشہ میں ہوں گے نہیں بلکہ از خود رفتہ ہوں گے۔ یہ بڑے سخت عذاب کا وقت ہو گا۔ جو لوگ یہاں شیطان ملعون کے مُرید بنے ہوئے ہیں اور جس طرف وہ لے جانا چاہتا ہے چل رہے ہیں وہ اس دن ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور سیدھے جہنم رسید ہوں گے۔

خدا نے اپنی حجّت ہر طرح سے اپنے بندوں پر تمام کر دی۔ نیکو کاروں کو جو نیک بدلہ ملے گا وہ بھی بتا دیا بدکاروں کو جو سخت سے سخت سزا ملے گی اس کا نقشہ بھی پیش کر دیا۔ اس پر بھی اگر کفار و مشرکین اپنی ہٹ اور ضد پر جمے رہیں تو پھر جہنّم کے سوا ان کا ٹھکانہ اور کہاں ہو سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ

تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤

لوگو (اگر تم قیامت میں زندہ ہو کر) اُٹھنے کے متعلق شک میں ہو تو (اس پر غور کرو) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے پورا یا ادھورا تاکہ تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں (تو پھر تمہارا زندہ کرنا کیا مشکل ہے) پھر ہم عورت کے رحم میں جس نطفہ کو چاہتے ہیں ایک معین مدت تک ٹھہرا رکھتے ہیں پھر بچے کی صورت اُسے نکالتے ہیں تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں (جو بڑھاپے سے پہلے ہی) مرجاتے ہیں اور بعض ناکارہ زندگی (بڑھاپے) تک لوٹائے جاتے ہیں تاکہ وہ سمجھنے کے بعد (سٹھیا کے) کچھ بھی نہ سمجھ سکے اور جس زمین کو مُردہ (بیکار) دیکھتا ہے جب ہم نے اس پر پانی برسا دیا تو کھیتی سے لہلہانے لگتی اور اُبھرنے لگتی ہے اور ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگاتی ہے۔

جو لوگ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے کے قائل نہیں اُن کو اپنی قدرتِ کاملہ کے نمونے پیش کر کے سمجھانا چاہتا ہے اُس نے انسان کو (آدم کو) مٹی سے پیدا کیا۔ اس کے بعد نسلِ انسانی میں نطفہ سے پیدا کرنے کا سلسلہ چلایا۔ نطفہ کیا ہے جسمِ انسانی کا تخم جو مرد کے صلب سے خارج ہو کر عورت کے رحم میں پہنچتا ہے۔ یہ زمین کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے بنتا ہے۔ اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو زمین کی کسی چیز کا کوئی جُز اس میں نظر نہیں آتا۔ پھر نطفہ کو جو گدلے رنگ کا سفیدی مائل ہوتا ہے کچھ دن رحمِ مادر میں رکھ کر اس کو جما ہوا خون بنا دیتا ہے۔ نطفہ کو خون بنانے میں کوئی مشین کام نہیں کر رہی تھی۔ یہ صرف خالقِ مطلق کی قدرت کا کمال تھا کہ نطفہ کی ہیئت کو بالکل بدل دیا۔ اس کے بعد اس خون کو گوشت کا ایک لوتھڑا بنا دیا۔ جس کا نظام ہی دوسرا تھا۔

اس کے اندر باریک باریک رگیں اجزا کو آپس میں جوڑے ہوئے تھیں۔ یہ سب کام اُس کی قدرت رحم کے اندر کرتی رہتی ہے۔ یہ صورت کچھ دنوں رحم میں رہتی ہے وہاں کیا کیا ہوتا ہے۔ کس کی طاقت ہے کہ خلقت کی پیچیدگیوں کو سمجھ سکے۔ اس گوشت کے لوتھڑے سے ہڈیاں بننے لگیں اعصاب اور عروق کے جال بچھ گئے۔ چھوٹے چھوٹے اعضا نمایاں ہونے لگے ہاتھ پاؤں نکل آئے۔ سینہ کے اندر وہ تمام اعضا اُبھر کر آگئے جو نظامِ حیاتِ انسانی کو چلانے والے ہوتے ہیں یہ سب جمود کی حالت میں تھے کہ یکایک ایک رُوح نے اس جسم کے اندر داخل ہو کر ان میں حرکت پیدا کر دی۔ بچہ کلبلانے لگا۔ ایک معین مدت کے بعد وُہ بچہ ایک ایسے تنگ راستے سے باہر آیا کہ اس کا گلا گھُٹ کر مر جانا چاہیئے تھا۔ گویا اس کی قدرتِ کاملہ نے اُونٹ کو سُوئی کے ناکے سے نکال دیا۔ ماں کے پیٹ میں جو غذا کھا رہا تھا وہ منہ سے نہیں پیٹ کے ذریعہ سے کھاتا تھا اب نہایت لطیف غذا بچہ کی کمزوری کے پیشِ نظر ماں کی چھاتی سے ملنے لگی۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے جوان ہو گیا۔ کچھ عُمر کے ان مختلف حصّوں میں مرتے چلے گئے کچھ بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ اب وجود کے دائرہ کا حصّہ اوّل حصّہ آخر سے ملنے لگا جیسے رفتہ رفتہ عقل بڑھتی گئی تھی اب وُہ گھٹنی شروع ہو گئی۔ آخر ایسا سٹھیا گیا کہ عقل و فہم کے سارے دروازے اس پر بند ہو گئے بچہ اور بُوڑھا ایک سطح پر آگئے۔ طاقت جیسے رفتہ رفتہ آئی یُوں ہی رفتہ رفتہ رُخصت ہونی شروع ہو گئی۔ نہ پیٹ میں آنت نہ مُنہ میں دانت نہ اعضا میں سکت نہ حواس میں قوت، بچہ کی طرح ایک مضغۂ گوشت ہے کہ چارپائی پر پڑا آہ آہ کر رہا ہے۔ اے انسان! دیکھ تیرے خالق نے اپنی قدرت کے کیا کیا کرشمے دکھلائے کیا اب بھی تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ جس خدا کو یہ سب کچھ کرنے پر قدرت ہے کیا وُہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ جس نے تجھے نیست سے ہست کیا تھا کیا پھر تیرے بکھرے اجزا کو جمع کر کے تجھے اُٹھا کر کھڑا نہیں کر سکتا۔

اچھا ایک مثال سے سمجھ۔ ایک زمین خالی پڑی تھی ایک گھاس کا پتہ بھی اس پر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ خدا نے اس پر مینہ برسایا۔ یہاں تک کہ اس مُردہ مٹی میں جان آگئی پھر کیا تھا، لگی اپنے اندر سے ذخیرے نکالنے۔ طرح طرح کے درخت اُگے۔ پھُول کھلے پھل لگے۔ جہاں خاک اُڑتی تھی وہاں باغ بغیچے لہلہانے لگے، پھلواریاں مہکنے لگیں۔ او بے وقوف انسان! کیا اب بھی تیری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہو گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨

(یہ قدرت کے سب کرشمے اس لیے دکھائے جاتے ہیں تاکہ تم سمجھو) کہ بے شک خدا برحق ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وُہ ہر شے پر قادر ہے قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں ذرا سا بھی شک نہیں۔ اور جو لوگ قبروں میں ہیں اللہ ان کو دوبارہ زندہ کرکے اُٹھائے گا بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی علم و ہدایت اور روشنی بخشنے والی کتاب کے بغیر گردن اکڑائے ہُوئے خدا کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں تاکہ خدا کی راہ سے لوگوں کو بھٹکا دیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اُنہیں عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

قبروں سے اٹھنا

اس آیت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ خدا کے بارہ میں جھگڑا کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ پہلے وہ لوگ ہیں جو خدا کے بارہ میں کوئی علم نہیں رکھتے۔ یعنی نہ تو اپنے تجربوں سے سبق لیتے ہیں نہ آثارِ قدرت سے کچھ معلومات حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو رسولؐ سے ہدایت حاصل نہیں کرتے۔ رسولؐ جو بتاتے ہیں اس کو کان لگا کر نہیں سنتے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو خدا کی کتاب جو تاریکی سے روشنی میں لانے والی ہے پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔ نہ اُسے خود پڑھتے ہیں اور نہ کسی سے سنتے ہیں۔ ایسے نالائق لوگ خدا کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے جو صحیح راستہ پر ہیں جھگڑا کرنے لگتے ہیں اور حق بات کہی جاتی ہے تو منہ موڑنے لگتے ہیں۔ یا ایسے ہیں کہ جیسے خود گمراہ ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت عذاب۔

خلاصہ یہ ہے کہ تین طریقوں میں سے جو شخص کسی ایک طریقہ سے بھی معرفتِ باری تعالیٰ حاصل نہیں کرتا اس کا ایمان محض زبانی ہے۔ اگر وہ اپنی رائے اور قیاس سے خدا کے بارہ میں کچھ کہتا ہے تو اس کی کوئی بات قابلِ قبول نہیں۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩ع وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ٰاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ٰانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ

ع ۸

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ۚ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

(اُس سے کہا جائے گا) یہ اُن اعمال کی سزا ہے جو تیرے ہاتھوں نے پہلے سے کیے ہیں۔ خدا تو اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہی نہیں کچھ ایسے بھی لوگ ہیں کہ اللہ کی عبادت کنارہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ اگر اس کو فائدہ ہو گیا تو مطمئن ہو گیا اور اگر کوئی مصیبت آ پڑی تو منہ پھیر کر کفر کی طرف پلٹ پڑا۔ اس کی دنیا و آخرت دونوں گھاٹے میں رہے اور سب سے بُرا گھاٹا یہی ہے خدا کو چھوڑ کر ان کو وقتِ حاجت بُلاتا ہے جو اس کو نہ تو نقصان ہی پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ ہی۔ یہی تو پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔ وہ ایسے کو پکارتا ہے جس سے نقصان پہنچنا بہ نسبت اس سے نفع پہنچنے کے زیادہ قریب ہے۔ بے شک ایسا مالک بھی بُرا ہے اور ایسا رفیق بھی۔

دنیا و آخرت کا خسارہ

منقول ہے کہ ایک یہودی ایمان لایا۔ اس کے بعد اس کی آنکھیں دُکھنے لگیں یہاں تک کہ بینائی جاتی رہی۔ اس کے بعد کچھ اور بلاؤں میں بھی مبتلا ہُوا۔ گھبرا کر حضرت رسولؐ کے پاس آیا کہ اسلام میرے حق میں نہایت منحوس ثابت ہُوا آپ میرے اسلام کو توڑ دیجئے۔ فرمایا اسلام تو نہیں ٹوٹ سکتا۔ آخر وہ مر گیا۔ یہ آیت اسی کی شان میں ہے۔

دُنیا میں کئی قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو دنیا کی طرف کھنچ کر دین کی طرف سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں۔ ان کے دین کا تو خاتمہ ہو جاتا ہے مگر انہیں دُنیا مل جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو دین کے معاملہ میں پورا یقین نہیں رکھتے ان کا مقصد پورا ہو گیا تو دین کو اچھا کہنے لگے، نقصان پہنچ گیا تو دین کو بُرا سمجھنے لگے۔ یعنی کبھی خدا سے خوش ہیں کبھی ناخوش ان کی دنیا بھی خراب ہوتی ہے اور آخرت بھی۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو دین کے مقابل دنیا کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ کتنی ہی تکلیفیں پہنچیں مگر اُن کے ایمان میں کمزوری پیدا نہیں ہوتی۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ

اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں اللہ اُن کو ایسی جنّتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (کوئی اس کو روکنے والا نہیں)۔ جو شخص (غصّہ میں) یہ بدگمانی کرتا ہے کہ دُنیا و آخرت میں خدا اس کی ہرگز مدد نہ کرے گا اُسے چاہیئے کہ آسمان تک ایک رسّی تانے (اور اپنے گلے میں پھانسی ڈال لے) پھر اُسے کاٹ دے (تاکہ گھُٹ کر مر جائے) پھر دیکھے کہ جو چیز اُسے غصّہ میں لا رہی تھی اُسے اس کی تدبیر دفع کر دیتی ہے یا نہیں۔ اس طرح ہم نے اس قرآن کو واضح نشانیاں بنا کر نازل کیا۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

مشرکین کہا کرتے تھے محمدؐ جھوٹے ہیں (استغفر اللہ) خدا ان کی مدد نہ دنیا میں کرے گا نہ آخرت میں۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ تم گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لو۔ اور اے مشرک، دیکھ کہ تیرا چاہا کبھی کچھ نہ ہوگا۔ اللہ اپنے رسولؐ کا دنیا و آخرت دونوں جگہ مددگار ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا

لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾ السجدة هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِىْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں (مسلمان) اور یہودی اور لامذہب اور نصارٰی اور مجوسی اور مشرکین۔ خدا ان لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کرے گا بے شک خدا ہر چیز کو دیکھ رہا ہے کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کو سجدہ کر رہے ہیں وہ لوگ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بکثرت انسان اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر (نافرمانی کی وجہ سے) عذاب لازم ہو چکا ہے جس کو اللہ ذلیل کرے پھر اس کا کوئی عزّت دینے والا نہیں۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ دونو (مؤمن و کافر) دو فریق ہیں۔ آپس میں اپنے پروردگار کے بارہ میں لڑتے ہیں پس جو کافر ہیں ان کے لیے تو آگ کے کپڑے قطع کیے گئے ہیں اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

بخاری نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن اُن سب سے پہلے استغاثہ کے لیے میں کھڑا ہوں گا قیس نے کہا کہ آیہ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ..... الخ انہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو جنگ بدر میں جہاد کو نکلے۔ یعنی حضرت علیؓ، حمزہؓ اور ابو عبیدہؓ جن کے مقابل تھے شیبہ، عتبہ اور ولید۔

ادیان کی تقسیم دنیا میں یوں پائی گئی ہے: خدا کو ایک ماننے والے یعنی مسلمان۔ دو ماننے والے مجوسی یا آتش پرست۔ خدا کا ساجھی ایک ماننے والے یہودی اور نصرانی۔ بہت سے شریک ماننے والے بودھ۔ ہندو وغیرہ ان میں سے ہر ایک دین اپنے اندر بہت سے فرقے رکھتا ہے۔ یہودیوں میں اکہتر ہیں، نصارٰی میں بہتر اور مسلمانوں میں تہتر ہیں۔ یہ تینوں اہلِ کتاب کہلاتے ہیں۔ باوجود کتاب خدا نازل ہونے کے فرقہ بندی سے باز نہ رہے۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا۔ ان کے درمیان جو اختلاف ہے وہ بڑھتا ہی جا رہا ہے گھٹنے کی صورت نہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ قیامت میں ان سب کے اختلاف دُور کر دئیے جائیں گے یعنی ان پر ان کے عقیدہ کی غلطی واضح کر کے ان کو سزا دی جائے گی۔

خدا فرماتا ہے کہ جتنی چیزیں آسمان و زمین میں اور ان کے درمیان ہیں وہ سب خدا کو سجدہ کرتی ہیں۔ سجدہ سے یہ مراد نہیں کہ وہ ہماری طرح اپنا ماتھا زمین پر رکھتی ہیں بلکہ ان کی فطرت یہ بتاتی ہے کہ وہ کسی بڑی قوّت (خدا) کے تحت

اپنے اپنے نظامِ زندگی کو چلا رہی ہیں۔ ان کی فطرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی خالق کی مخلوق ہیں اور اپنی بقا میں کسی قادرِ مطلق کی محتاج ہیں۔

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ق وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ع

۲ ع ۱۲ ۹

جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور کھالیں سب گل جائیں گی اور ان کے (مارنے کے لیے) لوہے کے گرز ہوں گے۔ جب ان کی مار سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر اسی کے اندر دھکیل دئیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلا دینے والے عذاب کے مزے چکھو۔

جہنم کی زندگی ایسی ہوگی جس کے لیے موت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا ہر مومن کو بچائے رکھے۔ ایک طرف بے پناہ شعلے جسم کو جلا رہے ہوں گے پیٹ کی آلائش پگھل پگھل کر گر رہی ہوگی اور پھر پیدا ہو کر نکل رہی ہوگی یہی صورت دوامی ہوگی لوہے کے شعلے برساتے ہوئے گرز سروں پر پڑ رہے ہوں گے اور برابر پڑتے ہی رہیں گے۔ وہاں سے نکلنے کا کسی حالت میں سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ

يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ ع

۳ ع ۱۰

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں ان کو سونے کے کنگنوں اور موتیوں کے ہاروں سے سجایا جائے گا اور ان کے لباس ریشمی ہوں گے انہیں اچھی بات کی (کلمۂ توحید) قبول کرنے کی ہدایت بخشی گئی اور قابلِ حمد صفاتِ خدا کا راستہ دکھایا گیا۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور لوگوں کو راہِ خدا پر چلنے سے اور اُس مسجد الحرام کے داخلے سے روکتے ہیں جس میں شہری اور بدوی سب کا حق برابر ہے جو شخص اس میں شرارت سے گمراہی کرے گا ہم اُسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

کافروں سے مراد اہلِ مکہ ہیں جو مسلمانوں کے درپے آزار ہو کر ان کو سابق دین کی طرف پلٹ آنے کی طرف رغبت دلاتے تھے اور مسجد الحرام یعنی کعبہ میں جانے اور مناسکِ حج بجا لانے سے مسلمانوں کو روکتے تھے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ یہ تمہارے باپ دادا کی جاگیر نہیں ہے خدا کا گھر ہے جس میں شہری اور بدوی ہر ایک کو عبادت کرنے کا حق ہے۔ اگر تم اپنی کافرانہ چالوں سے باز نہ آؤ گے تو تمہیں دردناک عذاب آ دبائے گا۔ جب تک حضورؐ مکہ میں رہے مشرکین مسلمانوں کو کعبہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو حضرتؐ کو حج کرنے میں مانع ہوئے اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ یہ آیات انہی کے متعلق ہیں۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

وَلۡيَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۲۹﴾

(اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ ظاہر کر دی (اور یہ کہہ دیا کہ) میرا کسی چیز کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے صاف ستھرا رکھنا اور یہ کہ لوگوں کو حج کی خبر کر دو۔ لوگ تمہارے پاس پیادہ اور دُبلی پتلی سواریوں پر جو راہ دُور دراز طے کر کے آئی ہوں گی (بڑھ چڑھ کے) آپہنچیں گے تاکہ اپنے دُنیا و آخرت کے فائدے حاصل کریں اور جو جانور چوپائے خدا نے انہیں عطا فرمائے ہیں ان پر (ذبح کے وقت) چند معیّن دنوں میں خدا کا نام لیں تو تم لوگ (قربانی کا گوشت) خود بھی کھاؤ اور بھوکے محتاجوں کو بھی کھلاؤ پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے بدن کی کثافت دُور کریں اور اپنی نذریں پُوری کریں اور قدیم عبادت خانہ (خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

جس جگہ اب خانہ کعبہ بنا ہُوا ہے اس کی نشاندہی جبریلؑ نے کی تھی۔ ایک روایت ہے کہ طوفانِ نوحؑ سے پہلے بھی بیت اللہ اسی مقام پر تھا۔ طوفان کے وقت اسے اُٹھا لیا گیا تھا۔ اس کے بعد پھر اسی جگہ بنایا گیا۔ اسی لیے اس کو بیت العتیق یا پرانا گھر کہتے ہیں۔

اس گھر کو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ دونوں نے بنایا تھا۔ ابراہیمؑ معمار تھے اور اسمٰعیلؑ مزدور۔ پتھر اُٹھا کر لانے میں جبریلؑ بھی مدد دیتے تھے۔ اگرچہ یہ مختصر سا ایک کمرہ تھا جو ان گھڑے پتھروں سے بنایا گیا تھا مگر خدا کی طرف سے خاص احترام اس کا معیّن کیا گیا۔ اس گھر میں کوئی کسی کو ستا نہیں سکتا۔ اگر قاتل داخل ہو جائے تو جب تک خود نہ نکلے کوئی جبراً نکال نہیں سکتا۔ کوئی شکار نہیں کر سکتا۔ وہاں کی گری ہوئی چیز اٹھا کر اپنے قبضہ میں نہیں کر سکتا۔ حج و عمرہ کے زمانہ میں بغیر احرام باندھے ارکانِ عبادت بجا نہیں لا سکتا۔

خانہ کعبہ کی تیاری کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہُوا کہ لوگوں کو حج کے لیے بُلاؤ۔ عرض کی پالنے والے یہ تو وادئ غیر ذی زرع ہے یہاں کوئی بستی نہیں کون حج کو آئے گا۔ حکم ہُوا نہیں، تم بلاؤ۔ دُور دُور سے لوگ اونٹوں پر بیٹھے چلے آئیں گے اور نیچے اونچے راستوں، پہاڑی گزرگاہوں کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے آواز دی یَآ اَیُّھَا النَّاسُ ھَلُمُّوۡا اِلَی الۡحَجِّ (لوگو حج کے لیے آؤ)۔ یہ آواز ہر اس جگہ پہنچ گئی جہاں کوئی آدمی بستا تھا۔ بلکہ ان بچّوں تک جو بطنِ مادر میں تھے بلکہ ان نطفوں تک جو صلبِ پدری میں تھے حج میں آخری منزل جس کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے کسی چوپائے کی قربانی ہے جیسے اونٹ، گائے، بھیڑ بکرا۔ خدا کا نام لے کر منیٰ میں اس کو ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت خود بھی کھائے اور اپنے رشتہ داروں اور محتاجوں کو

بھی کھلائے۔ اس کے بعد نہائے دھوئے اور دورانِ سفر جو کثافت بدن پر ہو اس کو دُور کرے۔ جو منّتیں ہوں وہ پوری کرے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو، آدابِ زیارت بجا لائے اور خانہ کعبہ کا طواف نساء بجا لائے۔ اس کے بغیر مرد پر عورت حلال نہ ہوگی۔ حج صاحبِ استطاعت پر عمر بھر میں ایک بار واجب ہے باقی سنّت ہے جتنے چاہے کرے

ذٰلِكَ ۚ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ؕ

اس کے علاوہ جو شخص حرمت والی چیزوں کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے لیے خدا کی درگاہ میں بہتر ہے

قبلِ اسلام بھی لوگ حج کرتے تھے مگر وہ عبادت نہ تھی بلکہ کھیل تماشا تھا۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ خانۂ کعبہ کے اندر جو بُت رکھے تھے ہر قبیلہ کا آدمی اپنے اپنے بُت کی پُوجا کرتا تھا۔ ان کے سامنے سجدے کرتے تھے پرشاد چڑھاتے تھے۔ اسلام نے ارکانِ حج کو ان تمام لغویات سے پاک کیا۔ پہلی آیتوں میں جو ایّامِ معلومات آیا ہے اس سے مراد ذی الحجہ کی دسویں، گیارھویں اور بارھویں تاریخ مراد ہے باقی احکام فقہ کی کتاب الحج میں دیکھنے چاہئیں۔

وَاُحِلَّتۡ لَـكُمُ الۡاَنۡعَامُ اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ۙ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ لَـكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۳۳﴾ ع

اور اُن جانوروں کے علاوہ جو تم سے بیان کیے کُل جانور تمہارے واسطے حلال کیے گئے۔ تم

بتوں سے بچو اور لغو باتوں سے بچو، خالص اللہ کے بندے ہو کر رہو اور جس کسی نے خدا کا شریک بنایا گویا وہ آسمان سے گر پڑا اور کسی (مُردار خور) پرندہ نے اُسے اُچک لیا یا تیز ہوا کے جھونکے نے اُسے دُور جا پھینکا (اور اس کے چیتھڑے اُڑ گئے) جس شخص نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو اس میں شک نہیں کہ وہ دلوں کی پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے اور (ان چارپایوں میں) ایک مدت تک تمہارے لیے فائدے ہیں پھر ان کے ذبح ہونے کی جگہ قدیم عبادت خانہ (کعبہ) ہے۔

جن چوپایوں کو خدا نے حلال قرار دیا ہے تم اپنی طرف سے حرام مت بناؤ اور جن کو حرام کیا ہے ان کو حلال مت قرار دو۔ تمہیں اس بارہ میں کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ بتوں کی نجاست سے بچے رہو۔ ان کے سامنے ان کے نام سے ذبح نہ کرو نہ ان کے لیے قربانی کرو ان کو خدا کا شریک بنانا انسان کے لیے انتہائی ذہنی گندگی ہے اور قول زُور سے بھی بچو۔ قول زُور کے مفسرین نے مختلف معانی تحریر کیے ہیں۔ جیسے جھُوٹی قسم، جھُوٹی گواہی، شرک، گانا، مکاری۔ یہاں تو بلحاظ سیاق و سباق شرک کے ہی معنی لینے چاہئیں۔ لیکن لفظ زُور کا اطلاق جن معانی پر بھی ہوتا ہے ان سب ہی سے بچنا چاہیئے۔

جو مثال شرک کی یہاں دی گئی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو خدا نے بلند فطرت پیدا کیا ہے لیکن شرک کرنے کے بعد وہ اس بلندی سے نیچے گرنے لگتا ہے گویا آسمان سے زمین کی طرف آنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیاطین کو اس پر غلبہ حاصل کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور پھر وہ انسانیت سے بے تعلق ہو کر اپنی قابلِ ملامت زندگی بسر کرتا ہے۔ یا پھر اس کی نفسانی حالت اتنی تباہ ہو جاتی ہے کہ وہ کسی امرِ نیک کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ شرک ہزار بیماریوں کی ایک بیماری ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق سب کے سب انسانیت کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں۔

شعائر اللہ سے مراد اللہ کے دین کی نشانیاں ہیں جیسے بُدنہ (قربانی کا اُونٹ) شعائر اللہ میں سے ہے صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ ان کی تعظیم کرنا واجب ہے۔ جو ان کی تعظیم کرتا ہے وہ اپنے دل کی پاکیزگی کا ثبوت دیتا ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ

الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾

ہم نے ہر اُمّت کے لیے قربانی کا طریقہ مقرر کر دیا ہے تاکہ جو مویشی خدا نے ان کو عطا کیے ہیں ان پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں۔ تمہارا معبُود تو خدائے واحد ہے تو اس کے فرماں بردار بن جاؤ۔ (اے رسول) ہمارے ان گڑگڑانے والے بندوں کو (بہشت کی) خوش خبری دے دو، جن کے سامنے جب خدا کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں اور جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو صبر کرتے ہیں اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور ہم نے جو رزق ان کو دیا ہے اُسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ ہر قوم کے لیے خدا کی عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا گیا تھا اور ان سب میں خدا کی طرف رجوع کرنا لازم قرار دیا گیا ورنہ وہ عبادت مقبول نہیں ہو سکتی۔ کوئی امرِ خیر بھی ہو اگر اس کا مقصد خوشنودیٔ خدا نہیں تو وہ عبادت بیکار ہے۔ عبادت تو اسی کی ہونی چاہیے جس کا انسان بندہ ہے اگر وہ کسی کو اس کا شریک قرار دے کر عبادت کرتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے اپنے معبُود کو پہچانا ہی نہیں۔

یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو جانور حلال قرار دئے گئے ہیں وہ بلحاظ اپنے گوشت کی افادیت کے لیے حلال ہیں اگر وقتِ ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے تو گوشت کی خوبی میں کیا فرق پڑ جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں گوشت کی افادیت سے بحث نہیں بلکہ ذبح کرنے والا خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے یا نہیں۔ اس کی نیت بخیر ہے یا نہیں۔ وہ اللہ کے نام سے برکت حاصل کرنا چاہتا ہے یا نہیں جس نے اس کو یہ نعمت دی ہے اس کا وقتِ ذبح ذکر کرتا ہے یا نہیں۔ کیا یہ انتہائی ناشکری نہیں ہے کہ نعمت کے وقت منعم کا نام بھی نہ لیا جائے۔ اسلام میں تاکید ہے کہ جب کھانا کھانے بیٹھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کے بعد لقمہ منہ میں دو۔ اس لیے نہیں کہ خدا کا نام لینے سے کھانا زیادہ لذیذ ہو جائے گا بلکہ اس لیے کہ کھانے والے سے اللہ پر ایمان رکھنے کا ثبوت ملے گا۔ اس کا پتہ چلے گا کہ وہ خدائے واحد کے سوا کسی دُوسرے پر ایمان نہیں رکھتا۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی کو کوئی نعمت دیتا ہے تو لینے والا سب کے سامنے یہ ذکر کرتا ہے کہ یہ فلاں شخص نے مجھے دیا ہے اس سے اس کے شکر گزار ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ کیا جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے وہ خدا کی ایک بڑی نعمت نہیں ہے۔ اگر خاص اُسی کی بخشی ہوئی ہے تو کیا وجہ اس کے ذبح کے وقت اس کا نام نہ لیا جائے۔

ھ آگے چل کر خدا نے ان خاص بندوں کو بہشت کی خوشخبری دی ہے جو چار صفتیں رکھتے ہیں۔
۱۔ جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں (توبصورتِ نافرمانی اس کے عذاب کے خوف سے) ان کے دل سہم جاتے ہیں۔
۲۔ ہر مصیبت پر صبر کرتے ہیں یعنی خدا پر کسی حالت میں اعتراض نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہتے کہ خدا نے ہم پر ظلم کیا ہے یا ناانصافی کی ہے۔
۳۔ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔ طبیعت میں کسل کو راہ نہیں دیتے۔ وقت نماز آجانے پر کسی اور کام کو اس پر ترجیح نہیں دیتے۔
۴۔ جو رزق اللہ نے ان کو دیا ہے اس میں خدا کے محتاج بندوں کو بھی شریک سمجھتے ہیں اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہ صفات انفرادی طور اور لوگوں میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن مجموعی طور پر اور بہترین صورت میں ان کے مصداق اہلبیتؑ رسولؐ ہیں جنہوں نے کسی موقع پر اپنے نفس کی کمزوری ظاہر نہیں کی خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ وضو کرتے وقت اور نماز ادا کرتے وقت قرآن میں آیاتِ عذاب پڑھتے وقت ان کے بدن میں کپکپی پیدا ہو جاتی تھی گویا ایک جلیل القدر بادشاہ کے سامنے ایک گنہ گار غلام کھڑا ہے۔ بڑے بڑے جانفرسا مصائب کا اُنہیں سامنا ہوا۔ اُن کے حقوق غصب کیے گئے اُن کی میراث ضبط کی گئی۔ اُنہیں قید و بند کی اذیتیں دی گئیں مگر انہوں نے صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ نماز کی پابندی کا یہ عالم کہ میدانِ جنگ میں جبکہ دشمن ہر طرف سے تیروں کی بارش کر رہا تھا وہ مُصلّٰی بچھا کر نماز کا وقت آنے پر نماز پڑھنے لگتے تھے۔ خدا کی راہ میں دینے کا یہ عالم کہ اپنے گھر میں سامانِ دنیا سے کوئی چیز ذخیرہ نہ کی۔ جو ملا راہِ خدا میں دے دیا۔ خود فاقے کیے مگر کسی کا بھوکا رہنا گوارا نہ کیا۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۚ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ

لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں قرار دیا ہے تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے پھر انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو (نحر کرو) جب ان کے دست و بازو کٹ کر زمین پر گریں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت پیشہ فقیروں اور مانگنے والے محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے یوں ان جانوروں کو تمہارا تابع کر دیا کہ تم شکر گزار رہو۔ خدا تک نہ تو ان کے گوشت پہنچیں گے اور نہ ان کے خون البتہ اس تک تمہاری پرہیز گاری پہنچے گی۔ ان جانوروں کو اس لیے تمہارے قابو میں کر دیا ہے کہ جس طرح خدا نے تمہیں ہدایت کی ہے اسی طرح اس کی بڑائی کرو اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری دے دو بے شک اللہ ایمانداروں سے کفّار کو دفع کرتا رہتا ہے۔ خدا کسی بد دیانت ناشکرے کو دوست نہیں رکھتا۔ جن مسلمانوں سے کفّار لڑا کرتے تھے (چونکہ بہت ستائے گئے) لہٰذا ان کو بھی جہاد کی اجازت دے دی گئی اور خدا ان لوگوں کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

بُدنہ اس موٹے تازے اُونٹ کو کہتے ہیں جو موسم حج میں قربانی کے لیے لے جاتے ہیں۔ اُسے خدا نے شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے۔ جب قربانی کے لیے لے جاتے ہیں تو اس کے بدن کا کچھ خون لے کر اس کے اگلے حصّہ پر مَل دیتے ہیں تاکہ یہ شناخت رہے کہ یہ قربانی کا اُونٹ ہے۔

صواف کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اگلے دونوں پیر باندھ کر پھر اس کے حلقوم میں نیزہ مارا جائے تاکہ خوب خون جھنڈ نکل جائے۔ جب وہ گر پڑے اور اس کی تڑپ جاتی رہے تب اس کے اعضا کھال اُتارنے کے بعد علیحدہ کیے جائیں اس قربانی سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اس کے گوشت۔ کھال اور ہڈی اور اُون سے۔

مشرکوں کا خیال تھا کہ بتوں کے سامنے جو قربانی کی جاتی ہے اس کا ایک تہائی حصّہ خدا کو ملتا ہے۔ انہی کی تردید میں خدا فرما رہا ہے کہ تمہاری اس قربانی کا کوئی حصّہ خدا تک نہیں پہنچتا نہ گوشت نہ خون بلکہ وہ تمہارے تقویٰ اور پرہیز گاری کی جانچ کرتا ہے۔ خدا نے ان مویشیوں کو تمہارا تابعدار بنا دیا ہے۔ تم ان پر سوار ہوتے ہو۔ ان سے باربرداری کا کام لیتے ہو۔ ان کی اُون سے فائدہ اُٹھاتے ہو۔ چنانچہ تمہاری بہت سی خدمتیں انجام دیتے ہیں۔

لہٰذا ان کو عزیز رکھتے ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم ہماری خوشنودی کے لیے اُن کو قربان کرتے ہو یا نہیں۔ اس قربانی کے بعد تمہیں بھی اور تمہارے محتاج بھائیوں کو بھی بہت سا گوشت کھانے کو ملتا ہے جو عام دنوں میں اتنا میسر نہیں آتا۔

یہ قربانی صرف انہی لوگوں کے لیے نہیں رکھی گئی جو فریضۂ حج ادا کریں بلکہ ہر اس مسلمان پر فرض کی گئی جو کسی بھی خطۂ زمین پر آباد ہو۔ تاکہ اگر وہ فریضۂ حج ادا نہ کر سکے تو حج کرنے والے مسلمانوں کے اس فریضہ میں تو شرکت کر سکے۔ اور مویشیوں کی جو نعمت خدا نے دی ہے اس کا کم از کم سال میں ایک بار تو شکریہ ادا کر لیا کرے۔ یہ ایسا ضروری قرار دیا گیا کہ قربانی کے بجائے اس کی قیمت دینے کا حکم نہیں۔ نیز یہ کہ موسم حج میں جب تک قربانی نہ کر دے احرام کا لباس نہیں اتار سکتا۔

یہ قربانی حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کی یادگار بھی ہے چونکہ ایک عظیم الشان واقعہ تھا، باپ کا بیٹے کے ذبح پر تیار ہونا معمولی بات نہ تھی لہٰذا قدرت نے اس قربانی کی یاد باقی رکھنے کے لیے تاکیدی حکم دیا۔ جس طرح قدرت اس واقعہ کی یاد باقی رکھنا چاہتی ہے اسی طرح کربلا میں جو ذبح عظیم ہوا اس کی یادگار بھی انشاء اللہ دنیا میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ اس واقعہ کو بھلانے کے لیے سلطنتوں نے بڑے بڑے زور صرف کیے لیکن جسے خدا باقی رکھنا چاہے اسے کون مٹا سکتا ہے۔ چنانچہ آج تک عزاداری شہدائے کربلا باقی ہے۔ ذبح اسمٰعیلؑ کی یاد صرف ایک دن منائی جاتی ہے اور واقعۂ کربلا کی یاد سال کے ہر حصہ میں ہوتی رہتی ہے۔ اسی لیے اس کو ذبح عظیم کہا گیا ہے۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

ایسے لوگ بھی ہیں جو ناحق صرف اس بات کے کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے

اور اگر خدا لوگوں کو ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے دُور دفع نہ کرتا رہتا تو گرجے یہودیوں کے عبادت خانے اور مجوسی کے معبد اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کب کے ڈھا دیئے گئے ہوتے اور جو شخص خدا کی مدد کرے گا خدا بھی اس کی مدد ضرور کرے گا۔ بے شک خدا زبردست غالب ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں روئے زمین پر قابو دے دیں تو بھی یہ لوگ پابندی سے نمازیں پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور بُرے کاموں سے روکیں گے اور یوں تو سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

جب تک مسلمان مکہ میں رہے ان کو صبر و ضبط کی تعلیم تھی۔ بیچارے طرح طرح کی اذیتیں جھیلتے رہے لیکن جب ہجرت کا حکم ہوا اور وہاں سے کچھ مسلمان نکلے تو مشرکوں نے اُن پر بڑے ظلم و ستم کیے۔ صہیبؓ کا سارا مال چھین لیا۔ بمشکل بدن پر کپڑے لے کر مکہ چھوڑا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو سلمہؓ جب چلنے لگے تو ام سلمہ کے خاندان والوں نے ام سلمہؓ کو روک لیا اور ابو سلمہؓ سے کہا تم جا سکتے ہو تمہاری بی بی جو ہمارے قبیلہ کی ہے نہیں جا سکتی۔ اسی طرح جس نے نکلنا چاہا مشرک مانع آتے، حتیٰ کہ ماؤں کی گود سے بچے چھین لیتے۔ ۲ھ میں حضرت رسولؐ خدا کو جہاد کی اجازت دی گئی۔ اس وقت مدینہ میں مہاجر و انصار مل کر ایک ہزار سے زاید نہ تھے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ پھر سامانِ جنگ بھی ان کے پاس نہ تھا۔ مشرکوں کے پاس بڑی قوت تھی۔ مکہ والوں کے علاوہ ارد گرد کے تمام قبائل اُن کے حلیف تھے پھر اُنہوں نے یہودیوں کو بھی شامل کر لیا تھا۔ وہ اس غرور میں چھکے ہوئے تھے کہ مٹھی بھر مسلمان ہمارے سامنے ہیں کیا۔ جب تلوار لے کر اُٹھیں گے چٹکی بجاتے خاک میں ملا کر رکھ دیں گے۔ لیکن انہوں نے جنگِ بدر کے پہلے ہی موقع پر دیکھ لیا کہ خدا نے کس طرح مسلمانوں کی مدد کی اور مشرکین کی ناکیں کس طرح رگڑی گئیں۔ اس میں شک نہیں اگر مشرکین مسلمانوں پر پہلی ہی لڑائی میں غالب آ جاتے تو ان کے ہاتھوں وہ تمام عبادت خانے مسمار ہو جاتے جہاں اللہ کا نام لیا جاتا تھا اور ان سب معبدوں کو بُت خانہ بنا دیا جاتا۔

اس آیت کے مصداق بعد میں امام حسین علیہ السلام قرار پائے جن کو یزیدی دور میں بے جرم و خطا مدینہ سے نکالا گیا۔ اگر واقعۂ کربلا پیش نہ آتا تو یزید بھی تمام عبادت خانوں کو مسمار کرا کر بُت خانہ بنا دیتا کیونکہ شرک اس کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا اور وہ دورِ جاہلیت کو پلٹانا چاہتا تھا۔

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ

بعض قوموں سے بعض کو دفع کرنا

فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۴۴﴾ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿۴۵﴾

(اے رسول) اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو تم سے پہلے قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ ابراہیم لُوط و مدین والوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا اور موسٰی کو جھٹلایا تھا۔ ہم نے کافروں کو مہلت دے دی تھی پھر ہم نے ان کو دھر پکڑا پس کیسا عذاب تھا۔ بہت سی بستیاں ظلم پسند تھیں پس ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا وہ اپنی چھتوں پر ڈھئی پڑی تھیں اور کنوئیں بیکار ہو گئے تھے اور کتنے مضبوط محل ویران تھے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿۴۷﴾

کیا لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل حق بات کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے اور ان کے کان حق بات کو سُننے لگتے۔ ان کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ اُن کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ تم سے عذاب میں جلدی چاہتے ہیں اور خدا نے جو (عذاب کا) وعدہ کیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرتا لیکن اس کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ مختلف ملکوں اور شہروں میں جاکر قوموں کی تباہی و بربادی کے حالات سُنیں اور

ان کی تباہ شدہ بستیوں کو دیکھیں تو ان کو پتہ چلے کہ خدا کے نافرمان بندوں کو کیا سزا ملا کرتی ہے اور جب کسی قوم پر عذابِ الٰہی نازل ہوتا ہے تو اس آبادی کی حالت کیسی تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ آنکھوں کے اندھے تو نہیں کہ ان بربادیوں پر اُن کی نظر نہ جاتی ہو مگر اسے کیا کہیے کہ ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں۔ دیکھتے سب کچھ ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں۔

اے رسولؐ، جس عذاب سے تم ان لوگوں کو ڈراتے ہو تو اس کے آنے میں جلدی مچانے لگتے ہیں تاکہ تمہاری سچائی کا اندازہ کر سکیں۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا کا حساب بھی ہماری ہی جنتریوں اور کیلنڈروں جیسا ہے کہ جو وعدہ کیا ہے وہ دو چار روز ہی میں پورا ہو جانا چاہیئے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ خدا کا وعدۂ عذاب اس کے الوہی حساب سے ہے اور تمہارے وعدے تمہارے حساب سے ہوتے ہیں۔ اس کے یہاں ایک دن تمہارے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر وہ ایک دن کا وعدہ کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ایک ہزار سال کے اندر جب چاہے پورا کر سکتا ہے۔ دو برس میں چار برس میں دس برس میں یا بیس برس میں، وہ ہوگا ایک ہی دن کے اندر۔ عذاب کا جو وعدہ ہے وہ پورا ضرور ہوگا۔

عذاب میں مہلت اس لیے دی جاتی ہے کہ شاید یہ لوگ سمجھ جائیں۔ اسی لیے رسولؐ بار بار ان کو ہدایت کرتے ہیں۔ ان کی عقلوں سے پردے ہٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایمان لے آتے ہیں۔ اگر عذاب میں جلدی کی جاتی تو یہ ایمان والے بھی اس کی زد میں آجاتے۔ اس کو تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب اور کتنے لوگ ایمان لانے والے ہیں۔

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿۴۸﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۵۱﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۲﴾

ع ۶ ۱۳

بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کے باشندوں کو مہلت دی ہوئی ہے درآنحالیکہ وہ سرکش تھے پھر میں نے ان کو لے ڈالا اور ان کی بازگشت میری ہی طرف ہے (اے رسول) تم لوگوں سے کہہ دو بیں تم کو صاف طریقہ سے ڈرانے والا ہوں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت ہے اور (جنّت کا) رزق کریم ہے۔ اور جن لوگوں نے آیات کے (جھٹلانے کے بارہ میں) ہم کو عاجز کرنے کی کوشش کی وہ جہنّمی لوگوں میں سے ہیں۔ اے رسول تم سے پہلے ہم نے جس رسول یا نبی کو بھیجا جب انہوں نے (تبلیغ احکام کی) آرزو کی تو شیطان نے خلل ڈال دیا جو وسوسہ شیطان ڈالتا ہے اللہ اُسے ملیامیٹ کر دیتا ہے پھر خدا اپنی آیات کو مضبوط کرتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔

خدا نے اپنی حجّت تمام کرنے کے لیے بہت سی بستیاں ایسی تھیں جن پر عذاب کو نازل کرنے میں ڈھیل دی حالانکہ اس کے باشندے سرکشی دکھا رہے تھے۔ یہ مہلت اس لیے دی گئی کہ شاید سنبھل جائیں اور ایمان لے آئیں مگر جب وہ سرکشی سے باز نہ آئے تو پھر وہ عذاب سے بچ کہاں سکتے تھے۔ جو لوگ خدا کی آیات کی تکذیب کر کے خدا کو عاجز دکھانا چاہتے تھے وہ یقیناً جہنمی ہیں۔ اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اس کے بعد رسولؐ کی تسلّی کے لیے فرمایا کہ تم سے پہلے بھی انبیاء و مرسلین آئے۔ جب انہوں نے چاہا کہ تبلیغ دین کریں شیطان نے لوگوں کو آ بہکایا اور ان کی اس آرزو کے پورا ہونے میں آڑے آ گیا لیکن اس کی یہ کارستانی کامیاب نہ ہوئی۔ جو وسوسے اس نے پیدا کیے تھے اللہ نے لوگوں کے دلوں سے وہ مٹا دیئے اور اپنی آیات کا نقش لوگوں کے دلوں پر جما دیا۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ

السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾

(یہ شیطان اس لیے وسوسے ڈالتا ہے) تاکہ جن لوگوں کے دل میں مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں ان کو اپنے وسوسوں سے ڈرا کر فتنہ کا باعث بنا دے اور یہ مشرکین پرلے درجہ کی مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے (وحی) حق ہے پس اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل خدا کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں بے شک خدا ان کو صراطِ مستقیم تک پہنچاتا رہتا ہے۔ کافر لوگ اس قرآن کی طرف سے ہمیشہ شک ہی میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت یکایک ان کے سر پر آ موجود ہو یا منحوس دن ان کو آ لے سلطنت تو اس دن (قیامت میں) اللہ ہی کی ہو گی وہ لوگوں کے درمیان حکم کرے گا پس ایمان لانے والے اور عملِ صالح کرنے والے نعمتوں سے بھرے باغوں میں ہوں گے۔

کہا یہ جا رہا ہے کہ جب کوئی نبی امرِ حق کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو پوری ہونے میں خلل انداز ہوتا تھا۔ ایک گروہ نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ شیطان نبی یا رسول کے دل میں وسوسہ ڈال کر خلل انداز ہو جاتا تھا۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ نبی یا رسول پر شیطان کا قابو چلتا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں آیت کے الفاظ تو صاف یہی بتا رہے ہیں کہ جب انبیاء و مرسلین یہ چاہتے تھے کہ سارا جہان خدا کی توحید پر ایمان لے آئے تو شیطان چاہتا تھا کہ دنیا میں کوئی بھی ایمان نہ لائے وہ لوگوں کو بہکانے میں لگ جاتا تھا۔ جن لوگوں کے دل میں کفر کی بیماری تھی یا جن کے دل ہدایت قبول کرنے میں پتھر جیسے سخت ہو گئے تھے۔ وہ شیطان کے بہکائے میں آ ہی جاتے تھے۔ لیکن خدا اپنے نبی و رسول کی آرزو کو پورا کرتا ہے اور ان کو اپنے مساعی جمیلہ میں کامیاب ہونے کا موقع دیتا ہے۔

یوم عقیم۔ عقیم کے معنی بانجھ کے ہیں پس یا تو اس یومِ عقیم سے مراد قیامت کا دن ہے جس میں تعلقات کے سلسلہ منقطع ہو جائیں گے یا روزِ بدر کی جنگ مراد ہے کہ باوجود مسلمانوں کی کمزوری کے کفّار کے لیے وہ بہت زیادہ سخت دن تھا۔

والذین کفروا وکذبوا بایٰتنا فاولٰئک لھم عذاب مھین ﴿۵۷﴾ ع
والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا لیرزقنھم اللہ رزقا حسنا ۚ وان اللہ لھو خیر الرزقین ﴿۵۸﴾ لیدخلنھم مدخلا یرضونہ ۚ وان اللہ لعلیم حلیم ﴿۵۹﴾ ذٰلک ۚ ومن عاقب بمثل ما عوقب بہ ثم بغی علیہ لینصرنہ اللہ ۚ ان اللہ لعفو غفور ﴿۶۰﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور جن لوگوں نے خدا کی راہ میں اپنے وطن کو چھوڑا پھر قتل کیے گئے یا اپنی موت مر گئے تو خدا انہیں آخرت میں بہتر روزی عطا کرے گا اور بے شک اللہ تمام رزق دینے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ وہ ضرور انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے اور خدا بے شک جاننے والا بردبار ہے۔ یہی ٹھیک ہے۔ جو شخص اپنے دشمن کو اتنا ہی ستائے جتنا وہ اس کے ہاتھوں ستایا گیا ہے (تو ٹھیک ہے) اس کے بعد پھر (دشمن کی طرف سے) زیادتی ہو تو بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک وقت وہ تھا سب بیچارے مسلمان مشرکوں سے ان کے ظلم و ستم کا کوئی بدلہ نہ لے سکتے تھے پھر اللہ نے وہ دن بھی دکھایا کہ مدینہ میں آ کر ان کی طاقت بڑھی اور وہ ظالموں سے بدلہ لینے کے قابل ہوئے۔ خدا فرماتا ہے بدلہ لو مگر اس طرح کہ جو کچھ عمل وہ تمہارے ساتھ کریں اتنا ہی تم ان کے ساتھ کرو اگر انہوں نے تمہارے اوپر تلوار کا ایک وار کیا ہے تو تم بھی ایک ہی وار کرو۔ اگر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا ہے تو تم بھی اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ اگر وہ دوبارہ بغاوت کریں گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن اگر معاف کر دو تو اچھا ہوگا۔ کیونکہ تمہارا خدا درگزر کرنے اور بخشنے والے کو دوست رکھتا ہے۔ اس کا نتیجہ آخر میں اچھا نکلتا ہے۔
امیر المومنین علیہ السلام پر جب مسجد کوفہ میں ابن ملجم لعین نے تلوار کا وار سرِ اقدس پر کیا تھا تو آپؑ نے امام حسن علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر میں زندہ رہا تو خود اس سے انتقام لوں گا اور اگر نہ رہا تو تم جو کچھ اس نے

ع ۹ ۱۴

کیا ہے اتنا ہی تم بھی کرنا اس سے زیادہ نہیں یعنی ایک وار ہی تم بھی کرنا۔

ذٰلک بان اللہ یولج الیل فی النھار ویولج النھار فی الیل وان اللہ سمیع بصیر ﴿۶۱﴾ ذٰلک بان اللہ ھو الحق وان ما یدعون من دونہ ھو الباطل وان اللہ ھو العلی الکبیر ﴿۶۲﴾

(یہ بدلہ اس لیے ہے کہ خدا نظام عالم کا چلانے والا قادرِ مطلق ہے) وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور بے شک اللہ بڑا سننے والا دیکھنے والا ہے اور اس لیے بھی خدا ہی برحق ہے۔ خدا کے سوا لوگ جس کو دعا میں پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور اللہ ہی سب سے بلند و بزرگ ہے۔

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء ز فتصبح الارض مخضرۃ ۚ ان اللہ لطیف خبیر ﴿۶۳﴾ لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ۚ وان اللہ لھو الغنی الحمید ﴿۶۴﴾ ع الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض والفلک تجری فی البحر بامرہ ۚ ویمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ ۚ ان اللہ بالناس لرءوف رحیم ﴿۶۵﴾ وھو الذی احیاکم ز ثم یمیتکم ثم یحییکم ۚ ان الانسان لکفور ﴿۶۶﴾

ع ۸ ۱۵

(اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے) کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ جب خدا آسمان سے مینہ برساتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ مہربان اور خبردار ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور بے شک اللہ غنی اور قابلِ حمد ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے ہر اس چیز کو جو روئے زمین پر ہے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اسی کے حکم سے دریا میں کشتی چلتی ہے اور وہی تو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے جب اس کا حکم ہو گا (گر پڑے گا) بے شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے وہی تو ہے جس نے تم کو زندہ کیا پھر تمہیں مار دیتا ہے پھر تمہیں زندہ کر دے گا۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔

وہ مشرکین کو بتا رہا ہے کہ تم اس خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کر رہے ہو جس کی قدرت سے دنیا کا یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے۔ اس کے سوا کون ہے جو مینہ برسا کر اجڑی ہوئی زمین کو پھر لہلہا دیتا ہے۔ وہی تو سب پر مہربان ہے اور تمہاری کیا ساری کائنات کی ایک ایک بات سے خبردار ہے۔ آسمان و زمین میں جتنی مخلوق پائی جاتی ہے سب اس کی پیدا کردہ ہے اور سب اسی کی ملکیت ہے۔ اُسے کسی کی پرواہ نہیں سب اس کی حمد کرتے ہیں۔ کیا تمہاری آنکھیں پھوٹ گئیں تمہیں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ روئے زمین کی تمام چیزوں کے جو تم مالک بنے بیٹھے ہو کس نے ان کو تمہارے قابو میں دے رکھا ہے۔ کیا بغیر اس کے حکم کے تم ان پر حاکمانہ تصرّف رکھ سکتے تھے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے حکم سے کشتیاں اور جہاز کس طرح پانی پر تیرتے چلے جاتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ نظر نہیں آتا کہ یہ آسمان زمین پر کیسے رُکا ہُوا ہے اور یہ تمام ستارے یہ تمام ستارے جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں کس طرح اپنے اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں اور زمین پر گرتے نہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی گر پڑتا تو تمہاری ساری زمین بھسم ہو کر رہ جاتی۔ یہ اسی کی مہربانی ہی تو ہے کہ تم سُکھ چین سے زمین پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہو۔ ایک وقت تھا کہ تم نہ تھے۔ اس نے اپنے لطف و کرم سے تمہیں پیدا کیا، نیست سے ہست ہوئے اگر وُہ ہمیشہ تمہیں عدم کی تاریکی میں رکھتا تو تمہارا کیا حق تھا کہ عدم سے وجود میں آتے۔ وہ صاحب اختیار ہے پھر تمہیں مار دے گا اور قیامت میں پھر تمہیں زندہ کر دے گا۔

انسان بڑا ناشکرا ہے باوجود ان سب چیزوں کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کے پھر اسے نہیں مانتا اور اسے چھوڑ کر بتوں کو خدا سمجھتا ہے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِنْ جَادَلُوكَ

فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

ہم نے ہر امّت کے لیے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس پر وہ چلتے ہیں پس اُنہیں (دین اسلام کے احکام میں) تم سے جھگڑا نہ کرنا چاہیئے اور اے رسول تم اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلاتے ہی رہو بے شک تم سیدھے راستہ پر ہو اگر وہ اس پر بھی تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ قیامت کے دن جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے ہو اللہ تمہارے درمیان ان کا فیصلہ کر دے گا۔ (اے رسول) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب جانتا ہے اور یہ سب باتیں لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اور بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے۔

مَنسک کے بارہ میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض نے قربانی مراد لی ہے اور اس کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ بدیل بن ورقا اور بشیر بن سفیان نے جو قبیلہ خزاعہ سے تھا مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ تمہاری بھی عجیب حالت ہے جس جانور کو اپنے ہاتھ سے مارتے ہو اس کو تو کھاؤ اور جس کو خدا نے مارا ہو اس کو نہ کھاؤ۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے جس کا جو طریقہ ہے اس پر عمل کرے باقی رہی اس کی مصلحت تو ہر شخص اس قابل نہیں کہ اس کی کنہ اور حقیقت سمجھائی جائے کیونکہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جاتا ہے اور مردار میں یہ بات نہیں دوسرے مردار کے کھانے میں طبّاً بہت سے نقصانات ہیں۔ مگر عرب کے جاہل ہرگز اس قابل نہ تھے کہ ان مصالح سے واقف ہوتے اس وجہ سے ایسا جواب دیا گیا (منقول از حاشیہ قرآن مولانا فرمان علی صاحب)۔

بعض نے منسک کے معنی طریقۂ عبادت لیے ہیں یعنی ہر قوم کا طریق عبادت جداگانہ۔ بعض نے شریعت مراد لی ہے۔ یہاں طریقۂ عبادت ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ مشرکین و کفار چاہے تمہاری کتنی ہی مخالفت کریں مگر تم اپنا کام کیے جاؤ۔ تم سیدھے راستہ پر ہو لہٰذا انہیں کبھی اپنی تبلیغ میں کمزوری محسوس نہ ہو گی جیسا کہ اگلی آیت سے ظاہر ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ

عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٧١﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ
بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ
النَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾ ع

یہ مشرک اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں اللہ کی طرف سے ان کو کوئی سند نہیں ملی اور نہ اس کے حق ہونے کا خود انہیں علم ہے۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں سے ناخوشی کے آثار دیکھتے ہو (ایسا معلوم ہوتا ہے) کہ عنقریب یہ ان لوگوں پر جو ہماری آیات کی تلاوت کرتے ہیں حملہ کر بیٹھیں گے۔ تم ان سے کہہ دو کیا میں اس سے بھی بدتر چیز بتا دوں۔ وہ جہنم ہے جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کیا ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔

مشرکین جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان سے پوچھو کہ خدا نے کسی کتاب میں ایسا حکم بھیجا ہے کہ تم میرے ساتھ عبادت میں ان کو بھی شریک کر لو، کسی نبی نے کسی زمانہ میں ایسا بتایا تھا کہ یہ بت بھی خدا کے ساتھ عبادت میں شریک ہیں یا کوئی عقلی ثبوت تمہارے پاس ہے کہ یہ عبادت کے لائق ہیں؟ جب یہ کچھ بھی نہیں تو پھر ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جب تمہارے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو غصہ میں کیسا منہ بناتے ہو اور ان لوگوں پر جو آیات پڑھتے ہیں حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہو لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری اس گستاخی کی سزا کیا ہے۔ وہ جہنم ہے جس سے بُری کوئی جگہ ہو نہیں سکتی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ

الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾
مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٧٤﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ
مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٧٥﴾

لوگو، ایک مثل بیان کی جاتی ہے اُسے کان لگا کر سنو۔ اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو تو یہ لوگ اگر سب کے سب بھی جمع ہو جائیں تو ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے اور مکھی اگر ان سے کچھ چھین لے جائے تو اُسے چھُڑا نہیں سکتے (عجیب لطف ہے کہ) مانگنے والا (عابد) اور جس سے مانگا گیا (معبود دونوں) کمزور ہیں۔ خدا کی قدر جیسی کرنی چاہیئے ان لوگوں نے نہ کی اس میں شک نہیں کہ خدا زبردست غالب ہے۔ اللہ فرشتوں میں سے بعض کو اپنے احکام پہنچانے کے لیے منتخب کر لیتا ہے اسی طرح آدمیوں میں سے بھی۔ بے شک اللہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے تو یغوث بت تھا اور دائیں بائیں جانب یعوق و نسر نامی بُت تھے۔ کفّار جب خانہ کعبہ کے اندر جاتے تو پہلے یغوث کے سامنے سجدہ کرتے اس کے بعد اور بتوں کو اس کے بعد تلبیہ کرتے اپنے ساتھ مشک و عنبر اور شہد لاتے وہ ان بتوں پر مَل دیتے تھے مکھیاں دنا دن ان پر آتیں اور سب چاٹ جاتیں نہ تو بت ان کو اپنے سے دفع کر سکتے اور نہ ان کے پجاری۔ بہت اُڑاتے مگر وہ کہاں اُڑنے والی تھیں۔ غرض پجاری اور بُت دونوں کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ جو بت اتنا بھی نہیں کر سکتے اُن میں اتنی طاقت کہاں ہے کہ ایک چھوٹی سی مکھی بنا دیں۔ جب یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تو پھر عقل ان کا معبود ہونا کیسے گوارا کر سکتی ہے۔ یہ بتوں کے خدا نہ ہونے کا ایسا واضح ثبوت ہے کہ بت پرستوں کو ڈوب مرنا چاہیے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٧٦﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا
الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٧٧﴾ السجدة وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ

اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ
اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ
الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٧٨﴾

خدا، جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور پیچھے ہے سب کو جانتا ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اے ایمان والو، رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم بہتری حاصل کرو۔ اور راہِ خدا میں ڈٹ کر جہاد کرو اس نے تم کو منتخب کیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی نہیں کی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت (دین) ہے اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پہلے ہی سے اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے مقابلہ میں گواہ بنیں اور تم عام لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو۔ اور تم پابندی سے نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا کے احکام کو مضبوطی سے پکڑو وہی تمہارا دوست ہے اور کیسا اچھا سرپرست ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

جاھدوا حق جہادہٖ کے متعلق مفسرین نے لکھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر برائی سے بچنے کی کوشش کرو اور ہر نیکی کی طرف قدم اٹھانے میں کسل سے کام نہ لو۔ تلوار اور نیزہ سے لڑنے کی نسبت یہ جہاد بہتر ہے۔ جہادِ اکبر اسی کا نام ہے۔ اگر اس جہاد سے مراد تلوار ہی سے لڑنا ہو تو یہ حکم عام نہ رہے گا۔ بلکہ ان ہی کے لیے ہوگا جو ہتھیار بدن پر سجا کر لڑ سکتے ہیں۔ لیکن رکوع و سجدہ کے حکم کے ساتھ یہ حکم بھی عام ہونا چاہیئے

ملّتِ ابراھیمؑ۔ اگرچہ دینِ اسلام آدمؑ سے لے کر خاتم النبیینؐ تک برابر چلا آرہا تھا اور تمام انبیاء اسلام ہی کی تعلیم دیتے چلے آئے تھے لیکن قرآن میں خصوصیت سے ملتِ ابراہیمؑ کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء میں صرف حضرت ابراہیمؑ ہی ایسے تھے جن کو یہودی، نصرانی، ستارہ پرست اور آتش پرست

سب مانتے تھے۔ دوسرے جتنی ملتیں ہیں وہ سب حضرت ابراہیمؑ کے بعد بنیں لہٰذا ملتِ ابراہیمؑ کو سب پر اوّلیت حاصل ہے۔

مِلّت کی جمع مِلل ہے جو ادیان اہلِ کتاب کے ہیں وہ مِلل کہلاتے ہیں اور جو اہلِ کتاب نہیں وہ نِحل کہلاتے ہیں دونوں کو ملا کر اربابِ مِلل و نِحل کہا جاتا ہے۔

---

(٢٣) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ (٧٤)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿٢﴾ وَ
الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿٤﴾
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿٥﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿٧﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رٰعُوْنَ ﴿٨﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩﴾ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿١١﴾

وقف لازم

وہی ایمان لانے والے فلاح پانے والے ہوتے ہیں جو خضوع و خشوع سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ جو لغو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں۔ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں یا زرخرید لونڈیوں سے پرہیز نہ کرنے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں اور جو شخص کسی اور طریقہ سے (از راہِ شہوت پرستی) ایسا کرے تو یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا لحاظ رکھتے ہیں اور اپنی نمازیں پابندی سے پڑھا کرتے ہیں یہی لوگ سچے وارث ہیں جو بہشت بریں میں حصہ لیں گے اور ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

کیا کہنا ان مؤمنوں کا جن کے اندر یہ صفات پائی جائیں۔ اصل میں جنت کے وارث یعنی صاحبانِ استحقاق یہی لوگ ہیں۔ محمد بن محمود قزوینی شافعی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؑ پیدا ہوئے اور رسول اللہ آپؑ کو دیکھنے کے لیے کعبہ میں آئے تو حضرت علیؑ رسول اللہ کو دیکھ کر مسکرائے اور عرض کی السلام علیکم یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ اور آپؐ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن پڑھنا شروع کیا۔ حالانکہ قرآن اس وقت تک نازل بھی نہ ہوا تھا۔ اور سورۂ مؤمنون کو شروع سے "خالدون" تک تلاوت کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ تمہاری وجہ سے ان مومنین نے رستگاری حاصل کی۔

مومن ہونا۔ یعنی اللہ اور رسولؐ اور اہلبیت رسولؐ کی دل سے تصدیق کرے کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور رسولؐ اور اہلبیتِ رسولؐ کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اگر صرف اللہ اور رسولؐ پر ایمان لایا ہے تو وہ مسلمان کہلائے گا مؤمن نہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسلامی کلمہ ہے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَعَلِيٌّ وَلِيُّ اللّٰهِ کہنا ایمانی کلمہ ہے۔

خَاشِعُوْنَ سے یہ مطلب ہے کہ نماز کو خدا کی خوشنودی کے لیے پوری توجہ کے ساتھ پڑھے اپنا خیال اِدھر اُدھر نہ لے جائے۔ یہ سمجھ کر مشغولِ نماز ہو کہ میں ایک بادشاہِ جلیل القدر کے سامنے کھڑا ہوں جو ہر چیز کا مالک اور ہر شے پر قادر ہے میں اسی کا ایک ناچیز بندہ ہوں۔

لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔ یعنی اللہ نے جو رزق اپنے لطف و کرم سے دیا ہے اس میں سے شرائطِ زکوٰۃ پیدا ہونے کے بعد مطابقِ نصاب زکوٰۃ مال نکالے اور اس کے مستحقوں کو دے۔

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ یعنی سوائے اپنی بی بیوں اور کنیزوں کے جن سے مباشرت حلال ہے اور کسی کے سامنے اپنی شرمگاہ کو برہنہ نہ کرے۔ یہاں سے زنا کی حرمت ثابت ہے۔ اسی طرح لواطت بھی حرام ہے البتہ اگر کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ ڈاکٹر یا طبیب کو بغیر دکھلائے علاج ممکن نہ ہو تو دکھا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی ستر کو کھولے گا تو وہ گنہ گار ہوگا۔

مؤمن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی شے امانت رکھی جائے مؤمن کی ہو یا کافر کی، تو اس میں خیانت نہ کرے یعنی اس میں کوئی تصرف اپنے لیے نہ کرے اور وہ امانت عند الطلب بدستور امانت رکھنے والے کے سپرد کر دے۔

اسی طرح جو وعدہ کسی سے کیا ہے اس کا پوری طرح خیال رکھے اور اس کو حتی الامکان بروقت پورا کرے ٹال مٹول کو روا نہ رکھے۔ بغیر کسی معقول وجہ کے نقضِ عہد پر آمادہ نہ ہو۔

اسی طرح اپنی نماز کی حفاظت کرے یعنی اُسے بحالتِ اختیاری کسی حالت میں ترک نہ کرے اور ہر نماز کو اوقاتِ معیّنہ پر بجا لائے۔ اور اس کے ارکان کو صحیح طور سے ادا کرے۔

ان سب احکام کا بجا لانے والا جنت کا مستحق ہوگا۔ بلکہ مالکِ جنت ہوگا اور اُس میں ہمیشہ رہے گا۔ ان میں سے جس حکم کی بجا آوری میں جتنی کمی ہوگی اسی قدر اس کے ایمان میں نقص ہوگا اور اسی کے لحاظ سے اس کے اجر میں کمی واقع ہوگی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر اُسے نطفہ کی شکل دے کر ایک محفوظ جگہ میں رکھا پھر نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا پھر اس گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنایا پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اُسے ایک نئی صورت دے کر کھڑا کیا پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب پیدا کرنے والوں سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے بعد پھر تم مردہ بن جاؤ گے۔ پھر قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

یوں تو خدا نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں سب اس کی قدرتِ کاملہ اور صنعتِ بے مثال کے شاہکار ہیں کس میں طاقت ہے کہ ان کے اسرار کو سمجھ سکے لیکن خلقتِ انسانی ان سب سے بالاتر ہے۔ کس کے تصور میں یہ بات آسکتی ہے کہ وہ قادرِ مطلق اور حکیم برحق نطفہ کی ایک سڑی ہوئی بوند سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرتا ہے جو اشرف المخلوقات کہلائی جاتی ہے۔ اور تمام دنیا جس کی تسخیر میں دے دی جاتی ہے۔ ابتدا کو دیکھو اس کی حقیقت کیا تھی پھر رفتہ رفتہ جو عمارت

اس پر بلند ہوئی اور جو قوتیں اس کو عطا کی گئیں کس کی طاقت ہے کہ ان کے حقائق کو سمجھ سکے کہاں مٹی کہاں وجودِ انسانی جو تمام دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ جس چیز پر ہاتھ ڈالتا ہے وہ جھک جھک کر اسے سلام کرتی نظر آتی ہے۔ اس کی طاقت و قوت کو تسلیم کرتی ہے اس کی فرمانبرداری کا اقرار کرتی ہے۔ وہ روئے زمین پہ ہر طرف چلتا پھرتا ہے۔ تلاطم خیز سمندروں میں تیرتا ہے ہوا میں اڑتا ہے۔ پہاڑوں پر چڑھتا ہے۔ گویا سب چیزیں اس کے تحتِ حکومت ہیں۔ کائنات کے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو حل کرتا ہے۔ ہر مخلوق کو چیر پھاڑ کر اس کی بندشوں کو کھول کر اس کے وجود کا تجزیہ کر کے قدرت کے راز معلوم کرتا ہے۔ بازارِ عالم کی ایک ایک دوکان، دوکان کا ایک ایک گوشہ اسی کا سجایا ہوا ہے۔ کیا یہی وہ حقیر سی بُوند ہے جس کو ایک لذتِ خاص کے تحت صلبِ مرد سے ایک عورت کے رحم میں اپنی حکمتِ کاملہ سے امانت رکھا گیا۔ یہ رنگ کا دھندلا سفید تھا چند روز بعد سُرخی جھلکی پھر خون کی ایک جمی ہوئی مخلوق بن گیا۔ پھر تخلیق کے درجات طے کرتا ہوا ایک روز بطنِ مادر سے باہر آگیا۔ کون سی آنکھ تھی جس نے اسے بنتے دیکھا کون سی عقل تھی جس نے مدارجِ تخلیق کو سمجھا۔ بظاہر ایک چھوٹا سا جثہ ہے، ہاتھی جیسا ڈیل نہ شیر کی سی قوت۔ نہ پہاڑ سی بلندی نہ درخت کا سا پھیلاؤ۔ نہ سمندر جیسا تلاطم نہ آسمان جیسا محیط نہ زمین جیسی پہنائی۔ مگر باوجود کچھ نہ ہونے کے اس کے اندر سب کچھ ہے۔ اٹھارہ ہزار عالم کا عطر ہے۔ ساری مخلوقِ الٰہی کے جوہر اس کے اندر سمائے ہوئے ہیں گویا قدرت نے قطرہ میں سمندر کا دہانہ لا ڈالا ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں :

اَتَزْعَمُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ ۔۔۔ وَفِيْكَ انْطَوٰى عَالَمُ الْاَكْبَرُ
وَاَنْتَ الْكِتَابُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ ۔۔۔ بِاَحْرُفِهٖ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ

"اے انسان کیا تُو یہ گمان کرتا ہے کہ تُو چھوٹا سا جثہ ہے حالانکہ ایک عالمِ اکبر تیرے اندر لپٹا ہوا ہے تُو خدا کی وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کے حرفوں سے بڑے بڑے راز ظاہر ہوتے ہیں"

ذرا اس کے بنائے ہوئے کارخانوں کو دیکھو ذرا اس کی چہل پہل پر نظر کرو۔ ایک ہاتھ اس کا آسمان پر ہے ایک ہاتھ زمین کی تہہ میں لیکن یہ سب چند روزہ بہار ہے۔ آخر ایک دن ایسا آتا ہے کہ موت کا زبردست شکاری اس کا گلا آ دبوچتا ہے۔ سارا طمطراق ہوا ہو جاتا ہے۔ ایک بے حس بے بس لاش ہے کہ زمین پہ پڑی ہوئی ہے گلنے سڑنے کے لیے۔ جس مٹی سے پیدا ہوا تھا اسی میں مل جانے کے لیے۔ اس کے بعد قیامت میں قدرت پھر اپنی صناعی دکھائے گی۔ اس کی خاک کے ہوا میں اڑتے ہوئے منتشر ذرّے جوڑ جاڑ کر پھر قبر سے ویسا ہی نکال کھڑا کرے گی جیسا ماں کے پیٹ کی قبر سے نکالا تھا۔ جس نے وہاں نہ کچھ سے کچھ بنایا تھا وہی قبر سے پھر نکال کر زندہ اٹھا رہا ہے۔ یہ کفن بردوش مخلوق دوڑتی ہوئی میدانِ حشر میں جا رہی ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی زندگی میں جو جو کام کیے تھے اب ان کا حساب دے اور اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائے۔

سُبحانہٗ ما اعظم شانہٗ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

وقف لازم ۔ ع ۲

ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم مخلوق کے حال سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہم نے آسمان سے پانی ایک اندازہ کے ساتھ برسایا پھر ہم نے اس کو زمین پر ٹھہرائے رکھا اور ہم تو یقیناً اس کے غائب کر دینے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ اس پانی سے ہم نے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ ان سے تمہارے لیے بہت سے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور طورِ سینا میں ایک درخت (زیتون) پیدا ہوتا ہے جس سے تیل بھی نکلتا ہے اور کھانے والے سالن بھی بنا کر کھاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ چوپاؤں میں تمہارے لیے عبرت ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو کچھ (گھاس پات) ہے اس سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور ان سے تمہیں بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ان کا گوشت کھاتے بھی ہو اور انہی جانوروں اور کشتیوں پر چڑھے چڑھے پھرتے بھی ہو۔

اس پر بلند ہوئی اور جو قوتیں اس کو عطا کی گئیں کس کی طاقت ہے کہ ان کے حقائق کو سمجھ سکے کہاں مٹی کہاں وجود انسانی جو تمام دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ جس چیز پر ہاتھ ڈالتا ہے وہ جھک جھک کر اسے سلام کرتی نظر آتی ہے۔ اس کی طاقت و قوت کو تسلیم کرتی ہے اس کی فرمانبرداری کا اقرار کرتی ہے۔ وہ روئے زمین پر ہر طرف چلتا پھرتا ہے۔ تلاطم خیز سمندروں میں تیرتا ہے ہوا میں اڑتا ہے۔ پہاڑوں پر چڑھتا ہے۔ گویا سب چیزیں اس کے تحتِ حکومت ہیں۔ کائنات کے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو حل کرتا ہے۔ ہر مخلوق کو چیر پھاڑ کر اس کی بندشوں کو کھول کر اس کے وجود کا تجزیہ کر کے قدرت کے راز معلوم کرتا ہے۔ بازار عالم کی ایک ایک دوکان، دوکان کا ایک ایک گوشہ اسی کا سجایا ہوا ہے۔ کیا یہی وہ حقیر سی بوند ہے جس کو ایک لذتِ خاص کے تحت صلبِ مرد سے ایک عورت کے رحم میں اپنی حکمتِ کاملہ سے امانت رکھا گیا۔ یہ رنگ کا دھندلا سفید تھا چند روز بعد سرخی جھلکی پھر خون کی ایک جمی ہوئی مخلوق بن گیا۔ پھر تخلیق کے درجات طے کرتا ہوا ایک روز بطنِ مادر سے باہر آ گیا۔ کون سی آنکھ تھی جس نے اسے بنتے دیکھا کون سی عقل تھی جس نے مدارجِ تخلیق کو سمجھا۔ بظاہر ایک چھوٹا سا جثہ ہے، ہاتھی جیسا ڈیل نہ شیر کی سی قوت۔ نہ پہاڑ سی بلندی نہ درخت کا سا پھیلاؤ۔ نہ سمندر جیسا تلاطم نہ آسمان جیسا محیط نہ زمین جیسی پہنائی۔ مگر باوجود کچھ نہ ہونے کے اس کے اندر سب کچھ ہے۔ اٹھارہ ہزار عالم کا عطر ہے۔ ساری مخلوقِ الٰہی کے جوہر اس کے اندر سمائے ہوئے ہیں گویا قدرت نے قطرہ میں سمندر کا دہانہ لا ڈالا ہے۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَتَزْعَمُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ وَفِيْكَ انْطَوٰى عَالَمُ الْاَكْبَرُ
وَاَنْتَ الْكِتَابُ الْعَظِيْمُ الَّذِىْ بِاَحْرُفِهٖ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ

"اے انسان کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو چھوٹا سا جثہ ہے حالانکہ ایک عالمِ اکبر تیرے اندر لپٹا ہوا ہے تو خدا کی وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کے حرفوں سے بڑے بڑے راز ظاہر ہوتے ہیں۔"

ذرا اس کے بنائے ہوئے کارخانوں کو دیکھو ذرا اس کی چہل پہل پر نظر کرو۔ ایک ہاتھ اس کا آسمان پر ہے ایک ہاتھ زمین کی تہہ میں۔ لیکن یہ سب چند روزہ بہار ہے۔ آخر ایک دن ایسا آتا ہے کہ موت کا زبردست شکاری اس کا گلا آ دبوچتا ہے۔ سارا طمطراق ہوا ہو جاتا ہے۔ ایک بے حس بے بس لاش ہے کہ زمین پر پڑی ہوئی ہے گلنے سڑنے کے لیے۔ جس مٹی سے پیدا ہوا تھا اسی میں مل جانے کے لیے۔ اس کے بعد قیامت میں قدرت پھر اپنی صناعی دکھائے گی۔ اس کی خاک کے ہوا میں اڑتے ہوئے متفرق ذرّے جوڑ جاڑ کر پھر قبر سے ویسا ہی نکال کھڑا کرے گی جیسا ماں کے پیٹ کی قبر سے نکالا تھا۔ جس نے وہاں نہ کچھ سے کچھ بنایا تھا وہی قبر سے پھر نکال کر زندہ اٹھا رہا ہے۔ یہ کفن بردوش مخلوق دوڑتی ہوئی میدانِ حشر میں جا رہی ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی زندگی میں جو جو کام کیے تھے اب ان کا حساب دے اور اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائے۔

سُبحانہٗ ما اعظم شانہٗ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

وقف لازم — ع ۲۲

ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم مخلوق کے حال سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہم نے آسمان سے پانی ایک اندازہ کے ساتھ برسایا پھر ہم نے اس کو زمین پر ٹھہرائے رکھا اور ہم تو یقیناً اس کے غائب کر دینے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ اس پانی سے ہم نے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ ان سے تمہارے لیے بہت سے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور طور سینا میں ایک درخت (زیتون) پیدا ہوتا ہے جس سے تیل بھی نکلتا ہے اور کھانے والے سالن بھی بنا کر کھاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ چوپاؤں میں تمہارے لیے عبرت ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو کچھ (گھاس پات) ہے اس سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور ان سے تمہیں بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ان کا گوشت کھاتے بھی ہو اور انہی جانوروں اور کشتیوں پر چڑھے چڑھے پھرتے بھی ہو۔

انسان کی خلقت کا حال بیان کرنے کے بعد اب یہ بتایا جارہا ہے کہ اس کے نظامِ حیات کو برقرار رکھنے کے لیے ہم نے کیا کیا انتظامات کیے ہیں۔

آسمان کے سات راستے بنائے ہیں جن سے سات سیارے اپنی گردش میں گزرتے رہتے ہیں اور اس گردش میں ان کی شعاعیں ہر زاویہ کے لحاظ سے مختلف اثرات اہلِ زمین پر ڈالتی رہتی ہیں۔ ہم چونکہ اپنی مخلوق کے حالات سے بے خبر نہیں رہتے اور ان کی ضروریات کو جانتے ہیں لہٰذا ان سیاروں کی گردش سے ان کی بہت سی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اگر یہ ایک جگہ قائم رہتے تو ان کی شعاعیں ایک ہی طرح کے اثرات ڈالتیں لیکن اب چونکہ مختلف سمتوں میں ان کا دورہ ہوتا ہے لہٰذا ہر سمت کے لحاظ سے ان کی شعاعوں کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے آسمان سے پانی برسایا اور اسے زمین کے اندر بھی محفوظ رکھا تاکہ کنوئیں کھود دو تو وہ نکل کر تمہاری ضروریات پوری کرے اور اوپر کے حصہ میں دریاؤں، تالابوں، جوہڑوں اور گڑھوں میں محفوظ کر دیا تاکہ موسم برسات کے علاوہ بھی تمہاری ضروریات اس سے پوری ہوتی رہیں۔

تیسرے ہم نے پانی برسا کر زمین سے مختلف قسم کے درخت پیدا کیے جیسے کھجور اور انگور اور بہت سے میوے اور ان باغوں سے بہت سی چیزیں تم کھاتے ہو اور زیتون کے درخت اُگائے جن کی دراز عمریں ہوتی ہیں ان کے پھلوں سے تم تیل نکالتے ہو اور پتوں سے سالن بناتے ہو۔

چوتھے تمہارے فائدے کے لیے چوپائے پیدا کیے جن سے تم دودھ حاصل کرتے ہو اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ تم ان کا گوشت بھی کھاتے ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر سوار ہو کر دنیا بھر کا سفر کرتے ہو۔

ذرا سمجھو اور غور کرو کہ ہم نے کیسے کیسے احسان کیے ہیں اس پر تم ہم ہی سے فرنٹ ہو اور ہمیں چھوڑ کر ہماری مخلوق کو معبود بناتے ہو۔ ذرا اسے شرماؤ اور اپنی بے عقلی کا ماتم کرو۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ

انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا، یہ شخص تو تم ہی جیسا بشر ہے یہ تم پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو (رسول بنا کر) بھیجنا ہی ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم نے تو اپنے باپ دادا سے ایسا سنا نہیں۔ یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں کہ دیوانہ ہے پس تم ایک خاص وقت تک (اس کے انجام کا) انتظار کرو۔ نوح نے کہا اس وجہ سے کہ یہ لوگ مجھے جھٹلا رہے ہیں تو اے خدا میری مدد کر۔

حضرت ادریسؑ کے بعد حضرت نوحؑ تک جو قومیں ہوئیں انہوں نے چونکہ ایک مدت بغیر نبی کے گزاری تھی لہٰذا ان کو اس کا پتہ ہی نہ تھا کہ خدا آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ وہ تو اس خبط میں مبتلا تھے کہ جو کچھ ہیں وہ بت ہی ہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت نوحؑ کو دیوانہ سمجھا کہ وہ بشر ہو کر خدا کے فرستادہ ہونے کا اظہار کر رہے تھے۔

فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾

پھر ہم نے اُسے وحی کی کہ تم ہماری نگرانی میں، ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ۔ پس جب ہمارا

عذاب آجائے اور تنور سے پانی اُبلنے لگے تو تم اس میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو کے جوڑے (نر و مادہ) رکھ لو اور اپنے گھر کے لوگوں کو بٹھا لو مگر اُن کو نہیں جن کے غرق ہونے کا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے اور جن لوگوں نے میرے حکم سے سرکشی کی ہے ان کے متعلق مجھ سے کچھ نہ کہو وہ تو ڈوب کر ہی رہیں گے پس جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں درست ہو بیٹھو تو کہو حمد کا سزاوار وہی اللہ ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی اور یہ بھی کہو کہ اے میرے پروردگار تو مجھے (کشتی سے) مبارک جگہ میں اُتارنا اور تُو تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ اس میں ہماری قدرت کی بے شک نشانیاں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہم کو تو بس اُن کا امتحان لینا منظور تھا۔ پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم (ثمود) کو پیدا کیا۔

قوموں میں جو لوگ مالدار اور ذی اقتدار ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ انہیں خوف ہوتا ہے کہ نبی کے اثرات اگر قوم میں بڑھ جائیں گے تو قوم پر ان کی حکومت قائم ہو جائے گی اور ہم رہ جائیں گے۔ ہر زمانہ میں انبیاء کے ساتھ یہی ہوتا رہا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ بغیر کسی ذاتی غرض کے ایک شخص اپنے کو طرح طرح کی تکلیفوں میں کیوں ڈال رہا ہے۔ چنانچہ قوم نوح کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا۔ ہر چند سمجھاتے رہے مگر وہ ان کو دیوانہ ہی کہتے رہے اور ان کے اثر کے اکھاڑنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ جب سرکشی حد سے بڑھ گئی تو حضرت نوحؑ نے ان کے لیے عذاب کی خواہش کی۔ تب حکم خدا ہوا کہ تم ایک کشتی ہمارے حکم کے مطابق بناؤ۔

چنانچہ جبریلؑ امین جیسے جیسے بتاتے گئے۔ حضرت نوحؑ کشتی کو ایسا ہی بناتے رہے جب کشتی تیار ہو گئی تو حکم خدا ہوا کہ ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لو اور سوائے اپنی کافرہ بی بی کے سب کو بٹھا لو۔ اور کسی سرکش نافرمان کی سفارش ہم سے نہ کرنا۔ الغرض جب یہ سب کچھ ہو چکا تو عذاب کا آغاز ہوا سب سے پہلے ایک تنور سے بے پناہ پانی اُبلنا شروع ہوا۔ پھر آسمان سے موسلا دھار بارش ہوئی اور زمین سے جابجا چشمے پھوٹ نکلے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب ظالم ڈوب کر رہ گئے۔ قوم نوح کے بعد قوم ثمود زمین پر بسی۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ

ع ۲

مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

پھر ہم نے قوم ثمود میں ایک رسول (صالح) کو انہی میں سے بھیجا انہوں نے (قوم سے) کہا، اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم اس سے ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے سرداروں نے ان کی بات ماننے سے انکار کیا اور قیامت میں خدا کی ملاقات کو جھٹلایا اور دُنیا کی زندگی میں ہم نے انہیں دولت بھی دے رکھی تھی۔ وُہ آپس میں کہنے لگے یہ تو ہم ہی جیسا آدمی ہے جو چیزیں تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے اور جو تم پہنتے ہو یہ بھی پہنتا ہے اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کی اطاعت کر لی تو تم گھاٹے ہی میں رہو گے۔

قوم نوح ہو یا قوم عاد و ثمود یا قوم شعیبؑ انبیاء کے متعلق سب کی ذہنیت ایک ہی تھی یعنی وہ اپنے جیسا آدمی نبی یا رسول نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے اندر اتنی اہلیت ہی نہ تھی کہ نبی کے باطنی حالات کو سمجھ سکتے وہ ظاہری صورت کے دیکھنے والے تھے۔

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

ٹ ٹ ٹ

کیا یہ تم کو یہ اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور تم مٹی اور ہڈی بن کر رہ جاؤ گے تو پھر قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ بالکل عقل سے بعید ہے۔ جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے اس دنیا کی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی ہی نہیں کہ مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں ہم تو پھر دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یہ (صالح) وہ شخص ہے جس نے خدا پر جھوٹ موٹ بہتان باندھا ہے۔ صالح نے دعا کی میرے پالنے والے چونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے لہٰذا میری مدد کر۔ خدا نے فرمایا عنقریب ہی یہ لوگ پشیمان ہو جائیں گے پس یقیناً ان کو ایک چنگھاڑ نے لے ڈالا اور ان کو کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا دیا پس ان ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

قیامت کا مسئلہ کسی طرح لوگوں کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ الجھن یہ تھی کہ جب مرنے کے بعد مٹی ہو گئے تو پھر دوبارہ زندہ ہونا کیسا۔ اسی دنیا میں جینا اور مرنا دونوں ہیں اس کے بعد پھر کچھ نہیں۔ خدا کی طرف سے ایسی بے عقلی کی باتیں نہیں ہو سکتیں۔ یہ جو صالحؑ نے کہا ہے خود اس کا من گھڑت فسانہ ہے۔

انبیاء کی مخالفت دو باتوں میں کی جاتی تھی۔ ایک یہ کہ اتنی بڑی دنیا کا مدبر ایک نہیں ہو سکتا اس کے ساتھ کچھ شریک ہونے چاہئیں دوسرے مسئلہ قیامت۔ انبیاء ان ہی دونوں مسئلوں کو سمجھانے میں اپنی ساری قوت صرف کرتے رہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

پھر ہم نے ان کے بعد اور قوموں کو پیدا کیا کوئی امت اپنے وقتِ معیّنہ سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ جب اس کا رسول کسی امت کے پاس آیا تو انہوں نے اُسے جھٹلا دیا تو ہم نے بھی ایک کے بعد دوسری امت کو ہلاک کر ڈالا۔ اور ان کو ایک افسانہ بنا دیا۔ خدا کی لعنت ہے اس قوم پر جو ایمان نہیں لاتی۔ پھر ہم نے موسٰی اور اُن کے بھائی ہارُون کو بھیجا اپنی نشانیاں اور روشن دلائل دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، انہوں نے تکبّر سے کام لیا اور وہ لوگ تھے بھی بڑے سرکش۔ انہوں نے کہا کیا ہم ایسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں جو ہم ہی جیسے ہیں اور جن دونوں کی قوم ہماری خدمت کرتی رہتی ہے پس انہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا اور وہ سب ہلاک کر ڈالے گئے۔

حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو خدا نے اپنی آیات اور روشن دلائل دے کر بھیجا۔ آیات سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو حضرت موسیٰؑ سے مصر میں ظاہر ہوئیں یعنی ان کی دعاؤں سے طرح طرح کے عذاب آتے رہے اور روشن دلائل سے مراد عصا اور یدِ بیضا کا معجزہ ہے۔

فرعون اور اُس کی قوم کئی وجہ سے مستحقِ عذاب ہوئی۔ پہلی بات یہ کہ وہ اپنے کو ربِ اعلیٰ کہلوا کر خدا کا شریک بن رہا تھا اور اُس کی قوم اُسے ایسا ہی مان رہی تھی۔ دُوسرے مال و دولت کی کثرت سے ان میں تکبّر پیدا ہو گیا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کو اپنا غلام سمجھتے تھے۔ تیسرے حد درجہ سرکش۔ اپنے سامنے کسی کی بات چلنے ہی نہ دیتے تھے۔ آخر ان سب باتوں کا نتیجہ بھگت لیا۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب فرعون کو دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا تو اُس نے اپنی سرکشی کی سزا بھگت لی۔ اب آخرت میں اُسے کوئی سزا نہ ملنی چاہیئے۔ لیکن قرآن میں تو اس کی سزائے آخرت کا بھی ذکر ہے۔ پھر یہ دو سزائیں کیسی؟ جواب یہ ہے کہ دریائے نیل میں اس کا غرق ہو کر ہلاک ہو جانا اس کی سزا نہ تھی کہ وہ اپنے کو خدا کا شریک جانتا تھا۔ اس کی سزا تو اُسے آخرت میں ملے گی۔ یہ سزا تو خدا کے رسولؐ کے ساتھ سرکشی کرنے اور ان کی نافرمانی کرنے کی تھی۔ جیسا کہ سورۂ مزمّل میں فرماتا ہے فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۷۳/۱۶﴾ (فرعون نے رسول کی نافرمانی کی پس ہم نے اُسے سختی سے دھر پکڑا۔)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ

وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (توریت) تاکہ یہ لوگ ہدایت یافتہ بنیں اور ہم نے عیسیٰ اور ان کی ماں کو اپنی نشانی بنایا اور ہم نے دونو کو ایک اونچی ہموار چشمہ والی زمین پر ٹھہرنے کی جگہ دی۔ (اور میرا عام حکم تھا کہ) میرے پیغمبرو، پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو عمل تم کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں۔

خدا نے جا بجا حضرت عیسیٰؑ کو ابنِ مریم کہا ہے۔ اگر یہودیوں کی تہمت کی بنا پر وہ یوسف نجار کے بیٹے ہوتے تو ابنِ یوسف کہا جاتا۔ ہر بیٹا اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن کا کوئی باپ نہ تھا۔ دوسرے عیسیٰؑ و مریمؑ دونوں کو ملا کر خدا نے اپنی نشانی فرمایا۔ اگر مریمؑ کسی مرد سے حاملہ ہوتیں اور بچہ جنتیں تو پھر خُدا کی نشانی کیسے بنتیں۔

موسیٰؑ کی طرح نجومیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے متعلق بھی پیش گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ پیدا ہونے والا ہے۔ اس زمانہ میں ہیروڈیس بادشاہ تھا۔ اس کو اپنی بادشاہت کے زوال کا خطرہ پیدا ہوا اور اس نے حضرت عیسیٰؑ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ باندھا۔ حضرت مریمؑ کو پہلے سے اس کی اطلاع ہو گئی وہ ہیروڈیس کے خوف سے حضرت عیسیٰؑ اور اپنے چچازاد بھائی یوسف بن شاباں کے ساتھ ملک شام کو چلی گئیں اور بارہ برس وہاں مقیم رہیں۔ یہ مقام ایک بلند جگہ تھی۔ سرسبز و شاداب اور ایک چشمہ بھی بہتا تھا۔ جب ہیروڈیس مر گیا تو پھر واپس آئیں۔ اس تمام مدت میں حضرت مریمؑ سوت کات کر اپنی روزی حاصل کرتی تھیں اور یہی ماں بیٹے کا ذریعۂ بسر اوقات تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ کا یہ مطلب نہیں کہ تمام رسول ایک جگہ جمع تھے اور بہ حیثیت مجموعی ان سے یہ خطاب کیا جا رہا ہے بلکہ جس زمانہ میں جس جگہ کوئی رسول آیا تھا ان سب کے لیے قدرت کا ایک ہی حکم تھا۔ کہ پاک رزق کھاؤ اور اعمالِ صالح بجا لاتے رہو۔ راہبوں کی طرح نہ بنو اور رزقِ حلال کے کھانے سے گریز نہ کرو۔ آنحضرتؐ اور آپؐ سے پہلے جو رسول گزرے ان سب کے لیے ایک ہی حکم تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آئندہ بھی رسول آتے رہیں گے عقل کی کمزوری ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ

فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

(لوگو) یہ (دینِ اسلام) تم سب کا مذہب ہے اور ایک ہی مذہب ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر لوگوں نے اس میں اختلاف کر کے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اس میں خوش ہے (اے رسول) تم ان کو تاریکی کی حالت میں پڑا ہوا (وقتِ خاص تک) چھوڑ دو کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم جو ان کو مال و اولاد میں ترقی دے رہے ہیں گو یا ہم ان کے ساتھ بھلائیاں کرنے میں جلدی کر رہے ہیں (ایسا نہیں) بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں۔

خدا نے جتنے انبیاءؑ بھیجے خواہ وہ کسی خطہ میں آئے ہوں یا کسی قوم میں آئے ہوں ان سب کا اصول ایک ہی تھا۔ گویا وہ سب ایک ہی گروہ تھا۔ سب دینِ اسلام کی تعلیم کے لیے آئے تھے لیکن اُمتوں نے اپنے باہمی اختلاف کی بنا پر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور ہر گروہ اپنے اپنے مذہب پر خوش رہنے لگا۔ خدا اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے ان کو اسی غفلت کی حالت میں چھوڑ دو۔ ان کا یہ گمان غلط ہے کہ ہم انہیں مال و دولت بڑھانے میں مدد دے رہے ہیں اور اس میں جلدی کر رہے ہیں کہ انہیں سب کچھ مل جائے یہ احمق اپنے انجام سے بے خبر ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿۶۳﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴿۶۴﴾

بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہیں بناتے اور جو لوگ خدا کی راہ میں جو کچھ بن پڑتا ہے دیتے ہیں ان کے دل اس خیال سے کانپتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہ لوگ نیکیاں حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور ان کی طرف لپکتے ہیں ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس جو کتاب ہے وہ ٹھیک ٹھیک حال بتاتی ہے۔ ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا لیکن ان کے دل اس طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اعمال ہیں جنہیں یہ برابر کیا کرتے ہیں (اور باز نہیں آتے) یہاں تک کہ جب ہم ان کے مالداروں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو اس وقت یہ لوگ واویلا کرنے لگیں گے۔

مؤمن جو اعمالِ صالحہ بجا لاتا ہے وہ اس خوف میں رہتا ہے کہ خدا کی بارگاہ میں قبول ہوں گے یا نہیں؟ وہ عملِ نیک کر کے اتراتے نہیں اپنی فوقیت دوسروں پر جتاتے نہیں۔
اپنے خدا کی نشانیوں پر صدقِ دل سے ایمان لاتے ہیں اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں بناتے اور راہِ خدا میں جو دیتے ہیں وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ ہر وقت ان کے دلوں کو یہ خوف لرزائے رہتا ہے کہ ایک دن لوٹ کر خدا کے یہاں جانا ہے نہ معلوم وہاں کیا صورت پیش آئے۔ خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اسی لیے اس نے جو احکام نازل فرمائے ہیں وہ سب ایسے ہیں کہ انسان ان کو بجا لا سکتا ہے۔ پھر بھی بیماری وغیرہ کی حالت میں ان کے اندر سہولت پیدا کر دی ہے۔ یہی دینِ اسلام کی سچائی کی دلیل ہے جن مذاہب میں ایسے احکام ہیں جو فطرتِ انسانی کو لرزا دیتے ہیں وہ خدائی احکام نہیں کہے جا سکتے۔ مثلاً گالوں کے اندر بھالا گھسیڑ لینا، یا لوہے کی سلاخوں پر بیٹھ جانا، یا بجائے رزقِ الٰہی ریت پھانکنا، یا صومِ اتصال رکھنا وغیرہ۔
لَدَيْنَا كِتَابٌ سے مراد ہر انسان کا نامۂ اعمال ہے جس میں تمام زندگی کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک حال

درج ہے کسی پر روزِ قیامت کوئی ظلم نہ ہوگا بلکہ اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔ افسوس ہے لوگ ان باتوں پر غور نہیں کرتے اور غفلت کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں یہ بچ کر کہاں جائیں گے کسی قوم کے مالدار سب سے زیادہ سرکش ہوتے ہیں۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو بلبلا اٹھیں گے اور چیخ پکار مچائیں گے مگر پھر اس سے کوئی فائدہ ان کو حاصل نہ ہوگا۔

لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِينَ ۖ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿۶۷﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۶۸﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿۶۹﴾

ان سے کہا جائے گا اب واویلا مت کرو تم کو ہماری طرف سے مدد نہیں مل سکتی۔ جب تم پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو اس وقت اکڑتے ہوئے قصہ کہانی بتاتے اور بیہودہ باتیں کرتے الٹے پاؤں پھر جاتے تھے تو کیا ان لوگوں نے ہماری آیات پر غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی نئی چیز آئی جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی یا ان لوگوں نے اپنے رسول ہی کو نہیں پہچانا اس وجہ سے انکار کر بیٹھے۔

جب جہنمی لوگ ہائے واویلا مچائیں گے تو ان سے کہا جائے گا یہ چیخ پکار اب فضول ہے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو اس وقت کیسے اکڑا کرتے تھے۔ کبھی کہتے تھے یہ قصہ کہانیاں ہیں کبھی کہتے تھے یہ بکواس ہے۔ انہیں سن کر کیسا منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگا کرتے تھے۔ کہتے تھے صاحب ہم نے تو ایسی باتیں کبھی اپنے بزرگوں سے سنی ہی نہیں۔ کیا تم رسولؐ کو نہیں پہچانتے تھے۔ ضرور پہچانتے تھے پھر انکار کی کیا وجہ تھی اب بتاؤ تمہاری وہ اکڑ فوں کہاں گئی۔

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿۷۰﴾

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہوگیا ہے (ہرگز اسے جنون نہیں) بلکہ وہ تو ان کے پاس حق بات لے کر آیا ہے اور ان کے اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں اور اگر کہیں حق ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتا تو آسمان و زمین میں جو لوگ ہیں سب برباد ہوجاتے بلکہ ہم تو ان کے ذکر (جبریل کے واسطے سے) لے کر آئے ہیں تو یہ لوگ اپنے ہی تذکروں سے منہ موڑتے ہیں (اے رسول) کیا تم ان سے اپنی رسالت کی کچھ اُجرت مانگتے ہو تو تمہارے پروردگار کی اجرت ان سے کہیں بہتر ہے اور وہ تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے تم تو انہیں سیدھے راستہ کی طرف بُلاتے ہو۔ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں اگر ہم ان پر ترس کھائیں اور جو تکلیفیں ان کو (کفر کی وجہ سے) پہنچ رہی ہیں ان کو رفع کردیں تو یقیناً یہ لوگ اور بھی اپنی سرکشی پر اَڑ جائیں اور بھٹکتے پھریں۔

بیان یہ کیا جارہا ہے کہ اگر امرِ حق لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو زمین و آسمان کی یہ تمام مخلوق تباہ و برباد ہوجائے۔ کون نہیں جانتا کہ لوگوں کی خواہشیں کس قدر مختلف ہوتی ہیں بلکہ یہ کہیے کہ جتنے لوگ اتنی خواہشیں۔ امرِ حق تو ایک ہی ہوتا ہے وہ کس کس کی خواہش کو پورا کرے۔ اگر خدا ان کی خواہشوں کا

پابند ہوجائے تو دنیا کا کوئی کام انجام ہی نہیں پاسکتا۔ مثلاً ایک کہے مینہ برسے دوسرا کہے نہ برسے تیسرا کہے تھوڑا برسے چوتھا کہے بہت زیادہ برسے یا مثلاً ایک کہے نماز دو رکعت ہونی چاہیے اس سے زیادہ نہیں اور صرف قیام ہی ہو دوسرا کہے صرف رکوع ہو تیسرا کہے نہیں صرف سجدہ ہی ہو چوتھا کہے بیٹھ کر یادِ خدا کی جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز ہی نہ ہوگی۔ اگر قانونِ شرعی خواہشوں کو محدود اور آزادی کو مقید نہ کرے تو ایک ہی دن میں سب کے سب کٹ مریں اور جھگڑا ابھی ختم ہوجائے۔ اسی لیے قدرت کا جو قانون ہے وہ اٹل ہے لوگوں کی خواہش سے ادلتا بدلتا نہیں۔

فرماتا ہے جو کچھ ہم قرآن میں ان کے سامنے پیش کررہے ہیں وہ انہی کے حالات ہیں ان ہی کے اعمال کا ذکر ہے انہی کے باپ دادا کی کہانیاں ہیں کسی اور مخلوقات کے حالات نہیں۔ ان ہی کی فطرت کے مقتضیات سے بحث ہے۔ انہی کے اخلاق و عادات کا تذکرہ ہے پھر وہ اُسے سنتے کیوں نہیں۔ اس کے سننے سے منہ کیوں موڑتے ہیں۔ ہم تو اچھی بُری دونوں باتیں ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ہر ایک کے نتیجہ سے باخبر کر دیتے ہیں پھر یہ اکڑ مکڑ اور نفرت کیسی؟

اے رسولؐ، تم جو کچھ انہیں بتا رہے ہو یہ کسی لالچ سے تو نہیں بتا رہے۔ مال و دولت کی حرص سے تو نہیں کہہ رہے۔ یہ سب تبلیغ تمہاری فی سبیل اللہ ہے۔ یہ لوگ بیچارے تمہیں کیا دیں گے تمہارا تو سب سے بہتر رزق دینے والا رب ہے۔ تم تو ان کو صراطِ مستقیم کی طرف بُلا کر ان پر احسان کررہے ہو۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی حالت بھی عجیب ہے اگر ہم ان کی کوئی مصیبت دُور کریں تو بجائے ہمارا شکر ادا کرنے کے اپنی سرکشی کو اور زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ ان کو بھٹکتے پھرنا ہی پسند ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْۤا

اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

جب ہم نے ان کو تکلیف میں مبتلا کیا تب بھی یہ لوگ نہ اپنے رب کے سامنے جُھکے اور نہ گڑگڑائے - یہاں تک کہ جب سخت عذاب کا دروازہ ان پر کھول دیا گیا تب یہ بے آس ہوکر بیٹھ رہے۔ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان، آنکھ اور دل کو پیدا کیا۔ تم ہو بہت کم شکر کرنے والے اللہ وہی تو ہے جس نے زمین پر ہر طرف تمہیں پھیلا دیا اور اسی کے سامنے تم سب جمع کیے جاؤگے اور وہ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور رات دن کا اُلٹ پھیر اسی کے اختیار میں ہے تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے بلکہ یہ تو وہی کہنے لگے جو اُن سے پہلے کہا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو کیا ہم پھر (قبروں سے) اُٹھائے جائیں گے -

جس عذاب کا بیان ہے وہ اہلِ مکّہ پر ہجرت سے پہلے آیا تھا۔ یہ ایسا سخت عذاب تھا کہ دانہ دانہ کو ترس گئے تھے لیکن اس پر بھی ایسے کرّے کافر تھے کہ خدا کے سامنے نہ جھکے نہ گڑگڑائے - مایوسی ان پر چھائی ہوئی تھی مگر شرک سے باز نہ آتے تھے - یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ جس خدا نے ان کو آنکھ کان اور دل دیا ہے۔ آخر یہ کس کام کے لیے دیا ہے۔ کیا یہ چیزیں ان کو حیوانوں کی طرح دی گئی ہیں یا اس لیے کہ ہدایات کو سُنیں آثارِ قدرت کو دیکھیں اور اس پر غور کریں کہ مرنے کے بعد جب خدا کے سامنے جانا ہوگا تو وہاں کیا بنے گا اور اس کفر و شرک کی کیا سزا ملے گی۔ جو خدا پیدا کرتا اور مارتا ہے اور جس کے حکم سے رات دن آتے جاتے ہیں اس کی قدرت و حکمت کا یہ اقرار کیوں نہیں کرتے۔ آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں بلکہ اپنے سے پہلوں کی طرح وہی احمقانہ رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ مرنے کے بعد جب خاک میں مل جائیں گے تو پھر دوسری زندگی کیسی خدا نے بہت سی مثالیں دے کر سمجھایا ہے مگر کان لگا کر نہ سنتے ہیں نہ اس کی قدرت کے کرشمے آنکھوں سے دیکھتے ہیں نہ کچھ سوچتے سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں تو یہ احمقانہ بات -

---

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

ایسے وعدے تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے (بارہا) پہلے بھی کیے جا چکے ہیں۔ یہ تو سب پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں (ڈھکوسلے ہیں) اے رسول تم ان سے کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے تو وہ بہت جلد بول اُٹھیں گے، اللہ کا۔ تو تم ان سے کہو تو کیا تم اب بھی غور نہ کروگے۔ ان سے پوچھو ان سات آسمانوں اور اس عرشِ عظیم کا مالک کون ہے تو جلدی سے کہہ دیں گے' اللہ۔ تم کہو تو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ ان سے کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ ہر چیز پر کس کو اقتدار حاصل ہے اور وہ کون ہے جو پناہ دینے والا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ دے نہیں سکتا -

مشرکین جب قرآن سنتے تھے تو کہتے تھے کہ ایسے جھوٹے وعدے تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے بہت ہو چکے کہ یہ ہوگا اور وہ ہوگا لیکن ہوتا ہوا تا کچھ بھی نہیں۔ یہ قرآن ہے کیا پہلے لوگوں کے قصّے ہی قصّے بھرے پڑے ہیں۔ اے رسول تم ان سے پوچھو کہ اگر تم ان باتوں کو نہیں مانتے تو بتاؤ اس دُنیا و ما فیہا کا مالک کون ہے چونکہ خدا کے منکر نہیں بلکہ اس کا شریک دوسروں کو مانتے ہیں لہٰذا انہیں یہ کہنا ہی پڑے گا کہ یہ سب کارخانہ خدا ہی کا ہے۔ پھر ان سے یہ بھی پوچھو کہ یہ سات آسمان اور عرشِ عظیم کس کے بنائے ہوئے ہیں اور ان کا مالک کون ہے۔ وہ یہی کہیں گے' اللہ۔ پھر پوچھو ان سب پر کس کی حکومت ہے اور پناہ دینے والا کون ہے -

---

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

تو وہ یہی جواب دیں گے، اللہ۔ تم ان سے کہو پھر دھوکا کس بات میں ہے۔ جو بات حق ہے ہم نے ان تک پہنچا دی۔ وُہ لوگ یقیناً جھُوٹے ہیں نہ تو خدا نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا نہ کوئی اُس کے ساتھ دوسرا خدا ہے (اگر ایسا ہوتا تو) ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو لیے پھرتا اور یقیناً ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ جو باتیں یہ لوگ خدا کی نسبت بیان کرتے ہیں خدا اس سے پاک ہے۔ وُہ غیب و حاضر سب کا جاننے والا ہے۔ غرض وہ ان کے شرک سے بالاتر ہے۔ اے رسول تم دُعا کرو کہ اے میرے پروردگار، جس عذاب کی ان کو دھمکی دی جا رہی ہے اگر میری موجودگی میں تُو لائے تو اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجیئو۔ ہم یقیناً اس پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں انہیں دکھا دیں۔ تم بُری بات کے جواب میں اس بات کو کہو جو نہایت اچھی ہو۔ ہماری نسبت جو یہ بیان کرتے ہیں ہم اس کو خوب جانتے ہیں۔

یعنی جب سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں۔ خدا کو خالق۔ مالک۔ حاکم سب کچھ مانتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوسروں کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔ خدا پر مشرکوں نے یہ الزام لگایا تھا کہ بُت خدا کی اولاد ہیں

یا اس کے شریک کار۔ کس قدر احمقانہ بات ہے اس کا نہ تو کوئی بیٹا ہے نہ کوئی ساتھی۔ اگر کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس کی بھی مخلوق ہوتی۔ اور اس مخلوق کی فطرت، طبیعت، ساخت، رنگ، نظام حیات مختلف ہوتے۔ پتہ چل جاتا کہ یہ کسی دوسرے کی مخلوق ہے مثلاً کسی چوپایہ کے تین پیر ہوتے اس کا منہ پُشت پر ہوتا۔ پرندکی چونچ دُم کے اوپر ہوتی وغیرہ لیکن جب ایسا نہیں تو پھر کیسے سمجھا جائے کہ خدا کے علاوہ کوئی اور خالق بھی ہے۔ اگر کئی خدا ہوتے تو ضرور ان میں سے ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا اور اس صورت میں ان کے درمیان جھگڑا ہونا ضرور تھا۔ اور جھگڑے کی صورت میں کائنات کی تباہی لازم تھی۔ سابقہ آیات میں خدا نے اپنی صفات کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ باتیں خدا کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ بُت پرستوں کو ان باتوں کا اقرار ہے پھر بھی بتوں کو خدا کا شریک کار ماننا کتنی حماقت ہے جبکہ ان سے مذکورہ صفات میں سے کسی صفت کا اظہار بھی ممکن نہیں۔

خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی ہے کہ مخالفوں سے گفتگو کے وقت نرم الفاظ سے بات کریں ورنہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان پہنچے گا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے بتوں کی مذمت نہ کرو کیونکہ آپؐ کی نبوت کا تو مقصد ہی یہ تھا۔ مشرکین تو حضرتؐ سے یہی چاہتے تھے کہ بتوں کی مذمت کرنا چھوڑ دیں۔ اس پر بڑے بڑے لالچ بھی دیئے، ڈرایا دھمکایا بھی۔ لیکن ان کا یہ مقصد پورا نہ ہُوا۔ پس معلوم ہُوا بُروں کی برائی کرنا یا ان سے بیزاری ظاہر کرنا گالی نہیں جیسا کہ عوام کہا کرتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اے رسول یہ دعا کرو کہ اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آئیں (اور کفّار تو مانیں گے نہیں) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آئی تو کہنے لگے پروردگار اس دُنیا میں جسے میں چھوڑ رہا ہوں پھر

واپس کر دے تاکہ میں اچھے اچھے کام کروں (جواب دیا جائے گا) ہرگز نہیں، یہ ایک لغو بات ہے جسے وہ بک رہا ہے (اس کے مرنے کے بعد عالم) برزخ ہے جہاں قبروں سے اٹھائے جانے کے دن تک رہنا ہوگا پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ لوگوں کی قرابت داریاں ہوں گی نہ ایک دوسرے کی بات پوچھے گا۔

عالم برزخ کیا ہے؟ مرنے کے بعد انسان فنا نہیں ہوتا بلکہ باقی رہتا ہے۔ انسان نام تین چیزوں کا ہے۔ بدن۔ نفس اور رُوح۔ نفس کا تصرّف بدن پر ہوتا ہے اور رُوح کا نفس پر۔ نفسِ انسانی ہو بہو ایسا ہی بدن رکھتا ہے جیسا جسمِ مادی ہے۔ لیکن وہ مٹی سے بنا ہوا نہیں ہوتا بلکہ برزخی مادہ سے بنایا جاتا ہے۔ اُسے ہم نہ چھو سکتے ہیں نہ ان مادی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ بدن کے تمام افعال اسی کی زیرِ حکومت صادر ہوتے ہیں۔ قیامت میں ہر عمل کا جواب دہ وہی ہوگا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ج "اَلرَّعْد ۳۳/۱۳" (ہر نفس نے جو کچھ کیا ہے وہ اس کا ذمّہ دار ہوگا)۔ موت کا ذائقہ بھی وہی چکھتا ہے، كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ مرتا نہیں ہے موت کا ذائقہ چکھتا ہے یعنی موت کی سختی کو جھیلتا ہے۔ جب جسمِ انسانی سے اس کا تصرّف ہٹتا ہے اور بدن کی ایک ایک رگ سے اس کو نکالا جاتا ہے تو تکلیف اسی نفس کو ہوتی ہے۔ اسی کو ہم جان کہتے ہیں۔ خواب میں یہ بدن سے ہلکے ہلکے اپنے کو علیحدہ کرتا جاتا ہے۔ جب زیادہ حصّہ الگ ہو جاتا ہے تو انسان سو جاتا ہے لیکن قطعاً علیحدہ نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ذرا سی تکلیف بدن کو پہنچتی ہے تو وہ فوراً اپنے بدن میں آجاتا ہے جو صورتیں ہم خواب میں دیکھا کرتے ہیں وہ اسی برزخی مادہ کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ خواب میں چونکہ ہمارا نفس بھی جسم سے باہر ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنی برزخی آنکھوں سے برزخی اجسام کو دیکھ لیتا ہے۔ اُسے ایک مثال سے یوں سمجھیئے ایک شخص خواب میں ایک باغ دیکھتا ہے۔ اس کا ایک دوست اس باغ کا مالک ہے وہ طرح طرح کے پھل اُسے پیش کرتا ہے کھانے کھاتے اس کا پیٹ بھر جاتا ہے ہونٹ چپکنے لگتے ہیں۔ انگلیوں پر بھی رس کا اثر ہے اس کے کپڑوں پر بھی رس گرا ہے۔ آنکھ کھُل جاتی ہے۔ جیسا بھوکا سویا تھا ویسا ہی اُٹھتا ہے نہ ہونٹوں پر اثر نہ ہی انگلیوں پر نہ کپڑے پر کوئی دھبہ۔ یہ کون کھا رہا تھا۔ برزخی جسم اور یہ پھل کیسے تھے، برزخی۔ وہ دوست کون تھا برزخی انسان۔

جس طرح آدمی کیلئے تین قسم کے جسم ہیں اسی طرح تین عالم ہیں۔ ایک مادی دنیا جس سے جسم متعلق ہے۔ مرنے کے بعد وہ یہیں چھوٹ جاتا ہے۔ مٹی سے بنا تھا مٹی میں مل گیا۔ دوسرا عالم برزخ ہے جہاں مرنے کے بعد نفس اور روح دونوں جاتے ہیں۔ قیامت تک یہ دونوں برزخ میں رہیں گے۔ برزخ میں نفس کی غذا وہ نیکیاں ہونگی جو دنیا کے احباب اس کے لیے کرتے ہوں گے۔ یہاں بھی دوزخ اور جنّت ہوں گے۔ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں بد اعمال دوزخ میں رہیں گے نیک اعمال بہشت میں۔ دوزخ کی سزا ان لوگوں کو ملے گی جن کے معاملات

خدا اور بندہ کے درمیان ہوں گے۔ جو بنی نوع انسان سے متعلق ہوں گے ان کی سزا قیامت میں حساب کتاب کے بعد ملے گی۔ جب کسی عمل کے سارے گواہ عرصۂ محشر میں جمع ہو جائیں گے۔

عالمِ برزخ کہاں ہے اس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ برزخی اجسام اس دُنیا میں آتے ہیں اور اپنے احباب کی زیارت کرتے ہیں اور اگر انہوں نے نیکی کی ہے تو ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

جب پہلی صور پھونکی جائے گی تو سب مر جائیں گے اور یہ سب کائنات موت کی نیند سو جائے گی۔ دوسری صور میں سب قبروں سے نکل پڑیں گے۔ تیسری دنیا عالمِ حیات محضہ ہے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا خواہ دوزخ ہو یا بہشت۔

قیامت میں سب رشتہ داریاں قطع ہو جائیں گی۔ کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہوگا۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میرے حسب نسب کے سوا سب حسب نسب منقطع ہو جائیں گے یعنی ایک کو دوسرے سے سروکار نہ ہوگا اور نہ کسی کی کوئی خبر لے گا مگر خاندانِ رسولؐ کا وہاں بھی لحاظ کیا جائے گا۔ یہ بات سادات کے فخر کے لیے کافی ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک دوسری حدیث میں ہے بہشت پرہیزگاروں کے لیے ہے، اگرچہ حبشی غلام ہو اور گنہ گار کے لیے جہنّم ہے اگرچہ سیّد ہی کیوں نہ ہو۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

پس جن کے نیک اعمال کا پلّہ بھاری ہوگا وہ خوشحال ہوں گے اور جن کا پلّہ ہلکا ہوگا تو یہ وُہ لوگ

ہوں گے جنہوں نے اپنے نفس کا نقصان کیا ہوگا یہ ہمیشہ جہنّم میں رہیں گے۔ جہنّم کی آگ ان کے منہ جُھلس دے گی۔ وہ وہاں منہ بنائے ہُوئے ہوں گے (تب ہم پوچھیں گے) کیا ایسا نہیں ہے کہ جب میری آیات تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو تم ان کو جھٹلاتے تھے۔ وہ جواب میں کہیں گے۔ اے ہمارے پالنے والے، شقاوت ہم پر غالب آگئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے رب، ہمیں اس سے نکال دے اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو البتہ ہم قصوروار ہیں۔ خدا فرمائے گا دُور ہو تم کو اسی میں رہنا ہوگا اور مجھ سے بات نہ کرو۔ میرے بندوں میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو یہ دعا کرتا تھا کہ اے ہمارے پالنے والے ہم ایمان لائے ہیں ہمارے گناہ بخش دے۔ ہم پر رحم کر تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

رَبِّ ارْجِعُوْنِ میں اِرْجِعُوْنِ جمع کا صیغہ خدائے واحد کے لیے لایا گیا ہے جس سے مقصد تعظیم ہے اور بعض مفسرین نے لکھا کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی پہلے خدا کو پکارا گیا پھر فرشتوں سے کہا گیا۔
آخر آیت میں جو دُعا کرنے والے ہیں ان سے مراد اصحابِ صُفّہ، بلالؓ، عمّارؓ اور صہیبؓ وغیرہ ہیں۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ

فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

تو تم لوگوں نے انہیں مسخرا بنالیا یہاں تک کہ ان کی ضد نے تمہیں یہ بھی بُھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں تم ان سے برابر ہنستے رہے۔ میں نے ان کے صبر کا آج اچھا بدلہ دیا۔ وہ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہوگئے پھر خدا ان سے پُوچھے گا تم زمین پر کتنے برس رہے وہ کہیں گے ایک دن یا اس سے بھی کم، تو شمار کرنے والوں سے پوچھ لے۔ خدا فرمائے گا بے شک تم اس زمین میں بہت ہی کم ٹھہرے کاش تم اتنی بات بھی سمجھے ہوتے۔ تو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے حضور میں لوٹائے نہ جاؤ گے تو خدا تو سچّا بادشاہ ہر چیز سے برتر و اعلیٰ ہے اس کے سوا کوئی معبُود نہیں وہ بزرگ عرش کا مالک ہے جو شخص خدا کے سوا کسی دُوسرے کو پُوجتا ہے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اس کا حساب کتاب اس کے پروردگار کے پاس ہے۔ کفّار ہرگز اپنی مراد کو پانے والے نہیں اور اے رسول تم کہو خداوندا، میری اُمّت کو بخش دے اور ان پر رحم کر، تُو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

جو کفّار و مشرکین انبیاءؑ کا مذاق اڑاتے تھے وہ خدا کا ذکر بھی بھول گئے اور مذاق ہی میں لگے رہے۔ جن لوگوں نے ان کے مذاق پر صبر کیا ہم ان کے صبر کا بہترین بدلہ دیں گے وہی کامیاب ہونے والوں میں سے ہوں گے۔ پھر خدا پُوچھے گا کہو دُنیا میں کتنے دن ٹھہرے۔ وہ کہیں گے ایک دن یا اس سے کم۔ خدا کہے گا، اگر تم جانتے ہو تو سمجھ لو بہت کم ٹھہرے۔ یعنی وہاں کی زندگی جو راحت کی زندگی تھی بات کہتے گزر گئی۔ زندگی تو اب ہوگی جس کی حد ہی نہیں۔ عیش کے دن جلد کٹ جاتے ہیں اور مصیبت کا تو ایک ایک پل بھاری ہوتا ہے۔ تم نے دنیا میں رہ کر یہ سمجھا تھا کہ خدا نے ہم کو یونہی بیکار پیدا کیا ہے کوئی غرض و غایت نہیں۔ ہمیں کھیل تماشے کرنے اور مزہ اُڑانے کے لیے پیدا کیا اور ہمیں پلٹ کر اس کے حضور میں جانا ہی نہیں۔ اگر تم اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہوتے تو ہمیں بھول کیوں جاتے اور ہمارے احکام کی بجا آوری تم پر گراں نہ گزرتی۔ تم نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبُود ہے ہی نہیں۔ جن کو تم خدا سمجھ کر عبادت کرتے ہو بتاؤ تو ان کے پاس خدا ہونے کی کیا دلیل ہے، کچھ بھی نہیں۔ ان کا حساب کتاب سب ہمارے پاس ہے قیامت میں تم سے اور ان سے اچھی طرح نُمٹ لیا جائے گا۔ کافروں کے لیے تو وہاں فلاح و بہبود کی کوئی صورت ہی نہ ہوگی۔

اگرچہ یہاں مخاطبہ رسولؐ سے ہے کہ تم مغفرت کی دُعا مانگو مگر درحقیقت مراد اُمّت ہے۔ یعنی اُمّت سے کہو کہ وہ یوں دُعا کریں "اے ہمارے رب ہمیں بخشش دے اور ہماری حالت پر رحم فرما"۔ خدا نے باتمام حجت اپنے بندوں کو سب کچھ بتا دیا۔ ایک ایک پہلو زندگی کا ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا مگر جو کافر تھے وہ کہاں ماننے والے تھے۔ وہ تو رسولوں کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ دُنیا کے عیش ونشاط میں ایسے غرغپ ہوئے کہ آخرت کے عذاب کا بھولے سے بھی خیال نہ آیا۔ لیکن وہ بُھلا دیں خدا تو ان کو نہیں بھولے گا۔

---

۲۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳

اس سورۃ کو ہم نے نازل کیا اور (ان احکام کو) فرض کیا اور ہم نے اس سورہ میں واضح نشانیاں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ زانیہ اور زانی میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اگر تم اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو دین کے معاملہ میں کسی طرح ترس کا لحاظ نہ ہونے پائے

اور ان دونوں کی سزا کے وقت مومنین کا ایک گروہ گواہی کے لیے موجود رہے۔ زانی نہیں نکاح کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ نہیں نکاح کرتی مگر زانی یا مشرک سے۔ مؤمنین پر یہ چیز حرام کر دی گئی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں زنا کو بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ عورتیں بڑے آدمیوں سے زنا کروا کے فخر محسوس کرتی تھیں اور یہ وبا تمام قبائل میں عام ہو رہی تھی جس سے بے شمار حرامی بچے پیدا ہو کر معاشرہ میں گندگی پھیلاتے تھے۔ اسلام نے اس کی روک تھام کی اور بڑی سختی سے کی یعنی جو چیزیں زنا کی محرک ہو سکتی تھیں ان کا سدِباب کیا۔ مثلاً عورت و مرد کا نامحرم سے آنکھیں نہ لڑانا۔ نیچی نظر کر کے چلنا۔ عورت کا پردہ میں رہنا۔ سوائے محرم مردوں کے عورت اپنا بناؤ سنگھار کسی کو نہ دکھائے۔ نامحرم سے چکنی چپڑی باتیں نہ کرے۔ کوئی نامحرم مرد بے اجازت گھر میں داخل نہ ہو۔

اسلامی حلقوں میں جہاں جہاں یہ قیود ٹوٹ گئی ہیں وہاں زنا جیسا قبیح جرم جو قتل سے بھی بدتر ہے پایا جاتا ہے۔

زنا سے اپنی قوتِ شہوی کو تسکین دینے والے کہتے ہیں جب عورت راضی ہو تو پھر یہ جرم جرم نہیں رہتا۔ یہ ان کا مجرمانہ اور احمقانہ فیصلہ ہے۔ انہوں نے اس کے نقصانات پر قطعاً نظر نہیں ڈالی۔ ان کی خواہشِ بد نے ان کو اندھا بنا دیا ہے۔

آیت میں زانیہ کا ذکر پہلے ہے اور زانی کا بعد میں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم کے ارتکاب میں عورت کا حصّہ زیادہ ہے۔ اگر عورت اپنے کو بچائے رکھے اور مرد کی عاشقانہ حرکات کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھے تو مرد کو ضرور اپنے ارادہ میں ناکامی ہوگی۔ جب دونوں کی آنکھیں شوق کے جادو میں لپٹی ہوئی ایک دُوسرے سے ملتی ہیں تب جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام نے حکم دیا ہے کہ عورت اور مرد نیچی نگاہ کر کے چلیں۔

زنا کیا ہے؟ کسی مرد کا کسی نا کتخدا لڑکی پر ناجائز تصرّف۔ غور کیجئے اس سے معاشرہ کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔ اوّل تو مرد و عورت دونوں کو بدنامی حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے قوم کی نظروں سے ان کا وقار گر جاتا ہے۔ ایسی بدکردار لڑکی سے شریف خاندان والے رشتہ کرنا پسند نہیں کرتے۔ ایک دو بار لذتِ نفس حاصل کرنے کے بعد وہ لڑکی اپنے عصمت کے تابناک جوہر کو خاک میں ملا کر ہمیشہ کے لیے ندامت کے پسینہ میں ڈوبی ہوئی اپنے گھر میں بیٹھ جاتی ہے اور پھر شاید اس زانی کے سوا دوسرا کوئی اس کو اپنانا چاہنے والا شریف آدمی نہیں ملتا۔ دوسرے ایسی لڑکیوں میں رہ کر اور لڑکیوں کو بھی زنا کی طرف رغبت ہوتی ہے اور وہ بھی تمام شرعی رکاوٹوں کو برطرف کر کے اپنی خواہش پر اپنی عفت کو قربان کر دیتی ہیں۔ تیسرے اگر اس کنواری لڑکی کے حمل قرار پا جاتا ہے تو اگر قوم میں رسوا ہونے کے خیال سے وہ اس معصوم بچہ کا گلا گھونٹ کر کہیں پھینک آتی ہے تو قتلِ عمد کی مرتکب ہوتی ہے جس کی شرعی سزا جہنّم ہے اور حکومتِ وقت کو پتہ چل جاتا ہے تو اس پر مقدمہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو بتاؤ اس بچہ کو پالے کون؟

اِس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے۔ اس قسم کی بیشمار خرابیاں اس عملِ زنا میں لپٹی ہوئی ہیں۔ اس لئے شریعت نے سختی کے ساتھ اس سے روکا ہے اور اس کے بُرے نتائج کو بیان کیا ہے لیکن اگر اس پر بھی مرد و عورت باز نہیں آتے تو پھر اس کی سزا منظرِ عام پر سو کوڑے مارنا ہے اور اس سزا میں کسی طرح کی نرمی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

یہ تو بیان تھا ناکتخدا لڑکی کے ساتھ زنا کا۔ اب رہا وہ زنا جو شوہردار عورت کے ساتھ کیا جائے۔ اس کی قباحت کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔ ایک شخص کی ملکیت پر ناجائز قبضہ کرنا معاشرہ کا کتنا سخت جرم ہے پھر جو بچہ پیدا ہو اس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے۔ زانی تو زنا کر کے چلتا بنے گا جائز شوہر اس بچہ کی پرورش کا شرعاً ذمہ دار نہیں۔ پھر اس بچہ کا حشر کیا ہوگا۔ وُہ میراث سے محروم رہے گا۔ اپنے صحیح باپ کی شفقت کی صورت نہ دیکھے گا۔ بحیثیت ایک زنازادہ ہونے کے قوم کی نظر میں ذلیل ہوگا۔ عورت اور شوہر کے درمیان ناچاقی پیدا ہوگی جس کا نتیجہ اُس زانیہ کی طلاق تک منجر ہوگا۔ غرض گھر برباد ہو جائے گا اور خاندانی تنازعات کا پیش خیمہ بن جائے گا۔ اسی لیے قرآن نے کہا ہے کہ زنا قتل سے بھی بدتر ہے کیونکہ قتل میں تو ایک ہی شخص مارا جاتا ہے اور زنا بہت سے لوگوں کے قتل کا باعث بن سکتا ہے۔

جو زنا پسند لوگ ہیں وہ زانیہ عورتوں ہی سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں "کبوتر با کبوتر، باز با باز" مشہور مثل ہے۔ اسی طرح زانیہ عورتوں کو جب کوئی شریف آدمی نکاح کے لیے نہیں ملتا تو وہ زانی مردوں ہی کو تلاش کر کے اپنا گھر بسانا چاہتی ہے۔ جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں اور عذابِ خدا سے ڈرتے ہیں وہ زنا کے پاس نہیں جاتے اور ایسے تعلقات سے بچے رہتے ہیں۔ یہ حکم تحریمی نہیں بلکہ تشریعی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٤ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ

اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٨ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٩ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ ع

ربع

جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور اپنے دعویٰ پر چار گواہ پیش نہ کریں تو انہیں اسّی کوڑے مارو اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ یہ لوگ بدکار ہیں مگر ہاں جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بیشک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور جو لوگ اپنی بیبیوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور اس کے ثبوت میں اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ایک کی گواہی چار مرتبہ اس طرح ہوگی کہ وُہ ہر مرتبہ خُدا کی قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں ضرور سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یوں بیان کرے کہ اگر وہ شخص اپنے دعویٰ میں جھُوٹا ہو تو اس پر خدا کا غضب ٹوٹے اور عورت سے اس طرح سزا ٹل سکتی ہے کہ وُہ چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر بیان کرے کہ اس کا شوہر اپنے دعویٰ میں جھُوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے اگر یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچّا ہے تو مجھ پر خُدا کا غضب نازل ہو۔ اگر تم پر خُدا کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو دیکھتے کہ تہمت لگانے والوں کا کیا حال ہوتا۔ بےشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عداوت کی بنا پر لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگا کر انہیں بدنام کرنا چاہا کرتے ہیں۔ لہٰذا غلط الزام سے بچانے کے لیے شریعت کا یہ قانون ہے کہ الزام لگانے والا چار گواہ پیش کرے کہ ہم نے اس عورت کو مرتکبِ زنا ہوتے دیکھا ہے۔ اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کو اسّی (٨٠) کوڑے مارے جائیں تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور ایسے جھُوٹے الزام لگانے والوں کی گواہی کسی مقدمہ میں قبُول نہ کی جائے۔ اگر شریعت کا یہ قانون نافذ العمل نہ ہو تو بےشمار پاکدامن عورتیں ایسے مردوں کے فریب میں آجائیں جو ان کی آبرُوریزی اپنے کسی مطلب کے تحت کرنا چاہتے ہیں ایسے الزام معاشرہ میں بڑے فساد کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس طرح اگر عورت کسی پاکدامن مرد پر زنا بالواطت کا الزام لگائے تو اس کی بھی یہی صورت ہوگی کہ اگر چار گواہ نہ ہوں تو چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ شخص جھُوٹا ہے اور پانچویں دفعہ کہے اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچّا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ہو۔

مرد چار مرتبہ کہے اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّيْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا۔ پانچویں دفعہ کہے، اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيَّ اِنْ كُنْتُ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ درصورت کذب بیانی وہ یہ کہہ کر غضبِ الٰہی سے چھُوٹ جائے گا۔ شرعی سزا سے اگرچہ

بھی گیا تو خدائی عذاب سے بچ کر کہاں جاسکتا ہے ۔

غور کیجئے شریعت نے اسلامی معاشرہ کو زنا کی گندگی اور جھوٹی تہمت سے بچانے کے لیے کیسا مکمل انتظام کیا ہے ایک طرف تو زنا کی روک تھام ہے دوسری طرف تہمت کی روک تھام ہے ۔ یہ دونوں چیزیں معاشرہ میں سخت فتنہ وفساد کا باعث بن جاتی ہیں ۔ جس معاشرہ میں ایسی باتوں کا رواج ہوگا وہاں عورتیں اپنی عصمت کے پاک دامن کو جلنے سے نہیں بچاسکتیں اور ان کے رشتہ دار امن وامان سے زندگی بسر نہیں کرسکتے ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

جن لوگوں نے جھوٹی تہمت لگائی وہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہے تم اپنے حق میں اس تہمت کو بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے ۔ ان لوگوں میں سے جس نے جتنا گناہ سمیٹا وہ اس کی سزا خود بھگتے گا اور اس میں سے جس نے اس تہمت میں بڑا حصّہ لیا اس کے لیے بڑی سخت سزا ہوگی اور جب تم لوگوں نے اُسے سُنا تھا تو اس وقت ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا یہ تو کھُلا بہتان ہے جن لوگوں نے کھُلی تہمت لگائی تھی اپنے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ پیش کیے پھر جب اُنہوں نے گواہ پیش نہ کیے تو خدا کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں اور اگر تم لوگوں پر آخرت و دُنیا میں خدا کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم لوگوں نے چرچا کیا تھا اسکی وجہ سے تم پر کوئی سخت عذاب آپہنچتا کہ تم اپنی زبانوں سے ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمہیں علم ویقین نہ تھا اور تم نے اس کو ایک آسان بات سمجھی تھا حالانکہ وہ خدا کے نزدیک ایک بُری بات تھی اور جب تم نے ایسی بات سُنی تھی تو تم نے لوگوں سے یہ کیوں نہ کہا کہ ہم کو ایسی بات منہ سے نکالنی مناسب نہیں ۔ سبحان اللہ یہ بڑا بھاری بُہتان ہے ۔

یہاں سے حضرت عائشہؓ کے افک کا قصہ شروع ہوتا ہے جسے ہم مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے محشّٰی ومترجم قرآن سے نقل کرتے ہیں :

"علمائے اہلسنت نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب آپؐ کسی جنگ میں تشریف لے جاتے تو بی بیوں کے درمیان قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا اُسے ساتھ لے جاتے ۔ چنانچہ جنگ بنی مصطلق میں میرے نام کا قرعہ نکلا اور میں ساتھ گئی ۔ واپسی میں مدینہ کے قریب ایک منزل میں شب کے وقت میں ایک عورت کے ساتھ رفع حاجت کو گئی ۔ جب اپنی جگہ پر آئی تو اپنے گلے کا ہار نہ پایا ۔ قافلہ کوچ کے لیے تیار تھا ۔ میں اس عورت کو ساتھ لے کر ڈھونڈنے لگی وہ مل گیا تو میں اپنی جگہ پر آئی ۔ قافلہ کوچ کر چکا تھا اور میرے اونٹ والے نے بھی یہ خیال کرکے کہ میں ہودج کے اندر ہوں ہودج کو اونٹ پر رکھ کر کوچ کیا ۔ میں وہیں بیٹھ گئی ۔ تھوڑی دیر بعد میں سوگئی ۔ صفوان بن حنظلہ جو پیچھے رہ گیا تھا جب اس جگہ پہنچا تو مجھے اپنے اونٹ پر سوار کیا اور خود مہار کھینچتا ہوا قافلہ میں جا پہنچا ۔ عبداللہ بن اُبی (منافق) وغیرہ مجھے صفوان کے ہمراہ دیکھ کر مجھ پر منہ آئے اور سب لوگ اس کے ہم رائے ہوگئے اور مجھ پر تہمت لگائی ۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچی تو حضرتؐ کی توجہ میری طرف باقی نہ رہی ۔ حتیٰ کہ میں ایک

مہینہ تک بیمار رہی مگر آپؐ مجھے دیکھنے نہ آئے اور اندر آتے بھی تو دوسروں سے میرا حال پوچھ لیتے اور میں اس کی وجہ بالکل نہ سمجھی آخر چند روز بعد پھر ایک دن مسطح کی ماں کے ساتھ رات کو رفع حاجت کے لیے نکلی اور حسب اتفاقاً اس کا پاؤں پھسلا تو اس نے مسطح کو بُرا بھلا کہا۔ میں نے منع کیا تو بولی تم کیا جانو اس نے تم پر ایسی تہمت لگائی ہے۔ مجھے یہ سُن کر سخت رنج ہوا اور اس وقت حضرتؐ کی بے توجہی کی وجہ سمجھ میں آئی۔ غرض میں پھر حضرتؐ سے اجازت لے کر اپنے باپ کے گھر آئی اور اپنی نسبت لوگوں کے خیالات دریافت کیے تو معلوم ہوا لوگ مجھے ایسا ایسا کہتے ہیں پھر تو مجھے رونے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ کھانا پینا ترک ہوگیا اور حضرتؐ نے اسامہؓ اور علیؑ سے مشورہ کیا تو اسامہؓ نے کہا میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ علیؑ نے کہا آپؐ رنج نہ کریں آپؐ کے لیے ان کے سوا اور بہت سی عورتیں ہیں۔ اگر اس عورت سے جو ساتھ تھی دریافت کریں تو آپؐ کو تصدیق ہوجائے گی۔ غرض آپؐ نے بریرہ سے دریافت کیا اس نے میری پاکدامنی کی گواہی دی اور میں نے حضرتؐ کے سامنے قسم کھائی کہ میں اس تہمت سے بری ہوں اس کے بعد خدا نے میری عفّت کے متعلق یہ آیات نازل کیں تب حضرتؐ کو اطمینان ہُوا۔"

حسب روایت اہلسنت مسطح پر قذف (تہمت) کی حد جاری کی گئی۔ یہ مسطح بدری صحابی تھے۔ لہٰذا یہ اصول ٹوٹ گیا کہ کُل صحابہ عادل ہیں۔

یہ سب کارستانی منافقوں کی تھی وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح حضرتؐ کو بدنام کریں۔ یہ موقع ان کے ہاتھ آگیا۔ خوب خوب اُچھالا۔ عبداللہ بن اُبی مشہور منافق تھا اور سب منافقین کا سرغنہ تھا۔ کئی صحابہ بھی اس کے پروپیگنڈے کا شکار ہوگئے جیسے اسامہ، حسان بن ثابت اور ابوایوب انصاری وغیرہ۔ ان کو یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ صفوان جو امّ المؤمنینؓ کو اونٹ پر بٹھا کر لایا اوّل تو مسلمان تھا۔ جو یہ جانتا تھا کہ مادرِ مؤمنین ہیں، دوسرے اس لشکر کا سپاہی تھا تیسرے مدینہ کا رہنے والا تھا۔ چوتھے بصدقِ دل حضرتؐ پر ایمان لائے ہوئے تھا کیسے ممکن تھا کہ ایسے فعلِ قبیح کا مرتکب ہوتا۔ بلکہ ایسا خیال بھی دل میں نہ لاسکتا تھا۔ اگر کسی عزیز رشتہ دار کی عورتیں کہیں ایسی حالت میں تنہا مل جائیں تو ایک شریف آدمی یہی چاہے گا کہ بخیر و خوبی گھر پہنچائے اور رسولؐ تو رسول ہی تھے۔

حضرت علیؑ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس قصّہ کو ہوا دینے میں حضرت علیؑ کا زیادہ ہاتھ تھا۔ (استغفر اللہ)۔ آیاتِ مذکورہ میں وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ انہی کی شان میں ہے۔ حالانکہ یہ جھوٹا بہتان ہے۔ جو صاحبانِ انصاف اہلِ سنّت ہیں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ جیسا کہ مولانا مودودی صاحب نے بھی تفہیم القرآن جلد ۳، صفحہ ۳۶۷ پر صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کا اس قصّہ میں کوئی دخل نہ تھا۔

حضرت علیؑ نے جب آنحضرتؐ کو زیادہ رنجیدہ پایا تو بطور تسلّی دینے کے عرض کیا تھا کہ حضورؐ اس قدر رنجیدہ کیوں ہیں؟ آپؐ کے لیے بہت سی عورتیں ہیں۔ اس میں امّ المؤمنینؓ کے کردار پر کوئی حملہ نہ تھا نہ ہی افک کی تصدیق

تھی۔ کہتے ہیں امّ المؤمنینؓ کو اسی وجہ سے امیر المؤمنینؑ سے بغض رہا۔ بظاہر تو یہ بغض کی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی باقی اس کے علاوہ تو امّ المؤمنینؓ کے بغض کے لیے کچھ اور وجوہ بھی تھے جن کو تاریخ سے معلوم کرنا چاہیئے۔

حضرت علیؑ کا تو ذکر ہی کیا آنحضرتؐ کی قدر و منزلت کو پہچاننے والا اور امّہات المؤمنینؓ کے احترام کو سمجھنے والا کوئی معمولی آدمی بھی ایسا گمان تک نہیں کرسکتا تھا چہ جائیکہ اس الزام میں شریک ہوتا۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

ربع النصف

خدا تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم سچّے ایماندار ہو تو خبردار پھر کبھی ایسا نہ کرنا اور خدا تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ سب باتوں کا جاننے والا صاحبِ حکمت ہے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے تو ان کے لیے دنیا میں اور آخرت میں دردناک عذاب ہے

اللہ خوب جانتا ہے تم نہیں جانتے اگر تم پر خدا کا فضل وکرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ وہ بندوں پر مہربان ہے (تو تم دیکھتے کہ کیا ہوتا)۔ اے ایمان والو، شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شیطان کے قدم بقدم چلے گا تو وہ یقیناً اُسے بدکاری اور بُری بات کرنے کا حکم دے گا اگر تم پر خدا کا فضل وکرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی کبھی پاک صاف نہ ہوتا مگر خدا جسے چاہتا ہے پاک وصاف کر دیتا ہے اور اللہ بڑا سننے والا واقف کار ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو کوئی کسی کے گناہ کو مشہور کرتا ہے وہ مثل اس کے ہے جو خود گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن ایسے گناہوں کی روک تھام کی جائے جو بدکاری اور بُری باتوں کو رواج دینے والے ہوں، جیسے زناکاری۔ جوئے بازی۔ اور شراب خوری کے اڈے ہے۔ ایسے سب کارخانے لوگوں کے نفسوں کو خراب کرتے ہیں۔ یا چور ڈاکوؤں سے بچانے کے لیے ان لوگوں کی شناخت کرا دی جائے "تاکہ ان کی دست اندازیوں سے لوگ محفوظ رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ معاشرہ میں جن امور سے خرابی پیدا ہوتی ہے ہر طرح ان کی روک تھام کی جائے۔ مؤمنوں کے درمیان فواحش کو اس لیے نہ پھیلایا جائے کہ ان کو اس کی طرف رغبت پیدا ہو گی۔ جھوٹے الزامات کی اشاعت سخت گناہ ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ چونکہ مسطح (حضرت ابو بکرؓ کے خالو زاد بھائی تھے) نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی تھی اس لیے میرے باپ نے قسم کھائی تھی کہ مسطح کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہ کروں گا۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جلسۂ عام میں بیٹھ کر لوگوں پر جھوٹے الزام ازراہِ دل لگی اور تمسخر بیان کرنے لگتے ہیں۔ معاشرہ میں اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں لہٰذا خدا نے اس سے روک دیا ہے اور اگر ایک بار ایسی غلطی سرزد ہو جائے تو ہرگز ہرگز اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ غیبت یہ ہے کہ اپنے مؤمن بھائی کے ایسے عیب بیان کرنا جن کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہے اور بہتان، کسی کے متعلق ایسی بُری بات کو نسبت دینا جو اس میں نہ ہو۔ سنی سنائی باتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ اگر مؤمن کے کسی عمل کو آنکھ سے بھی دیکھے تو چشم پوشی سے کام لے۔ مؤمن کا کوئی عیب افشا کرنے میں اس کے دل کو رنج پہنچے گا اور وہ تمہارا دشمن ہو کر تمہارے عیوب افشا کرنے میں آمادہ ہو جائے گا۔ اس طرح یہ بیماری متعدی بن جائے گی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ

يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾

تم میں سے جو لوگ صاحب ثروت ومقدرت ہیں وہ رشتہ داروں محتاجوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کے متعلق یہ قسم نہ کھائیں کہ ہم ان کی مدد نہ کریں گے انہیں چاہیئے کہ ان کی خطا معاف کر دیں۔ اور ان سے درگزر کریں کیا تم اس کو دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے۔ اللہ تو بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ پر تہمت لگانے والوں کے متعلق لوگوں نے یہ طے کیا کہ ان کی مدد نہ کریں گے خصوصاً حضرت ابو بکر رضؓ نے مسطح کے متعلق یہ عہد کیا کہ وہ اس کی مدد کسی حالت میں نہ کریں گے لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو عہد کرنے والوں نے اپنا یہ عہد توڑ دیا۔

مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا اس قسم کے توڑنے کے بعد کفارہ دینا لازم ہوگا یا نہیں بعض کہتے ہیں نہیں قسم توڑ کر کسی امرِ نیک کی طرف جانا ہی اس کا کفارہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کفارہ دینا ہوگا۔ اس آیت میں کہیں اس کا ذکر نہیں کہ کفارہ معاف کر دیا گیا لہٰذا حضرت ابو بکرؓ وغیرہ پر کفارہ دینا لازم تھا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾

جو لوگ پاک دامن بے خبر مؤمنات پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دُنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، ان کے اعمال کی گواہی دیں گے اس دن خدا ان کو ٹھیک ان کا پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ خدا بالکل برحق اور (حق کا) ظاہر کرنے والا ہے۔

آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایسی پاکدامن سیدھی سادھی مؤمن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو بیچاری اپنے سیدھے پن کی وجہ سے تہمت سے بے خبر ہوتی ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے دنیا و آخرت میں لعنت ہے ۔ قیامت میں تہمت لگانے والوں کے اعضا ہر اس بات کی گواہی دیں گے جو دُنیا میں کی گئی ہو گی ۔

یہاں تک کا تمام بیان بہتان تراشی اور افترا پردازی سے روک تھام کے متعلق تھا ۔ خدا نہیں چاہتا کہ کسی بے قصور پاکدامن عورت پر زنا کا الزام لگا کر اس عورت کو بدنام کیا جائے اور معاشرہ میں گندگی پھیلائی جائے ۔ اس کے نقصانات معاشرہ کی رگوں میں زہر کی طرح سرایت کر جاتے ہیں ۔ عورتوں کی زندگیاں تباہ ہوتی ہیں اور اس کے رشتہ داروں کے دل میں تہمت لگانے والوں کے خلاف جذبۂ انتقام پیدا ہوتا ہے اور اس بغض و عناد سے آپس میں جنگ و پیکار کی نوبت آجاتی ہے ۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے مناسب ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ۔ پاک عورتیں

پاک مردوں کے لیے (موزوں) ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ۔ لوگ جو کچھ ان کی نسبت بکا کرتے ہیں ، اس سے یہ لوگ بری الذمہ ہیں پاک لوگوں کے لیے (آخرت میں) بخشش ہے اور عزت کی روزی ۔ اے ایمان والو ، دوسروں کے گھروں میں درّانہ نہ چلے جاؤ جب تک کہ ان سے اجازت نہ لے لو اور گھر کے رہنے والوں سے صاحب سلامت نہ کر لو یہی تمہارے لیے بہتر ہے (یہ نصیحت اس لیے ہے) "تاکہ تم یاد رکھو اگر ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو جب تک اجازت حاصل نہ ہو جائے ان میں داخل نہ ہو ۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو (بے تامّل) پھر جاؤ ، یہ تمہارے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے اور جو تم کرتے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے اس میں البتہ تم پر کوئی الزام نہیں کہ تم غیر آباد مکانات میں جس میں تمہارا کچھ سامان ہو (بے اجازت) چلے جاؤ ۔ اللہ ، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہے ۔

زنا اور تہمت تراشی کے متعلق جو بیان اوپر سے چلا آرہا ہے اور جس کی روک تھام کے لیے بہت کچھ بیان کیا جا چکا ہے یہ آیات بھی اسی کا ضمیمہ ہیں مفسّرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں ۔

۱ ۔ یہ حکم نہیں ہے بلکہ اظہارِ واقعہ اور بیانِ فطرت ہے مطلب یہ ہے کہ اچھا اچھے ہی کو پسند کرے گا اور بُرا بُرے کو ۔ مگر اس سے عصمت و غیر عصمت سے کوئی سروکار نہیں ۔ یہاں خباثت سے مراد زنا پسندی ہے ۔

۲ ۔ جو زناکار لوگ ہیں وہ ایسی ہی عورتوں کو تلاش کرتے ہیں ۔ اگر کوئی پاکدامن عورت ہے وہ کبھی ایسے مرد کو پسند نہ کرے گی جو زناکار ہو ۔ اسی طرح کوئی مرد صالح اس عورت کو پسند نہ کرے گا جو بدکار ہو ۔ اور اگر بدقسمتی سے ان کا جوڑا مل جائے تو ان میں نباہ مشکل ہو گا ۔

۳ ۔ زانی مرد کو مومنہ عفیفہ سے شادی کرنے کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ بدکار یا مشرکہ عورتوں سے شادی کریں ۔ اسی طرح زانیہ عورت کو مومن پاکباز کے عقد میں نہیں جانا چاہیئے بلکہ وہ اپنے جیسے مردوں ہی کی صحبت میں رہنے کی زیادہ سزاوار ہے ۔

۴ ۔ عہدِ رسالت میں چونکہ چند مرد اور چند عورتیں زانی تھیں لہٰذا مؤمنوں کو ان کے ساتھ رشتے ناطے کو منع کیا گیا تاکہ معاشرہ میں گندگی نہ پھیلے ۔ تاکیداً ایک ہی مضمون کو دوبار بیان کیا گیا ہے ۔ اس طرح پاکدامن عورتیں پاکدامن مردوں سے تعلق رکھیں اور پاکدامن مرد پاکدامن عورتوں سے ۔

۵ ۔ بُرے مرد بُری باتوں کے لیے موزوں ہیں اور اچھے مرد اچھی باتوں کے لیے ۔ اسی طرح بُرے لوگ بُری باتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نیک لوگ نیک باتوں کی طرف ۔

۶ ۔ یہاں ایک فطری حالت کا اظہار کیا گیا ہے جو مرد زناکاری اور بداطواری کی گندگی میں ملوث ہوں وہ کبھی

ایسی عورت سے شادی پسند نہیں کرتے جو نماز گزار، عبادت گزار اور اپنے ایمان کی نگہداشت کرنے والی ہو۔ ایسی عورت سے اس بدکار کی طبیعت میل ہی نہ کھائے گی اور اسی طرح ایک نکوکار مرد کسی بدکار عورت سے اپنا تعلق پیدا نہ کرنا چاہیے گا اور اگر یہ انمل بے جوڑ تعلق ہو جائے تو نتیجہ خراب ہوگا۔ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

چہ عجب گر فرو رود نفسش   عندلیب غراب ہم قفسش

ایسی بے جوڑ شادیاں ہمیشہ مبنی بر طلاق ہوتی ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک ضروری بات اور کہی جا رہی ہے۔ اہلِ ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ کسی کے گھر میں بلا جازت نہ گھس پڑو۔ نہ معلوم اس گھر کی خواتین کس حال میں بیٹھی ہوں۔ ممکن ہے تمہاری بد نظر کسی پر پڑ جائے اور پھر تم اس سے ناجائز تعلقات پیدا کرنے پر آمادہ ہو جاؤ یا اسی قسم کا کوئی اور فتنہ اُٹھ کھڑا ہو۔ بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے داخلہ کے لیے گھر والوں سے اجازت لے لو اور یہ کہ پہلے سے تمہارے ان کے صاحب سلامت بھی تو ہو۔ کسی اجنبی کے گھر میں بے اجازت داخل ہو جانا ایک اخلاقی جرم ہے۔

یہ گھر چاہے اپنے کسی رشتہ دار کا ہو یا اجنبی کا۔ بعض نے تُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ کا یہ مطلب لکھا ہے کہ داخل ہونے پر گھر والوں کے اُوپر سلام کرو یعنی السّلام علیکم کہو۔

کسی نے حضرت رسولِ خداؐ سے پوچھا کیا ماں کے پاس جانے کے لیے بھی اجازت کی ضرورت ہے۔ فرمایا: ہاں! اُس نے کہا، میرے سوا کوئی خدمت کرنے والا نہیں تو کیا ہر دفعہ اجازت لوں؟ فرمایا، کیا تُو چاہتا ہے کہ اس کے ننگے بدن پر نگاہ کرے۔ اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا، تو اجازت لے کر جایا کرو۔

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ باپ کو بیٹے کے یہاں جانے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں لیکن بیٹے کو ہے۔

اگر تم کسی ایسے گھر میں داخل ہونا چاہتے ہو جس میں گھر والے موجود نہیں تو مت داخل ہو جب تک گھر والے نہ آجائیں اور تمہیں داخلہ کی اجازت نہ دیں۔ اگر تم بے اجازت داخل ہو گئے ہو اور وہ کہیں کہ گھر سے نکل جاؤ تو فوراً باہر آجانا چاہیے پس و پیش کی ضرورت نہیں۔

ہاں اگر غیر آباد گھر میں جاؤ اور وہاں تمہارا کچھ سامان رکھا ہے تو بے شک بے اجازت جا سکتے ہو۔

غور کیجئے اسلام نے حفظ ناموس کے لیے کتنی احتیاط ملحوظ رکھی ہے مگر افسوس ہے کہ اب یہ سب حدود منہدم کر دیئے گئے اور معمولی تعلقات والے گھروں میں بے دھڑک گھسے چلے آتے ہیں جس کے نتائج آنکھوں کے سامنے ہیں۔ احتیاط کے دروازے بند ہو کر بے حیائی کے دروازے کھل گئے ہیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ

أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ
يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ
إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ
زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ
أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي
أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ
غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ
عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ
زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾

(اے رسول) مؤمنین سے کہدو کہ اپنی نظروں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لیے پاکیزگی (نفس) کی بات ہے۔ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے۔ اور اے رسول، ایماندار عورتوں سے بھی کہدو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار (کے مقامات) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے (اُس کا گناہ نہیں) اور اپنی اوڑھنیوں کو (گھونگھٹ مار کے) اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں یا اپنے باپ داداؤں یا اپنے شوہر کے باپ

داداؤں یا اپنے بیٹوں یا شوہر کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی قسم کی عورتوں یا اپنی لونڈیوں یا (گھر کے) وہ نوکر چاکر جو مرد صورت ہوں (مگر بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے) عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا وہ کم سن لڑکے جو عورتوں کے پردہ کی بات سے آگاہ نہیں۔ اور نہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح رکھیں کہ لوگوں کو اُن کے پوشیدہ بناؤ سنگھار (جھنکار وغیرہ) کی خبر ہو جائے اور اے ایماندارو، تم سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

یہ بھی زنا سے بچانے اور ناموس کا تحفظ کرنے کا ایک حصّہ ہے۔ مردوں اور عورتوں سے کہا جا رہا ہے کہ جب تم راستہ میں چلو یا مرد و عورت کسی جگہ آمنے سامنے ہوں تو دونوں کو چاہیئے کہ اپنی اپنی نگاہیں نیچی کرلیں۔ فطرت کے رازدار جانتے ہیں کہ نگاہ میں ایک جادو ہے جو محبت کو اس طرح کھینچتا ہے جیسے مقناطیس لوہے کو۔ جوان عورت و مرد کی نظر ملتے ہی دونوں کے دلوں پر جو گزرتی ہے اس کو دل والے ہی جانتے ہیں عشق و محبت کی بنیاد انہی نگاہوں کے غیر محسوس لطیف تاروں پر رکھی جاتی ہے۔ یہ جادو دونوں دلوں میں اوّل تو اضطرابی کیفیت پیدا کرتا ہے پھر رفتہ رفتہ یہ جنوں کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا اس کی روک تھام کے لیے قدرت نے یہ احتیاطی تدبیر بیان فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ اب اس عقلی اور فطری احتیاط کو نہایت بے پرواہی کے ساتھ پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ عورتیں جی بھر کے مردوں کو دیکھتی ہیں اور مرد عورتوں کو، جب تک آیہ حجاب نازل نہ ہوئی تھی زناکاری لوگوں کا محبوب مشغلہ بنی ہوئی تھی۔ لیکن جب پردہ کا حکم ہوا تو یہ شیطانی طوفان ایک بڑی حد تک رُک گیا تھا۔ اہلِ مغرب کی تقلید نے عورتوں کو بے حجاب کر کے اسلام پر ایسا ظلم کیا کہ بے شمار عفتیں نہایت بے باکی سے لُوٹی جا رہی ہیں۔

نگاہوں کی تڑپ سے بچانے کی تعلیم کے بعد دوسری احتیاط قدرت نے یہ بتائی کہ عورتیں دوپٹوں سے اپنے سینوں کو چھُپائے رہیں۔ کیونکہ چہرہ کے بعد مرد کی نگاہ عورت کی چھاتی پر جاتی ہے۔ اور اس کے بعد شیطانی وسوسوں کی مرد کے دل میں آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور پھر جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ احتیاط بھی ختم ہوگئی۔ اب دوپٹہ ایک مفلر کی طرح گلے میں ڈال لیا جاتا ہے۔ تیسری احتیاط اس سلسلہ میں یہ تھی کہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کسی نامحرم کو نہ دکھائیں۔ ہاں جو چیزیں نہ چھپ سکیں ان کے لیے مجبوری ہے جیسے پاجاموں کے پائنچے کی گوٹ یا چادر کے کنارے۔ برقع اس لیے رکھا گیا تھا کہ زینت کی ہر چیز چھپی رہے لیکن مسلمانوں کی بدنصیبی سے وہ بھی اُٹھ گیا اور جو کہیں کہیں رہ گیا ہے وہ لباس کے لیے گرد پوش کی حیثیت سے ہے نہ کہ بناؤ سنگھار چھُپانے کے لیے۔ غرض ساری احتیاطی تدابیر ختم ہوگئیں۔ نتیجہ چاہے بُرا نہ نکلے مگر حکمِ خدا کی نافرمانی بذاتِ خود ایک بُرائی ہے۔ دروازے تو گھروں میں اس لیے لگائے جاتے ہیں کہ چور گھر میں داخل نہ ہو لیکن اگر اس پر بھی داخل ہو جائے تو مجبوری قابلِ معافی ہے۔ تمام اسلامی ممالک سے پردہ اُٹھ گیا اور جہاں ہے

وہاں سے اٹھتا جا رہا ہے۔ اب کوئی پردہ کی حمایت میں ایک لفظ سننا گوارا نہیں کرتا اور آیات کی عجیب و غریب تاویلیں کر کے یا مجبوریاں ظاہر کر کے بے پرواہی سے اس کے فوائد کے فتوے دیئے جاتے ہیں۔

مرد کی نظر اگر اچانک کسی عورت کے چہرے پر پڑ جائے تو گناہ نہیں لیکن بدنظر سے لذّتِ نفس کے لیے دیکھنا گناہ ہے۔ کہا جاتا ہے، حج میں عورت کا چہرہ کھُلا رہتا ہے لیکن وہاں کوئی اس کی طرف دیکھنے والا ہی نہیں ہوتا۔ عورت کے چہرہ پر نظر کر کے کون کفارہ دے، کون اپنا حج ناقص بنائے لہٰذا وہاں مرد کسی عورت کی طرف نظر بھر کر دیکھتے ہی نہیں۔ ہاں یہود و نصارٰی کی عورتیں جو بے پردہ گھُومتی پھرتی ہیں۔ ان کی طرف نگاہ کرنا گناہ نہیں مگر بدنظر ڈالنے سے گریز کی جائے۔

یہ سب کچھ اس لیے کہا ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے لیے شیطان کے جال ہیں۔ البتہ نیک نیتی سے کسی عورت کا مرد پر نظر کرنا گناہ نہیں لیکن اس نیک نیتی کا قائم رہنا بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے۔ اور ایک ہلکا سا شرارہ ایسا شعلہ بھڑکاتا ہے کہ بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ مرتے دم تک بجھتا ہی نہیں۔ مُلکی قوانین اور دفاتر کی پابندیاں اب کچھ ایسی ہوگئی ہیں کہ مرد سارے دن گھر سے باہر رہتا ہے اگر عورت گھر سے باہر نہ نکلے تو گھر کی ضروریات کیسے پوری ہوں۔ غریب آدمی نوکر رکھ نہیں سکتا۔ یہ سچ ہے لیکن عورتیں برقع میں نکل کر بھی یہ ضرورتیں پوری کر سکتی ہیں جیسا کہ محتاط عورتیں کرتی ہیں۔ بہرحال جتنی احتیاط ممکن ہو اتنی تو کی جائے۔ مجبوری کو خدا دیکھتا ہے وُہ معاف کرنے والا ہے۔

جو لوگ مغربی ممالک میں ملازمت کی غرض سے جاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر ہم اپنی بی بیوں کو برقع پوش بنا کر گھروں سے نکالیں تو وہ سو منکٹوں میں ایک ناک والے کی مثال قرار پاتی ہیں۔ جہاں ایک حمام میں سب ہی ننگے ہوں وہاں ایک ستر پوش کی کھلّی نہ اُڑے گی تو کیا ہوگا۔ ان سے عرض ہے، بے شک آپ کا کہنا درست ہے لیکن اگر مسلمان طے کرلیں کہ ہم برقع میں نکالیں گے تو دوسروں کو پتہ چل جائے گا کہ مسلمانوں میں یہ رسم ہے وہ اس کو توڑ نہیں سکتے تو یہ مضحکہ خیزی ختم ہو جائے گی۔ مقصد یہ ہے کہ شریعت کا حکم تو بدلا جا نہیں سکتا۔ رہا عمل تو اس کا بخشنا نہ بخشنا خدا کے اختیار میں ہے۔

سکھّوں کو دیکھو وہ اپنی مذہبی رسم کے مطابق سر پر کیس بھی رکھتے ہیں اور پگڑی بھی باندھتے ہیں اور داڑھی رکھتے ہیں کرپان بھی باندھتے ہیں اور اس طرح ملکوں ملکوں میں گھومتے ہیں۔ سب جانتے ہیں یہ ان کی مذہبی چیزیں ہیں لہٰذا کوئی مذاق نہیں اُڑاتا۔ اگر سب مسلمان اس پر متفق ہو جائیں کہ ہم فرمانِ الٰہی کے مطابق اپنی عورتوں کو برقع پوش ہر جگہ لے جائیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کا مذاق اُڑایا جائے۔

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ ؕ اِنۡ

يَكُونُوا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ
الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِينَ
يَبْتَغُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ
خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ
عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ
يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۳﴾

جو لوگ تم میں بے بیاہے ہیں اور جو نیک بخت غلام یا لونڈیاں ہیں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں مالدار بنا دے گا اور اللہ تو بڑی گنجائش والا واقف کار ہے اور جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے ان کو چاہیئے کہ پاکدامنی اختیار کریں یہاں تک کہ خدا ان کو اپنے فضل و کرم سے مالدار بنا دے۔ تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو مکاتب ہونے کی خواہش کریں تو تم اگر ان میں کچھ صلاحیت دیکھو تو مکاتب کر دو اور خدا کے مال سے جو اس نے تمہیں دیا ہے ان کو بھی دو۔ اور تمہاری لونڈیاں جو پاکدامن رہنا چاہتی ہیں ان کو دُنیاوی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے کے لیے حرام کاری پر مجبور نہ کرو اور جو انہیں مجبور کرے گا تو خدا ان کی بے بسی کے بعد بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

آیامٰی، ایّم کی جمع ہے۔ ہر اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جو غیر شادی شدہ ہو۔ عورت ہو یا مرد غلام ہو یا کنیز اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ ان کو غنی کر دے گا اس کے یہ معنی نہیں کہ شادی کرتے ہی ان کے گھر میں ہُن برسنے لگے گا یا کوئی خزانہ ان کے لیے اُبل پڑے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ گھر میں عورت کے آجانے سے نظام خانہ داری درست ہو جائے گا۔ عورت مرد کی آمدنی کو کفایت شعاری سے خرچ کرے گی۔ آمدنی کے اضافہ میں مدد دے گی۔ اکثر عورتیں جہیز بھی خاصہ لے آتی ہیں یہ بھی امکان ہے کہ انہیں اپنے میکے سے میراث میں کچھ حصہ مل جائے۔

جن لوگوں کی مالی حالت کمزور ہے اور اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ شادی کرنے کے بعد عورت کے اخراجات برداشت کر سکیں انہیں چاہیئے کہ پاکدامنی سے اتنا وقت گزاریں کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے ان کی مالی حالت درست کر دے۔

اگر تمہارے غلام یا کنیز تمہیں کچھ روپیہ قسط وار دیتے رہیں کہ اُس کے بعد ان کو آزاد کر دو گے تو اسے قبول کر کے اسے مکاتب بنا دو۔ اس کی دو صورتیں ہیں، اوّل یہ کہ جتنا روپیہ ادا کیا جائے اتنا آزاد ہوتا جائے۔ اُسے مکاتب مطلق کہتے ہیں۔ دوسرے جب تک کل رقم ادا نہ کرے گا آزاد نہ ہوگا اسے مکاتب مشروط کہتے ہیں لیکن یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ آوارہ تو نہیں اور رقم ادا کرنے میں ہٹ دھرمی سے تو کام نہ لے گا تو اُسے مکاتب بنا دو۔ کیونکہ خدا ہر مسلمان کو آزاد پسند کرتا ہے۔ اور یہ بھی تم پر فرض ہے کہ جو رقم طے ہوئی ہے اس میں سے کچھ معاف کر دو۔ حضرت علی علیہ السلام غلاموں کو ۴/۱ رقم معاف کر دیا کرتے تھے۔ اور عام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اگر غلام مکاتب ان سے مدد طلب کرے تو جو مال خدا نے ان کو دیا ہے اس میں سے اس کی حاجت برآری کریں۔

جو کنیزیں پاکدامن زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں آقاؤں کو جائز نہیں کہ انہیں خرچ کمانے پر مجبور کریں لیکن اگر کوئی کنیز بدکاری کی مرتکب ہو تو اس کی ذمّہ داری اس کی ذات پر ہے لیکن اگر مالک قحبہ گری پر مجبور کرے گا تو مالک اس کا ذمّہ دار ہوگا اور یہ رقم اس کے لیے جائز نہ ہوگی۔ ایسی صورت میں کنیز کا گناہ خدا بخشنے والا ہوگا۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۴﴾ ع

ہم نے تمہاری طرف روشن آیات کو نازل کر دیا اور ان حالتوں کو بھی بیان کر دیا جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں یہ متقیوں کے لیے نصیحت بھی۔

زنا، افترا پردازی اور بے پردگی سے سابق قوموں پر جو مصیبتیں نازل ہو چکی ہیں تمہیں ان واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ حقیقتاً ہماری اس نصیحت سے صرف وہی لوگ فائدہ حاصل کریں گے جو متقی و پرہیزگار ہیں۔ بے احتیاط اور لااُبالی لوگوں کے اوپر کیا اثر ہوگا۔ وہ اپنی رائے و قیاس سے کام لے کر ہمارے احکام سے منہ موڑ لیں گے۔ لیکن وہ یاد رکھیں اور سمجھ لیں کہ افعال کے نتائج رائے اور قیاس کے ہٹائے سے ہٹتے نہیں۔

اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ

فِیْ زُجَاجَةٍؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (۳۵) فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ (۳۶) رِجَالٌۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ (۳۷) لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (۳۸)

اللہ آسمان و زمین (تمام کائنات کا) نور ہے۔ اس کے نور کی مثال اس طاق کی سی ہے جس کے اندر چراغ ہو اور وہ چراغ ایک شیشہ کے اندر ہو اور وہ شیشہ روشن ستارہ کی طرح چمکتا ہو۔ اور وہ چراغ درخت مبارک زیتون (کے تیل) سے روشن کیا گیا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی اور وہ تیل ایسا (روشن و شفّاف) ہو کہ اگر آگ اُسے چھوئے بھی نہیں تو ایسا معلوم ہو کہ آپ ہی آپ روشن ہو جائے گا۔ غرض نور ہی نہیں بلکہ نور پہ نور کی جوت پڑ رہی ہے۔ خدا اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ خدا لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے اور (وہ چراغ) ان گھروں میں روشن ہیں جن کی تعظیم کا خدا نے حکم دیا ہے ان میں اللہ کا

نام لیا جاتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تو تجارت غافل کر سکتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں خوف کے مارے دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی (اس کی عبادت اس لیے کرتے ہیں) کہ خدا ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے کچھ اور زیادہ بھی دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

ان آیات میں مفسرین کا بہت کچھ اختلاف ہے ہم ان سب سے قطع نظر کر کے صرف وہ تفسیر لکھتے ہیں جو ہمارے آئمہ سے منقول ہے۔ اللہ آسمان و زمین کا نور ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آسمان و زمین یعنی ساری کائنات کا روشن کرنے والا ہے۔ یہ نہیں کہ آسمان و زمین کے اندر محدود ہے۔ کوئی حلقہ کوئی دائرہ کوئی مخلوق اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اب وہ اپنے روشن کرنے کی یعنی لوگوں کو ہدایت کرنے کی ایک مثال بیان کرتا ہے۔ ایک طاق ہے (یعنی سینۂ رسالتؐ) اس میں ایک چراغ ہے یعنی نبوت۔ اور یہ چراغ ایک شیشہ کے اندر ہے یعنی اس روشنی کی حفاظت اس شیشہ سے ہوتی ہے جس سے مراد ہے امامت۔ جس طرح چراغ کو ہوا کے جھونکوں سے بچانے کے لیے چراغ پر فانوس لگایا جاتا ہے اس طرح امامت اس چراغِ نبوت کو کفّار و مشرکین کے حملوں سے بچاتی ہے۔ فانوس سے ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ چراغ کی روشنی میں زیادہ چمک پیدا ہو اور یہ چراغ جس تیل سے روشن کیا گیا ہے وہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔ اس سے مراد یہ ہے آنحضرتؐ نسلِ ابراہیمی سے ہیں جو نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ یہودی کہتے ہیں ابراہیمؑ ہم میں سے تھے یعنی یہودی تھے۔ نصرانی کہتے تھے ہم میں سے تھے یعنی نصرانی تھے۔ خدا کہتا ہے وہ سچے مسلمان تھے نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ سے مراد یہ ہے کہ حفاظتِ شریعتِ نبویؐ کے لیے شیشہ پر شیشہ لگا ہوا تھا یعنی بارہ امام اس کے محافظ تھے۔ گویا نور پہ نور چڑھا ہوا ہے۔ اب اس مثال کی اور زیادہ وضاحت کی جاتی ہے کہ یہ چراغ ایسے گھروں میں روشن ہے جو عظمت و احترام والے گھر ہیں اور جن میں ہمیشہ خدا کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور صبح و شام اس کی تسبیح ہوا کرتی ہے۔ یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ کا گھر۔ اس کے بعد اور وضاحت کی جاتی ہے کہ اس مثال کے مصداق وہ لوگ ہیں جن کو ذکرِ خدا سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت روکتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ تمام مسلمانوں کی طرح نہیں ان کے درجات بہت بلند ہیں وہ اس دن (قیامت) سے ڈرتے ہیں جس میں خوف کے مارے لوگوں کے دل اور آنکھیں پلٹ جائیں گی جو اس باختہ ہو جائیں گے۔ یہ نیک اعمال ہی اس لیے کرتے ہیں کہ روزِ قیامت انہیں بہتر سے بہتر جزا ملے۔ اور خدا اپنے فضل و کرم سے ان کے اجر میں اور زیادتی کرے۔

ــــ لوگوں نے اس کے علاوہ جو تفسیریں بیان کی ہیں وہ ان آیات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

لفظ نُور کے بارہ میں بھی لوگوں کا بڑا اختلاف ہے عموماً کہا جاتا ہے کہ نور وہ ہے جو اپنی ذات

میں روشن ہوا اور دوسرے کا روشن کرنے والا ہو لیکن یہ حقیقت نہیں صفت ہے۔ اس کی حقیقت تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ خدا کی سب سے پہلی مخلوق نورِ محمدؐی ہے۔ جیسا کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب حضورؐ اوّل مخلوق تھے تو تھے کہاں؟ جواب یہ ہے کہ کہاں اور کب کا سوال اُس کے لیے ہے جو عالمِ امکان کے اندر ہو۔ اور جہات میں محدود ہو۔ لیکن چونکہ نورِ محمدؐی جہات کے پیدا ہونے سے پہلے خلق ہوا تھا لہٰذا اس کے متعلق یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ وقت اور مکان دو چیزوں کے درمیان کسی چیز کی حرکت سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً سورج جب نصف النّہار پر آتا ہے تو آپ کہتے ہیں بارہ بجے ہیں۔ پس اگر سورج کا مشرق اور خطِ استوانہ ہو تو آپ وقت معلوم نہیں کر سکتے۔ یہ تو مادے کے مکان و زماں کے اصول ہیں آپ اس کو نوری دُنیا میں کیوں تلاش کرتے ہیں وہاں کے اصول آپ کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتے کیونکہ آپ کی عقل جہات کے اندر ہی چکّر کھا سکتی ہے۔ کنوئیں کی مینڈک کیا جانے کہ سمندر کتنا بڑا ہے اور اس کی حدود کہاں تک ہیں۔

یونانی فلاسفروں کا نظریہ یہ تھا کہ دنیا مادہ کے اجزائے لایتجزیٰ سے بنی ہے۔ اس نظریہ کے تحت وہ مادہ کو قدیم مانتے تھے اور اجزائے لایتجزیٰ مادہ کے وہ جز سمجھے جاتے تھے جن کا تجزیہ نہ ہو سکے یعنی ایٹم۔ لیکن جدید سائنس نے یہ ثابت کر دیا کہ اجزائے لایتجزیٰ کو بھی توڑا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب ایسے کسی جز کو توڑا جاتا ہے تو بجلی کی دو شعاعیں نکل کر اس کے وجود کا خاتمہ کر دیتی ہیں یعنی جب بجلی کی دو شعاعیں مل جاتی ہیں تو ایک مادی جز بن جاتا ہے۔ اس عمل سے یہ پتہ چلا کہ جس چیز سے کائنات بنی ہے اس کی اصل مادہ نہیں ہے بلکہ برقی یعنی نورانی شعاعیں ہیں انہی کے عمل سے مادہ کے ذرّات بنے اور ان ذرّات سے تمام کائنات وجود میں آئی۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ اوّل مخلوق نورِ محمدؐی ہے تو حضورؐ کے اس قول پر بھی نظر ڈالیے اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ (میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں)۔ برقی قوت نام ہے دو شعاعوں کا مثبت و منفی۔ ورنہ ایک شعاع کوئی چمک پیدا نہیں کر سکتی نہ کوئی قوت کہلا سکتی ہے جب تک دو شعاعیں مل کر کام نہ کریں۔ پس اب بات صاف ہو گئی۔ یہ کائنات نورِ محمّدؐ و علیؑ کی وجہ سے ظہور میں آئی۔ بنیاد تمام کائنات کی نورِ محمّدؐ و علیؑ ہے اگر یہ نہ ہوتے تو کچھ بھی خلق نہ ہوتا۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ (اے محمّدؐ، اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا)۔ یعنی افلاک کا وجود تمہارے بعد ہے۔ افلاک کے بعد رفتہ رفتہ تمام مخلوق وجود میں آتی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ نورِ اولینؐ کو تمام مخلوق پہچانتی ہے اور ان کی تعظیم بجا لاتی ہے۔

جس طرح یہ عالمِ مادی ہے اسی طرح ایک عالمِ نُور بھی ہے اس کی خصوصیات عالمِ مادی سے جداگانہ ہیں۔ لہٰذا ہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم تو ابھی تک عالمِ مادی کو بھی نہیں سمجھ سکے عالمِ نُور کو کیا سمجھیں گے لہٰذا اس کے متعلق عقل لڑانی بے سُود ہے۔ عرشِ الٰہی بھی اس عالمِ نُور کی ایک مخلوق ہے۔ نورِ محمدؐی اس کے تحت تسبیح و تقدیسِ الٰہی کرتا تھا، جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے، کُنَّا اَشْبَاحًا مِنْ نُوْرٍ تَحْتَ عَرْشِ اللّٰہِ

نُسَبِّحُہٗ وَنُقَدِّسُہٗ۔ (ہم ایک نورِ قدیم کا پرتو تھے عرشِ الٰہی کے نیچے تسبیح و تقدیس کرتے تھے)۔ اور جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا یہ نُور خلقتِ آدم سے چودہ ہزار برس پہلے پیدا ہُوا تھا جبکہ عالمِ نور کا ایک دن ہماری دُنیا کے ایک ہزار برس کے برابر ہوتا ہے۔ ہے کسی محاسب کے قلم کی طاقت کہ اس کا شمار کر سکے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّـجِّىٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

ع ۵
۱۱

جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان کا چمکتا ہوا ریت جسے پیاسا دُور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس آتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا (اور پیاسا تڑپ کر مر جاتا ہے) اور اس نے خدا کو اپنے پاس موجود پایا خدا نے جس کا حساب چکا دیا اور خدا تو بہت جلد حساب کرنے والا ہے یا (کافروں کے اعمال کی مثال) اس بڑے گہرے سمندر کی تاریکیوں کی سی ہے جس کے اُوپر ایک موج اس پر دوسری موج اس کے اوپر بادل (تہ بہ تہ) غرض تاریکیاں ہیں کہ ایک دوسرے پر اُمڈی چلی آتی ہیں کہ اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو (شدّتِ تاریکی سے) اُسے دیکھ نہ سکے اور جسے خود خدا

ہی نے ہدایت کی روشنی نہ دی ہو اس کے لیے کہیں کوئی روشنی ہی نہیں۔ کیا تُو نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ جتنی مخلوق آسمان وزمین کے درمیان ہے اور پرندے پر پھیلائے اُسی کی تسبیح کرتے ہیں۔ سب کے سب اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ خوب جانتے ہیں اور جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے آسمان وزمین کی سلطنت سب اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یہاں کفّار کے اعمال کی دو مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی مثال سَراب کی ہے کہ دُور سے تو وہ پانی معلوم ہوتا ہے لیکن پاس جاؤ تو کچھ بھی نہیں۔ پیاسا ایک قطرہ وہاں سے نہیں پاسکتا۔ کفّار کی ظاہری تزک بھڑک سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت معقول لوگ ہیں ان کے اعمال بہت اچھے ہیں لیکن حقیقت میں وُہ کچھ بھی نہیں۔ ان کے اعمال کا کوئی اجر نہیں، کفر نے سب پر پانی پھیر دیا۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن کی بداعمالیوں کی تہ پرتہ جمی چلی جاتی ہے چاہے وہ کیسے ہی رفاہِ عام کے کام کرتے ہوں مگر ان کے کفر کی وجہ سے سب کے سب بے اجر رہیں گے۔ خدا کی سرکار سے ان کو کوئی اجر نہ ملے گا کیونکہ کفر کی تاریکیاں تہ بہ تہ اس پر اس طرح چھائی ہوئی ہیں جیسا قرآن نے بیان کیا ہے۔ پھر ایسے لوگوں سے ایمان لانے کی کیا اُمّید ہوسکتی ہے۔ آج کل کی دنیا میں سائنس دانوں کے کام تو لوگوں کو بڑے محیّر العقول نظر آتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے کرتے مرے جاتے ہیں مگر خلّاقِ عالم کی صنعتوں پر نظر نہیں کرتے۔ ہوائی جہاز ہوا میں اُڑتا ہے، تو کہتے ہیں واہ واہ، اس کے صانع نے کیا کام کیا ہے کہ عقل حیران ہے لیکن کبھی اس خدا کی تعریف نہیں کرتے جس نے بے شمار پرندے ہوا میں اُڑا رکھے ہیں اور جن کو دیکھ کر آدمی نے ہوائی جہاز بنایا ہے۔ جتنی مشینیں آج دنیا میں کام کر رہی ہیں یہ سب خدا کی صنعت کی رہینِ منّت ہیں، انہی کو دیکھ کر تو ہر مشین بنائی گئی ہے۔ اگر وہ خدا کی صنعتوں کو سمجھتے تو پھر اس کے وجود سے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ہر جانور اپنے خالق کو پہچانتا ہے اور اس کی حمد کی تسبیح کرتا ہے لیکن اسے نہیں پہچانتا تو یہ کافر انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ پرندوں کی تسبیح کیسے سمجھی جائے تو جواب یہ ہے کہ علمِ منطق الطیر پہلے حاصل کرو ورنہ اپنے اور اُن کے خالق کے فرمانے پر ایمان لاؤ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُکَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ

یَّشَآءُ ؕ یَکَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو چلاتا ہے پھر وہی اسے باہم جوڑتا ہے پھر اُسے تہ بہ تہ رکھتا ہے پھر بارش اس کے درمیان سے پھُوٹ نکلتی ہے اور آسمان میں جو (جمع شدہ بادلوں کے) پہاڑ ہیں ان میں سے وہی برساتا ہے پھر انہیں جس کے (سر) پر چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی کوند آنکھوں کی روشنی اُچک لے جائے۔ خدا ہی رات اور دن کو پھیر بدل کرتا رہتا ہے بیشک اس میں آنکھ والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔

پہاڑوں سے مراد سردی سے جمے ہوئے بادل ہوسکتے ہیں جو اُولے گراتے ہیں۔ یہ بادل اپنی قدرت سے جس جگہ چاہتا ہے برساتا ہے کس میں یہ طاقت ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے بارش کرائے۔ یہ بھی اسی کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ پانی کے دامنوں میں آگ لگا دیتا ہے۔ یہی پانی جب تک دریاؤں اور سمندروں میں رہتا ہے چاہے کیسا ہی سیلاب آئے کیسا ہی طوفان برپا ہو بجلی کی چمک اس میں کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اوپر جاتے ہی حالت بدل جاتی ہے، کھاری پانی میٹھا ہو کر برستا ہے، بجلیوں کی تڑپ پیدا ہو جاتی ہے، رعد کی گرج سُنائی دیتی ہے بہت امراض کا یہ پانی علاج بن جاتا ہے۔ صدف کے منہ میں جاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے۔ سانپ کے پیٹ میں جاتا ہے تو زہر ہو جاتا ہے۔ شہد کی مکھی کے پیٹ میں جا کر شہد کی صورت اختیار کرتا ہے۔ ریشم کے کیڑے کے دہن سے نکلتا ہے تو ریشم کا تار نظر آتا ہے۔ سُبحانہٗ ما اعظم شانہٗ۔

وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾

اللہ نے زمین پر چلنے والے جانوروں کو پانی سے پیدا کیا، ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں جن کو

چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور ہر شئے پر قادر ہے۔

ہر زمین پر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا ہے قدرت نے جانوروں کی درجہ بندی (Classification) اُن کے چلنے کے طریقہ پر کی ہے۔ کچھ پیٹ کے بل چلتے ہیں کچھ دو پاؤں پر اور کچھ چار پر۔ ماہرینِ علمِ حیوانات کے لیے لمحۂ فکر ہے جنہوں نے درجہ بندی ریڑھ کی ہڈی ہونے اور نہ ہونے پر کی ہے۔

جس جانور کے نظامِ حیات برقرار رکھنے کے لیے جو صورت مناسب سمجھی ہے وہ عطا فرمائی ہے۔ کسی کو اعتراض کا اس لیے حق نہیں کہ وہ رموزِ قدرت سے واقف ہی نہیں۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ﴿۴۹﴾ ؕ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

ہم نے روشن آیات کو نازل کیا اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت اختیار کی اس کے بعد ان میں سے ایک

گروہ (حکمِ خدا سے) منہ پھیر لیتا ہے یہ لوگ مومن نہیں ہیں اور جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ ان کے درمیان (جھگڑے کا) فیصلہ کر دیں تو ایک گروہ ان میں سے منہ پھیر لیتا ہے (اصل بات یہ ہے کہ) اگر حق ان کی طرف ہوتا تو گردن جھکائے (چپکے سے) رسول کے پاس دوڑے ہوئے آتے۔ تو کیا ان کے دل میں (کفر کا) مرض باقی ہے یا شک میں پڑے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مبادا خدا اور اس کا رسول ان پر ظلم کر بیٹھیں گے (یہ سب کچھ نہیں) بلکہ یہ لوگ ہیں ہی ظالم۔ ایمانداروں کا قول تو یہ ہے کہ جب ان کو خدا و رسول کے پاس بلایا جاتا ہے کہ ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کر دیں تو کہتے ہیں ہم نے سنا اور دل سے مان لیا اور یہی لوگ آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔

عہدِ رسالت میں منافقوں کا ایک پورا گروہ تھا جو سب کے سامنے تو یہ ظاہر کرتے پھرتے تھے کہ ہم اللہ و رسولؐ پر ایمان لائے ہیں۔ اور ان کے حکم کے ماننے والے ہیں لیکن ان کے دل میں چور تھا یہ جو کچھ کہتے تھے وہ اُن کے دل کی آواز نہ ہوتی تھی اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ جب ان کے درمیان کوئی باہمی جھگڑا ہوتا تھا اور رسولؐ اُن کو فیصلہ کے لیے بلاتے تھے تو جو فریق حق پر نہیں ہوتا تھا وہ اس خوف سے رسولؐ کے پاس نہیں آتا تھا کہ آپؐ اس کے خلاف فیصلہ دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل میں کفر کا مرض باقی ہے اور وہ رسولؐ کی صداقت اور اللہ و رسولؐ کے فیصلہ پر ایمان نہیں لائے۔ مومن کبھی ایسا نہیں کرتے۔ وہ جب کوئی مقدمہ رسولؐ کے سامنے لاتے ہیں تو ان کے فیصلہ پر راضی ہو جاتے ہیں اور جو حکم وہ دیتے ہیں بجا لاتے ہیں۔ آخرت میں فلاح پانے والے ایسے ہی لوگ ہیں۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۵۴﴾

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور خدا سے ڈرے اور پرہیزگاری اختیار کرے تو یہ لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں (اے رسول) ان (منافقوں) نے تمہاری اطاعت کے بارہ میں خدا کی سخت سے سخت قسمیں کھائی ہیں کہ تم اگر انہیں حکم دو تو بلا عذر (گھر چھوڑ کر) نکل کھڑے ہوں گے۔ تم ان سے کہہ دو قسمیں نہ کھاؤ تمہاری اطاعت کا حال معلوم ہے جو عمل تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ اے رسول کہہ دو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم منہ پھیرو گے تو (سمجھ لو) رسول پر جو بار رکھا گیا ہے وہ اس کا ذمّہ دار ہے اور تم پر جو بار رکھا گیا ہے اس کے تم ذمّہ دار ہو۔ اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور ہمارے رسول پر تو واضح طریق سے (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا فرض ہے۔

جس جھگڑے کا گزشتہ آیات میں ذکر ہے مفسرین کا اس میں اختلاف ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ بشر منافق اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہودی آنحضرتؐ کو یہ سمجھتے ہوئے کہ آپؐ کا فیصلہ برحق ہوگا حکم بنانا چاہتا تھا اور بشر کعب بن اشرف یہودی کو ثالث بنانے کا خواہشمند تھا اس کے دل میں یہ دُگدا تھا کہ شاید حضرتؐ یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ یہ جھگڑا حضرت علیؑ اور مغیرہ بن وائل کے درمیان تھا۔ مغیرہ حضرتؐ کو حکم بنانے پر راضی نہ تھا اس نے حضرتؐ کو ظالم کہا تھا۔

بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ سے ایک زمین خریدی تھی۔ اس میں پتھر نکل آنے کی وجہ سے واپس کرنا چاہا۔ حضرت علیؑ نے انکار کیا اور اپنا حکم رسولؐ کو قرار دیا اس پر حکم بن العاص نے حضرت عثمانؓ سے کہا تم اس کو نہ مانو کیونکہ رسولؐ اللہ اپنے چچا زاد بھائی کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ دیں گے۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِیْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِیْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

(مسلمانو) تم میں سے جو ایمان والے ہیں اور جنہوں نے اعمالِ صالحہ کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین کا اس طرح خلیفہ بنائے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور جس دین کو اُس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس پر ان کو پُوری قدرت دے گا اور ان کے خوفزدہ ہونے کے بعد ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا کہ وہ میری عبادت اطمینان سے کریں گے اور میرا شریک کسی کو نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد بھی انکار کرے تو ایسے لوگ بدکار ہیں۔

اس آیت کو آیۂ استخلاف کہتے ہیں اس کی تفسیر میں مسلمانوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے بعض لوگ اس سے خلافت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی حقانیت پر دلیل لاتے ہیں بعض خلافتِ اجتماعی کا برحق ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ہم شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ آیت ظہور قائم آلِ محمدؐ کے متعلق ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق ہم یہاں چند ضروری باتیں بیان کرتے ہیں

ـه اللہ کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو ایمان لانے والے اور عملِ صالح بجا لانے والے ہیں۔ اگر اس وعدہ کا تعلق عام مومنین و صالحین سے ہو تو آیت میں جو مضمون آگے بیان کیا گیا ہے اس کا حلیہ بگڑ کر رہ جائے گا۔ مومنین و صالحین کا ایک گروہ ہے جن کے مختلف طبقات و درجات ہیں لہٰذا یہ وعدہ صفِ اوّل کے مومنین و صالحین سے متعلق ہونا چاہیئے۔ ورنہ افضل کے ہوتے مفضول سے کوئی ایسا وعدہ کرنا صاحبانِ فضیلت پر ظلم ہوگا۔ آیت کا مضمون بتاتا ہے کہ یہ وعدہ ایسے مومنوں سے متعلق ہونا چاہیئے جن کے ایمان میں کسی وقت بھی جھول نہ آیا ہو نہ ہی سلوٹ پڑی ہو۔ اوّل سے آخر تک ایک ہی حالت پر رہے ہوں کسی مسئلہ دین میں کبھی کوئی ہلکا سا شک بھی ان کے دل میں پیدا نہ ہوا ہو۔ ایسے مومنین کاملین سوائے اہلبیتؑ رسولؐ مسلمانوں کے کسی طبقہ میں نہیں پائے جاتے۔ انہی مومنین کی ایک فرد یعنی علیؑ بن ابی طالب کے متعلق رسولؐ نے یومِ فتح خندق پر فرمایا، بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّهٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّهٖ انہی مومنین میں کی ایک فرد ہر زمانہ میں لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (پ۱۳) کی مصداق بنتی چلی آرہی ہے۔ رہے صالحین تو سوائے اہلبیتِ رسولؐ کوئی گروہ ایسا نہیں پایا جاتا جس کے اعمالِ صالحہ اوّل سے آخر تک بے دھبہ رہے ہوں۔ بے راہ روی کی ہلکی سی چھینٹ بھی ان کے دامنِ اعمال پر نہ پڑی ہو۔ جا بجا آیتوں میں صالح المومنین سے مراد امیرالمومنین علیہ السلام ہیں۔

پس تختِ شاہی پر بیٹھنے والے مسلمانوں میں چاہے کتنے ہی ہوں اور مشرق سے مغرب تک پرچم سلطنت کو لہرانے والے کوئی بھی ہوں یہ وعدہ ان سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایمان و عمل صالحہ کے دائرہ میں ان کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم نہ ہو، جب تک قرآن و حدیث دونوں سے ان کی عصمت کا ثبوت نہ ملتا ہو۔ جو لوگ عصمت کے دائرہ سے باہر نظر آئیں گے ایمان و عملِ صالح کی کمزوری کا امکان ان کی ذات سے کسی وقت جُدا نہیں ہو سکتا۔

ـه وعدۂ الٰہی یہ ہے کہ ان کو اُسی قاعدہ قانون کے تحت خلیفہ بنایا جائے گا جیسا اس نے پہلے بنایا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ استخلاف کن اصولوں کے تحت تھا۔

ہر رسول کا خلیفہ منصوص من اللہ ہوتا ہے۔ نبی یا رسول کو اپنا جانشین بنانے کا حق خدا نے کوئی حق نہیں دیا تھا

آیہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی (طٰهٰ ۲۰/۲۹-۳۰) سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اپنے خلیفہ یا جانشین کے لیے صرف سفارش کرسکتا ہے خود نہیں بنا سکتا۔ دوسرے کسی رسول کی خلافت اس کے خاندان والوں ہی سے مخصوص ہوتی ہے اور وہ بھی قریب ترین فرد سے۔ تیسرے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ کام امت کے سپرد کیا گیا ہو کہ تم جسے چاہو بنا لو۔

پس جبکہ قاعدہ مسلّم ہے تو وعدۂ الٰہی کسی ایسے شخص ہی سے متعلق ہوسکتا ہے، جو صاحب ایمانِ کامل ہو۔ صالحین کی ممتاز فرد ہو۔ رسولؐ کے خاندان والا ہو۔ خدا اور رسولؐ نے اس کو معیّن کیا ہو۔ اس کی خلافت پر نص ہو۔

وعدہ یہ ہے کہ دینِ اسلام پر پورا پورا تمکّن اس کو حاصل ہوگا جس سے یہ وعدہ کیا گیا ہے۔ پورا پورا اقتدار اس وقت حاصل ہوسکتا ہے جبکہ سوائے دینِ اسلام اور کوئی دین دُنیا میں پایا ہی نہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عہد مبارک سے آج تک کوئی وقت ایسا نہیں آیا کہ تمام ادیان مِٹ کر صرف دینِ اسلام ہی کا پرچم ہر خطۂ زمین پر لہرایا جا رہا ہو۔ ہر زمانہ میں ہر دین موجود رہا ہے۔ بودھ مت۔ ہندو دھرم۔ مذہب زرتشت۔ یہود و نصاریٰ دہریہ۔ زندیق میں سے کوئی مذہب بھی غائب نہیں ہوا۔ پھر کیسے مان لیا جائے کہ دینِ اسلام کو سطحِ زمین پر پورا پورا تمکّن حاصل ہوگیا ہو۔ اور اسلامی سلطنت کے سوا کوئی حکومت دُنیا میں قائم ہی نہیں رہی۔

یہ مبارک دَور سوائے ظہورِ قائمِ آلِ محمدؐ کوئی دوسرا دَور نہیں ہوسکتا۔ آپؑ ہی کے ظہور کے وقت مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک سوائے دینِ اسلام کے کوئی دوسرا دین پایا ہی نہ جائے گا۔ جیسے آبادیٔ زمین کے آغاز میں ایک ہی امّت تھی اس طرح آخر زمانہ میں بھی ایک ہی امت ہوگی۔ حسب فرمودۂ رسولؐ حضرت حجت قائم آلِ محمّدؑ تمام دُنیا کو عدل و داد سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اس کا نام ہے تمکن فی الدّین۔ اور یہ ہوگا وہ دَور یعنی استخلاف جو اسی قاعدہ کے تحت ہوگا جو انبیاءؑ و مرسلینؑ میں جاری رہا ہے حضرتؑ حجت منصوص من اللہ خلیفہ بھی ہیں اور رسولؐ کی اولاد بھی۔ ایک جگہ خدا نے فرمایا، هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ (الفتح ۴۸/۲۸)۔ (اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔) اس آیت کی رُو سے دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب آنا چاہیے۔ پس یہ پیش گوئی جواب تک پُوری نہیں ہوئی آخر زمانہ میں ظہورِ امامِ عصرؑ کے وقت ہی پوری ہوگی۔ یہ وہی وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰؑ جو بنی اسرائیل کے حجت آخر تھے آسمان سے اتریں گے اور حضرت حجت علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھیں گے۔

سب سے آخر میں کہا گیا ہے کہ خدا اس زمانہ میں خوف کو امن سے بدل دے گا تاکہ سب لوگ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت بے کھٹکے کریں ایسا وقت بھی ابھی تک نہیں آیا کہ مسلمان ہر خطۂ زمین پر بے خوف و خطر عبادت بجا لاتے رہے ہوں جہاں جہاں غیر مسلموں کی حکومتیں ہیں وہاں آزادی سے مسلمان عبادت نہیں کرسکتے۔ تاریخِ اسلام میں دیکھو کیسے کیسے ظلم ان پر ہوئے ہیں۔ ان کو عبادت سے روکا گیا ہے۔ ان کے عبادت خانے مسمار کیے گئے ہیں۔ شعائرِ اسلام کی بے حرمتی کی گئی ہے اور اب بھی کی جارہی ہے۔ لہٰذا عقلی اور نقلی فیصلہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا ہونا چاہیے کہ

برکاتیں ہر طرف ہوجائیں۔ دُنیا ظلم و تشدد کے دروازے بند ہوجائیں۔ شیر و بکری ایک گھاٹ پر پانی پینے لگیں۔ رُوئے زمین پر کہیں خدائے واحد کی عبادت کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ ہو۔ انشاءاللہ وہ زمانہ آنے والا ہے۔ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ۙ وَّنَرٰىهُ قَرِیْبًا۔ لوگ اسے دُور سمجھتے ہیں اور ہم بہت قریب۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝۵۷ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۵۸

ع ۱۴

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے رسول، تم یہ خیال نہ کرو کہ یہ کفّار زمین پر چل پھر کر ہمیں عاجز کر دیں گے (یہ خود عاجز ہوجائیں گے) ان کا ٹھکانہ تو جہنّم ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ اے ایمان والو، تمہارے لونڈی غلام اور وہ لڑکے جو ابھی بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو چاہیئے کہ (دن رات میں) تین بار تمہارے پاس آنے کی اجازت تم سے طلب کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر کو جب تم (گرمی کی وجہ سے) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں۔ ان کے علاوہ آنے میں نہ تم پر

اوقاتِ خلوت

کوئی الزام ہے نہ ان پر کیونکہ باقی اوقات ایک دوسرے کے پاس آیا جایا ہی کرتے ہیں۔ اللہ اپنے احکام کو یونہی کھول کر بیان کیا کرتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

کفار و مشرکین اِدھر اُدھر قبائل میں چکر لگا کر حضورؐ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا کرتے تھے لوگ جب یہ خبریں حضورؐ سے بیان کرتے تھے تو آپؐ پریشان ہوتے تھے۔ خدا تسلی دینے کے لیے فرماتا ہے کہ تم ان باتوں کا خیال ہی نہ کرو۔ یہ ہم پر غالب نہیں آسکتے۔

مذکورہ تین اوقات میں اس لیے بے اجازت آنے کو منع کیا گیا ہے کہ لوگ عموماً ان تین اوقات میں بے تکلفی سے کپڑے اُتار دیا کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں کسی کا بے اجازت آجانا لوگوں کو ناگوار ہوتا ہے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٩﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٦٠﴾

(اے ایماندارو) جب تمہارے بچے حدِ بلوغ کو پہنچ جائیں تو یہ بھی اسی طرح تم سے اذن حاصل کریں جس طرح ان کے قبل (بڑی عمر) والے (گھر میں آنے کی) اجازت لیا کرتے تھے۔ یوں ہی خدا اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ بڑا واقف کار حکیم ہے۔ اور بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کی خواہش نہیں رکھتیں وہ اگر اپنے کپڑے (دوپٹہ وغیرہ) اُتار کر (سر ننگا کرلیں) تو اس میں ان پر گناہ نہیں بشرطیکہ ان کو اپنا بناؤ سنگھار دکھانا مقصود نہ ہو اور اگر اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے۔

والقواعد من النّساء (بیٹھ رہنے والی عورتیں) ان سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جنہیں نکاح کی خواہش نہ رہی ہو اور جنہیں دیکھ کر لوگوں کے دل میں کوئی بدخواہش پیدا نہ ہو۔ ایسی عورتیں اگر گرمی کی وجہ سے اپنا دوپٹہ یا چادر اُتار دیں بشرطیکہ ان کو اپنی کوئی زینت دکھانا مقصود نہ ہو تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ زینت نہ دکھانے کی قید اس لیے لگا دی ہے کہ بصورتِ زینت معلوم ہوتا ہے کہ ابھی مردوں کو رجھانے کا جذبہ، چاہے وہ ہلکی ہی صورت میں ہو اس کے اندر باقی ہے۔

لَيْسَ عَلَي الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ ع

اس امر میں نہ تو اندھے آدمی کے لیے مضائقہ ہے نہ لنگڑے پہ الزام نہ بیمار پر کوئی گناہ نہ خود تم لوگوں پر کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ دادا نانا وغیرہ کے گھروں سے یا اپنی ماں دادی نانی وغیرہ کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اس گھر سے جس کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اور

اس میں بھی تم پر کوئی الزام نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ بس جب تم گھروں میں داخل ہو (اور وہاں کسی کو نہ پاؤ) تو خود اپنے اوپر سلام کر لیا کرو جو خدا کی طرف سے ایک پاکیزہ تحفہ ہے خدا اسی طرح اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

غور کیجیے اسلام نے محبت بڑھانے اور اتحاد قائم کرنے کے لیے کیا اچھا طریقہ تعلیم کیا ہے۔ جب معذور و مجبور لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں گے تو اوّل تو ان معذوروں کی ہمت افزائی ہوگی دوسرے تندرست و لتمند افراد کی تواضع و انکساری کا اظہار ہوگا۔

دوسرے رشتہ داروں کے پاس جا کر کھانا بھی باہمی ربط و ضبط کو بڑھائے گا اور رشتہ داری کے تعلقات مضبوط ہوتے جائیں گے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب کوئی گھر بند کر کے کسی دوسرے کے یہاں جانے لگے تو اپنے گھر کی کنجی اپنے پڑوسی کو کسی ضرورت کی بنا پر دے جائے، یہ بھی باہمی اعتماد اور صحّت مند تعلقات کا ایک طریقہ ہے۔ کنجی لینے والا اپنی دیانت کا ثبوت پیش کرتا ہے اور دینے والا ہمسایہ کی ذات پر پورے وثوق کا۔ قدیم عرب میں یہ دستور تھا کہ وہ الگ الگ کھاتے اور ہندوؤں کی طرح ایک جگہ مل کر کھانا برا سمجھتے تھے۔ اسلام نے اس رسم کو توڑ دیا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (٦٢)

ایماندار تو صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہوں اور جب کسی ایسے کام کے لیے جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہے رسول کے پاس جانا ہو تو بغیر ان سے اجازت لیے نہ جائیں۔ اے رسول جو تم سے اجازت لیتے ہیں وہی لوگ (دل سے) خدا اور اس کے رسول پر ایمان

بے اجازت رسولؐ کے پاس سے نہ جاؤ

لاتے ہیں۔ جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لیے تم سے اجازت مانگیں تو تم ان میں سے جن کو چاہو اجازت دے دیا کرو اور خدا سے ان کی بخشش کی دعا بھی کرو۔

ایمان کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی ضرورت سے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہو تو یوں ہی بے تأمل و توقف حضرتؐ کے پاس نہ جا بیٹھنا چاہیئے بلکہ حضورؐ سے آنے کی اجازت لینی چاہیئے۔ اسی طرح جب جانا ہو تو بھی بے اجازت اُٹھ کر نہ چل دینا چاہیئے۔ ان آداب کا لحاظ جنگ و صلح دونوں حالتوں میں ہونا چاہیئے۔
جنگِ اُحد سے ایک روز قبل حنظلہؓ بن عباس نے حضرتؐ سے اجازت لے کر عقد کیا اور دوسرے ہی دن باذنِ رسولؐ لڑائی میں شرکت کر کے شہید ہوئے۔ اسی کے بارہ میں آیت نازل ہوئی۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (٦٣) أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (٦٤)

ع ۴ ۱۵

اے مسلمانو، جس طرح تم میں سے ایک دوسرے کو نام لے کر بلایا کرتا ہے اس طرح رسول کا بلانا نہ سمجھو۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر (پیغمبر کے پاس سے) کھسک جاتے ہیں تو جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرتے رہنا چاہیئے کہ مبادا ان پر کوئی مصیبت آ پڑے یا ان پر دردناک عذاب نازل ہو خبردار جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے جس حالت میں تم ہو خدا خوب جانتا ہے اور جس دن یہ لوگ خدا کی طرف لوٹائے جائیں گے تو جو کچھ ان لوگوں نے کیا کرایا ہے خدا بتا دے گا اور خدا تو ہر شے سے خوب واقف ہے۔

خدا نے اپنے رسولؐ کی ایک اعزازی اور احترامی شان رکھی ہے۔ امت والوں کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ

حضرتؐ کا نام لے کر پکاریں بلکہ یا رسولؐ اللہ، یا نبیؐ اللہ کہہ کر پکارنا چاہیئے۔ یا محمدؐ کہہ کر نہیں۔ خدا نے اس احترام کو اس حد تک ملحوظ رکھا ہے کہ خود بھی کہیں قرآن میں یا محمدؐ کہہ کر نہیں پکارا بلکہ صفات سے پکارا ہے جیسے یٰسٓ، المزمّل، المدثر، یا ایھا النبیؐ، یا ایھا الرسولؐ۔ اس نے مسلمانوں کو اجازت نہیں دی کہ رسولؐ کی مخالفت کریں۔ درصورت مخالفت ان پر سخت عذاب آئے گا یا کوئی بڑی مصیبت نازل ہو جائے گی۔ یہ بھی اجازت نہیں دی کہ رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز بھی بلند کر سکیں۔ جن لوگوں نے ایسا کیا ہوگا سمجھ لیجئے ان کا کیا حشر ہوگا۔

(۲۵) سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ (۴۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

مبارک ہے وہ ذات (خدا) جس نے قرآن کو اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کیا تاکہ وہ سارے جہان کو ڈرانے والا ہو۔ وُہ وہ خدا ہے جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے نہ اس نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں شریک ہے ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے اور اس کو ایک خاص اندازہ سے پیدا کیا ہے لوگوں نے اُسے چھوڑ کر ایسوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وُہ خود دُوسرے کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور نہ وہ اپنے نقصان پر قدرت رکھتے ہیں نہ اپنے نفع پر اور نہ ان کو اپنی موت پر قابو ہے نہ زندگی پر اور نہ مرنے کے بعد اُٹھنے پر۔

قرآن کریم میں بار بار اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ خدا کے نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی نہ جورو نہ کوئی اس کا خاندان ہے۔ یہ سب نسبتیں اور تعلقات تو اس کی مخلوق کے ہوتے ہیں اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں۔ شریک کیسے ہوں جبکہ سب اس کی مخلوق ہیں اور کسی نے کوئی چیز اس دُنیا میں خلق نہیں کی۔ خدا نے ہر شے کو ایک اندازہ سے پیدا کیا ہے یعنی جس مخلوق کو جو قد و قامت رنگ ڈھنگ دیا ہے یا جو اس کی نشو و نما کا طریقہ ہے وہ سب اس کے حسب حال ہے۔ اگر اس میں ذرا سی تبدیلی کر دی جائے تو اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ خواہ غذا میں ہو یا مقامِ رہائش میں۔

جو لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پُوجا پاٹ کرتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ ان کی کس بات پر مَر مٹے ہیں نہ تو اُن کو اپنے نفع پر قابو ہے نہ نقصان پر نہ زندگی پر نہ موت پر پھر ان کی کون سی ادا ہے جس کے پیشِ نظر ان کے سامنے سجدہ ریزی بھی ہو رہی ہے اور ان کو اپنا حاجت روا بھی سمجھا جا رہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚۛ﴿۴﴾ وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۶﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

ع ۱ الف ۱۰ عند المتاخرین ۱۲

کافر لوگ کہنے لگے یہ تو سب جھُوٹ مُوٹ کی باتیں ہیں جسے اس (شخص) نے خود گڑھ لیا ہے اور اس افترا پردازی میں لوگوں نے اس کی مدد بھی کی ہے۔ بے شک ان لوگوں نے خود ہی ظلم و فریب کیا

ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصّے ہیں جن کو یہ شخص (محمدؐ) لکھواتا ہے اور وہی صبح و شام اُسے سُنائے جاتے ہیں۔ اے رسول تم کہہ دو یہ کتاب تو اُس اللہ نے نازل کی ہے جو زمین و آسمان کے بھید جانتا ہے وُہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ اور وُہ یہ بھی تو کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے کھانا کھاتا ہے بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل ہُوا تاکہ وہ بھی اس کے ساتھ ڈرانے والا بن جاتا یا اس کے لیے آسمان سے کوئی خزانہ ہی گرا دیا جاتا یا اس کا کوئی (ہرا بھرا) باغ ہی ہوتا جس کے پھل پھلاری کھاتا اور یہ ظالم کفّار (مؤمنوں سے) کہتے ہیں تم تو ایک ایسے شخص کا اتباع کر رہے ہو جو سحر زدہ ہے،

قرآن کے متعلق مشرکین نے یہ ہَوائی اڑا رکھی تھی کہ محمدؐ کے پاس ایک شخص رات کو آتا ہے وہ عبرانی زبان میں لکھی ہُوئی کتابوں کے ترجمے سناتا ہے وہی آپؐ صبح کو اپنے اوپر ایمان لانے والوں کے سامنے پڑھ کر سُنا دیتے ہیں۔ کس قدر ظلم پسند اور فریب کار تھے۔ یہ لوگ اگر ایسا تھا تو کسی روز اس آنے والے کو پکڑ کیوں نہیں لیا۔ یہود و نصاریٰ سے کیوں نہیں پوچھا کہ جو باتیں قرآن میں بیان کی گئی ہیں وہ توریت و انجیل یا صحف انبیاءؑ میں بجنسہٖ موجود ہیں یا نہیں۔ یہ سب عداوت و ہرٹ دھرمی کے کرشمے تھے۔ باوجود ان لغویات اور کذوبات کے خداوندِ عالم ان سے درگزر کرتا ہے تاکہ وہ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ وہ شخص بہر حال رہنے والا تو مکہ ہی کا تھا اس پر قابو حاصل کر کے پوچھا جا سکتا تھا۔ دوسرے چالیس برس سے پہلے آنحضرتؐ نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ اگر وہ شخص گھر میں چھُپ کر یہ سبق پڑھاتا تھا تو کسی روز گھر میں گھُس کر اُسے پکڑا کیوں نہ لیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر یہ دعویٰ نبوّت کسی پڑھانے سکھانے والے کے زور پر کیا گیا تھا تو پھر اصحابِ خاص اپنے ایمان میں اتنے پختہ کیوں تھے بالخصوص حضرت علی علیہ السلام جو ہر وقت آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ یہ فریب ان پر نہ کھُلا۔ اگر یہ سب بناوٹی باتیں ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ حضرت علیؑ اور دیگر صحابہؓ اپنی جانیں قربان کرتے۔

دوسرا اعتراض یہ تھا یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح چلتا پھرتا بھی ہے اور کھاتا پیتا بھی ہے۔ گویا ان کے نزدیک نبی ایسا ہونا چاہیئے تھا جو ہَوا سے پیٹ بھرتا اور بادشاہانِ دُنیا کی طرح محلّوں کے اندر چھُپ کر رہتا۔ دروازہ پر پہرہ دار ہوتے کسی کو اندر جانے نہ دیتے۔ لوگ اس کی زیارت کو ترستے۔ بُتوں کی طرح ایک جگہ دھنا دیئے بیٹھا رہتا نہ کھانے پینے سے غرض ہوتی نہ چلنے پھرنے کی اس میں طاقت ہوتی۔ لوگ خود ہی اس کے پاس آکر ہدایت پاتے۔ وہ نہ کہیں آتا نہ جاتا۔ نبوت کا یہ عجیب مفہوم وہ اپنے ذہن میں لیے ہوئے تھے۔ کیا ان سے پہلے انبیاءؑ اس دُنیا میں نہیں آئے تھے۔ کیا ان کی زندگی کے حالات ان تک نہیں پہنچے تھے۔ کیا وہ چلتے پھرتے کھاتے پیتے نہ تھے۔ ضرور ان سب باتوں کو جانتے تھے مگر جب مفت کی چھیڑ چھاڑ ہی منظور ہو تو پھر معقول باتوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ نبی کے ساتھ ایک فرشتہ بھی کوڑا یا لٹھ لیے چلتا۔ جو نبی کی بات نہ مانتا تڑ سے لٹھ اُس کے

سر پر مار کر بھنڈار کھول دیتا۔ پھر کیا تھا ایمان کے ہر طرف ڈھیر لگ جاتے اور کفر کا کوئی نام نہ لیتا۔

وہ تو یہ بھی کہتے تھے کہ ایک خزانہ آسمان سے برس جاتا، سونے چاندی کے ڈھیر لگ جاتے اور نبی یہ اعلان کرتا جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کی گود سونے چاندی سے بھر دی جائے گی پھر تو لوگ ایسے ٹوٹ پڑتے جیسے پیاسے کنوئیں پر اور ایسے روپہلی سنہری ایمان کا نبی کے اردگرد انبار لگ جاتا۔ وہ تو یہ بھی کہتے تھے کہ نبوّت کی ملکیت کوئی پھلا پھُولا باغ ہوتا، جس میں قسم قسم کے میوے لگے ہوتے سیب۔ انار۔ انگور۔ کھجُور۔ آم۔ جامن پھلوں کی خوشبو مہکتی ہوتی اور لوگ دیوانہ وار باغ کی طرف لپکتے ہوتے۔ نبی پھل کھاتا جاتا اور ان کے رس سے چپکے ایمان کی گٹھڑیاں باندھتا جاتا۔

ان تمام اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبوّت کا مفہوم سمجھے ہوئے نہ تھے۔ سمجھتے تو جب کہ سمجھنے کی کوشش کرتے۔ باوجود اس ظالمانہ اور احمقانہ چھیڑ چھاڑ کے خدا ان کو مہلت دیتا رہا کہ شاید سمجھ جائیں لیکن وہ کہاں سمجھنے والے تھے۔

رسولؐ کی اس حالت سے کہ وہ عام لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ امیروں سے زیادہ غریبوں سے ملتے تھے۔ حضرات علما کو سبق لینا چاہیئے۔ اور اپنے اس طرزِ زندگی کو ترک کرنا چاہیئے کہ میر مہین و مرزا پھویا بنے ہوئے ہیں۔ بغیر سواری کے گھر سے قدم نہیں نکالتے۔ پیدل چلنا شانِ علم کے خلاف سمجھتے ہیں۔ بازار سے سودا سلف لانا گناہ کبیرہ جانتے ہیں۔ مؤمنین سے مصافحہ کرتے ہیں تو عبا کا دامن ہاتھ پر ڈال لیتے ہیں۔ غریبوں سے کم ملتے ہیں امیروں سے زیادہ۔ بات بات سے رعونت ٹپکتی ہے۔ اپنی محنت سے نہیں بلکہ دوسروں کی دولت سے آرام و آسائش کا سامان مہیّا کرتے ہیں۔ قوم ان کے ناز نخرے اس بنا پر اُٹھاتی ہے کہ وہ ان کے مذہب کے عالم کہلاتے ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩﴾ ع ۹/۱۶

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿١٠﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾ ۚ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾ ۭ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ

ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ⑭

(اے رسول ذرا دیکھو) ان لوگوں نے تمہارے لیے کیسی کیسی پھبتیاں گڑھ لی ہیں۔ یہ لوگ گمراہ ہو گئے اب کسی طرح راہِ راست پر نہیں آسکتے۔ خدا تو ایسا بابرکت ہے کہ اگر چاہے (تو ایک باغ کیا چیز ہے) ایسے بہتیرے باغ تمہارے لیے پیدا کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور تمہارے واسطے محل بنا دے (یہ سب کچھ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ) ان لوگوں نے قیامت کو جھوٹ سمجھا ہے اور جس نے جھوٹ سمجھا ہم نے اس کے لیے جہنّم کو تیار کر رکھا ہے۔ جب وہ ان لوگوں کو دُور سے دیکھے گا تو (جوش مارے گا) اور یہ لوگ اس کے جوش و خروش کی آواز سنیں گے اور جب یہ لوگ زنجیروں سے جکڑ کر اس کی کسی تنگ جگہ سے جھونک دیئے جائیں گے تو اس وقت موت کو پکاریں گے (اس وقت ان سے کہا جائے گا) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہتیری موتوں کو پکارو۔

جہنّمیوں کا حال

جہنّم کی آگ دُنیا کی آگ کی طرح بے شعور نہ ہو گی۔ وہ کافروں کو دیکھتے ہی پہچان لے گی اور جوش میں آجائیگی۔ وہاں ایسا نہ ہو گا کہ جل بُھن کر آدمی عذاب سے نمٹ جائے بلکہ موت کا وہاں سوال ہی نہ ہو گا ہمیشہ ہمیشہ جلتے ہی رہیں گے

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ⑮ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ⑰ ۭ

اے رسول تم ان لوگوں سے کہو آیا یہ جہنّم بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کا باغ بہشت، جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کے اعمال کا صلہ ہو گا اور آخری ٹھکانہ۔ جس چیز کی خواہش کریں گے ان کے لیے وہاں موجود ہو گی اور وُہ ہمیشہ وہاں اس حال میں رہیں گے۔ یہ تمہارے پروردگار کا (ایک

لازمی اور) مانگا ہوا وعدہ ہے اور جس دن خدا ان لوگوں کو اور جن کی یہ عبادت کرتے تھے ان کو جمع کریگا اور پُوچھے گا کیا تم ہی نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ لوگ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے۔ (تو کیا جواب دیں گے)۔

وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا سے یہ مراد ہے کہ جنّت دینے کا جو وعدہ خدا نے کیا ہے اس کو پُورا کرنے کا مطالبہ کیا جا سکے گا۔

جن بتوں کی یہاں عبادت کی جاتی ہے اگرچہ یہاں وہ گونگے ہیں مگر قیامت میں جب ان سے سوال کیا جائیگا تو وہ بولنے لگیں گے جیسے انسان کے اعضاء جو یہاں خاموش ہیں وہاں ان میں بولنے کی طاقت آجائے گی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جن معبودانِ باطل سے سوال کیا جائے گا ان سے مراد بُت نہیں ہیں بلکہ وہ فرشتے انبیاء۔ مرسلینؑ اور اولیاء ہیں جنہیں لوگ اپنا معبُود بنا بیٹھے تھے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰي نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ⑱ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ⑳ ع

ع ٢ / ١١ / ١٧

(ان کے معبود) کہیں گے سُبحان اللہ (ہم تو خود تیرے بندے ہیں) ہمیں یہ کسی طرح زیبا نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر کسی دُوسرے کو اپنا سرپرست بناتے (پھر اپنے کو کیوں معبود بناتے)۔ مگر

بات یہ ہے کہ تُو نے ہی ان کو اور ان کے باپ دادا کو چین دیا یہاں تک کہ ان لوگوں نے تیری راہ بُھلادی اور یہ خود ہلاک ہونے والے لوگ تھے (تب کافروں سے کہا جائے گا) تم جو کچھ کہہ رہے ہو، تمہارے معبودوں نے تمہیں جُھٹلا دیا تو اب تم نہ تو ہمارے عذاب ہی کو ٹال دینے کی طاقت رکھتے ہو نہ کسی سے مدد ہی لے سکتے ہو (یاد رکھو) تم میں سے جو ظلم کرے گا ہم اس کو بڑے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اے رسول تم سے پہلے ہم نے جن رسولوں کو بھیجا تھا وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے بھی تھے اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کا ذریعۂ آزمائش بنایا ہے۔ (مسلمانو) کیا تم اب بھی صبر کرتے ہو (یا نہیں) اور تمہارا پروردگار سب کا حال دیکھ رہا ہے۔

یہاں جواب دیا گیا ہے اہلِ مکہ کے اس اعتراض کا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا ہے ان سے کہا جا رہا ہے کہ اس رسول سے پہلے بھی رسول آتے تھے جیسے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ جن کو تم بھی مانتے ہو تو کیا وہ کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے نہ تھے۔ کیا ان کے واقعات کو تم نے سُنا نہیں۔ پس یہ اعتراض تمہارا پیغمبرِ آخر الزماں ہی پر کیونکر ہے۔

اب رہا ایک کا دوسرے کے ذریعۂ امتحان لینا تو دُنیا میں ایسے امتحان ہوتے ہی رہتے ہیں۔ یہ انسان کی مختلف حالتوں سے لیے جاتے ہیں۔ کسی کو غریب بنا کر کسی کو امیر بنا کر۔ کسی کو مؤمن بنا کر کسی کو کافر بنا کر۔ انبیاءؑ کا امتحان امت کی ایذا رسانی پر صبر میں اور زحمتِ تبلیغ میں لیا جاتا ہے۔ اور امت کا امتحان رسولوں کے احکام ماننے اور ان کی فرمانبرداری میں لیا جاتا ہے۔

مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ جو تکلیفیں تمہیں کفار سے پہنچ رہی ہیں ان پر صبر کرو۔ یہ تمہارے امتحان کا وقت ہے خدا تم کو اس صبر کی بہت اچھی جزا دے گا۔

فہرست مَوضُوعات

الف

ب

پ

ت

ج

ح

خ

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

کتبہٗ محمود ابن الماس رقم، لاہور
معاون عنبرین زہرا ندیم

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ سا ظہیر حسین
۴] علامہ سید علی نقی
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جار حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ہما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا احمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم